

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

کی تمام کتب میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی عالمی شہرت یافتہ کتاب

صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

# داعی اسلام

(پیغام و نظام)



وَدَاعِي إِلَى اللَّهِ بِآذِيهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا

اور بلانے والا حق کی سمت اس کے حکم سے اور ایک روشن چراغ (اس بزم عالم کیلئے)

مترجم: پروفیسر خالد پرویز

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

داعی اسلام  
(پیغام و نظام)

# داعی اسلام

صلی اللہ علیہ وسلم

(پیغام و نظام)

ڈاکٹر محمد جمید اللہ

مترجم  
پروفیسر خالد پرویز

علی میاں پبلی کیشنز

20- عزیز مارکیٹ، اردو بازار لاہور پاکستان۔ فون: 37247414

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

باراول \_\_\_\_\_ 2010ء  
 فن پارہ (ہفتیں) \_\_\_\_\_ علی اعجاز نقاشی  
 کمپوزنگ \_\_\_\_\_ محمد انور سجاد عاتق رحمن  
 مطبع \_\_\_\_\_ اکرم پریس، لاہور  
 قیمت \_\_\_\_\_ 325 روپے  
 Price \_\_\_\_\_ 15 Pond uk

ISBN 978- 969-517-306-0

ملنے کے پتے

خزینہ علم و ادب / اشرف بک ایجنسی / ویکم بک پورٹ  
 اکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور / اقبال روڈ، کینٹر چوک، راولپنڈی / مین اردو بازار، کراچی  
 علی بک سٹال / شمع بک سٹال / جہانگیر بک ڈپو  
 نسبت روڈ، چوک میوہ پتال، لاہور / بھٹہ بازار، ریفصل آباد / اندرون بوہرکٹ، ملتان  
 حق پبلی کیشنز / روہی پبلی کیشنز  
 چیمبر گی روڈ، اردو بازار، لاہور / محمد مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

کتاب ہذا میں اللہ کے فضل اکرم سے انسانی طاقت اور بسا اے کے مطابق کچھ رنگ میں پوری احتیاج کی گئی ہے بشری  
 تھامنے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے تو اپنا فریضہ سمجھتے ہوئے ازراہ کرم ادارہ کو مطلع فرمائیں۔ انشاء اللہ اگلے ایڈیشن  
 میں غلطی کو درست کر دیا جائے گا۔ شکریہ



## انتساب

رب رتین و رحیم کے نام  
جس نے  
مجھے لفظ اور قلم کی نعمتوں  
سے سرفراز فرمایا!

پروفیسر خالد پرویز

## حسن ترتیب

| صفحہ نمبر | عنوان  | نمبر شمار |
|-----------|--|-----------|
| 11        | داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ | باب 1     |
| 30        | بنیادی اسلامی تعلیمات کا تحفظ                | باب 2     |
| 54        | اسلامی نظریہ حیات                            | باب 3     |
| 69        | ایمان اور عقیدہ                              | باب 4     |
| 87        | جاں نثارانہ حیات اور اسلامی عبادات           | باب 5     |
| 109       | اسلام اور نظریہ تصوف                         | باب 6     |
| 123       | اسلام کا اخلاقی نظام                         | باب 7     |
| 139       | اسلام کا سیاسی نظام                          | باب 8     |
| 158       | اسلام کا عدالتی نظام                         | باب 9     |
| 175       | اسلام کا معاشی نظام                          | باب 10    |
| 193       | اسلام میں عورت کا مقام                       | باب 11    |
| 212       | اسلام میں غیر مسلموں کا مقام و مرتبہ         | باب 12    |
| 226       | آرٹس اور سائنسی علوم میں مسلمانوں کا کردار   | باب 13    |
| 249       | اسلام کی عمومی تاریخ                         | باب 14    |
| 261       | مسلمان کی روزمرہ زندگی                       | باب 15    |
| 282       | نماز صرف عربی ہی میں کیوں؟                   | باب 16    |

## دُعا

میں نہ تو یوسف علیہ السلام کے نریداروں میں ہوں اور نہ ہی عیسیٰ علیہ السلام کے رازداروں میں ہوں۔ میں تو رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے طلبگاروں میں ہوں۔ روزِ محشر جب ربِ رحمن درجیم کے اذن سے رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم قہارِ اندر و قہارِ گنہگار و خطاکارِ امتیوں کی شفاعت فرمائیں گے تو میں بھی شفاعت کے امیدواروں میں ہوں کیونکہ گنہگاری و خطاکاری کا ”شرف“ مجھے بھی حاصل ہے۔

پرستاری کے ہنر سے آگاہی و آشنائی نہ ہونے کے باوجود، اللہ کے پرستاروں میں ہوں۔ من مونی ہوں۔ جب کبھی جی چاہتا ہے تو ربِ غفار و ستار کی بارگاہ میں حاضری لگوا لیتا ہوں بالکل اسی کام چور بچے کی طرح جو کلاس میں پڑھنے کے لیے نہیں صرف حاضری لگوانے کے لیے آتا ہے تاکہ لیکچر شارٹ نہ ہو جائیں لیکن میرے تو لیکچر بھی شارٹ ہیں اور امتحان کی تیاری بھی نہیں کی۔

مگر میرے اندر کا بچہ عجیب مزاج کا مالک ہے۔ خود طفل ہو کر مجھے ”ھقل نسلیاں“ دیتا ہے کہ فکر مت کر۔ رب تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمید کی گناہ ہے۔ ربِ عظیم بذات الصدور کی ذاتِ نفور درجیم ہے۔ یہ ربِ کریم و عظیم کا کریم نہیں کہ اس نے جہیں حرف و لفظ کی حرمت کی سعادت بخشی ہے؟ قلم کی قسم کھانے والے نے تمہارے ہاتھ میں نہ صرف قلم دیا ہے بلکہ قلم کو راہ و راں رکھنے کی توفیق بھی عطا کی ہے۔

اور پھر میں بچے کی باتیں سن کر بیچوں کی طرح ربِ رؤف و رحیم سے دعا و اتقا کرنے لگتا ہوں کہ یا رب قادر و قدیر! روزِ حساب میرا حساب کتاب مینے سے پہلے مجھے خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب و کتاب رکھنے کا حکم دینا تاکہ میں لکھتا رہوں..... لکھتا رہوں اور یوں روزِ حساب کا وقت گزر جائے اور پھر جب فرشتے کہیں کہ اس لکھاری کا حساب ابھی رہتا ہے تو رب تعالیٰ فرمائیں کہ سے بغیر حساب قیام بخش دیا جاتا ہے۔

میری اس آرزو پر میرے اندر کا بچہ، بڑوں کی طرح مجھ پر ہنستا ہے تو میں اسے کہتا ہوں کہ رب قادر و قدیر جو چاہے کر سکتا ہے۔ بتاؤ کیا رب غفور و غفار ایسا نہیں کر سکتا؟ بچہ کہتا ہے کہ بے شک رب وحدہ لا شریک ایسا کر سکتا ہے۔ اس نے تو خود کہا ہے کہ ”جب کوئی دعا مانگنے والا مجھ سے دعا مانگتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں.....“ اور پھر میں خوشی سے لبریز ہو جاتا ہوں۔

خوشی کے اسی عالم میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمہ اللہ نے دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی دل نشیں و راحت آفریں کتاب ”Introduction to Islam“ کا ترجمہ پیش ہے۔ اسلام اور داعیِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر

میرے خیال میں یہ انتہائی جانع کتاب ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمہ اللہ نے تمام تر مطالعہ کا نچوڑ اور تحقیق کا عرق اس کتاب میں سمودیا ہے۔

انسانی طاقت اور بساط میں جو کچھ ہے اس کے مطابق اور رب رحمن ورحیم کے فضل وکرم سے میں نے ہر ممکن کوشش وکوش کی ہے کہ کتاب میں کسی قسم کی کوئی غلطی نہ رہ جائے۔ یہ امر زیرِ نظر رہے کہ کمپوزنگ میں بھی غلطیاں ہو جاتی ہیں اور بار بار کی پروف ریڈنگ کے باوجود بھی رہ جاتی ہیں۔ اس کے باوجود اگر دورانِ مطالعہ کسی ایسی بنیادی غلطی کا علم ہو تو اپنا فریضہ سمجھتے ہوئے مجھے ضرور مطلع فرمائیں تاکہ دوسرے ایڈیشن میں اس کی تصحیح کی جاسکے۔

آپ دعا کیجیے کہ رب کریم و عظیم اپنے کرم کی بارش مجھ سمیت ہم سب پر جاری و ساری رکھے۔ میری اس کاوش میں میری بیٹی راحیلہ خالدہ نے میرا بھرپور ساتھ دیا۔ رب کائنات اے دین و دنیا کی ڈھیروں خوشیاں نصیب فرمائے۔

کتاب کے پبلشر عبدالغفار صاحب کا خصوصی شکریہ کہ جنہوں نے یہ کتاب آپ تک پہنچانے میں فعالیت کا مظاہرہ کیا۔ اس سے پہلے علی میاں پبلی کیشنز سے شائع ہونے والی چار کتابیں قرآن و حدیث میں محمد ﷺ کے احادیث، حدیث، اللہ والے اور ولیاء اللہ قارئین میں پسندیدگی کی سند پا چکی ہیں۔

خلوص آگئیں!

پروفیسر خالدہ بیویز

0300-6302548

## حمد

وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ  
وَالْبَحْرُ يَمْدُكُ مِنْ بَعْدِ سَبْعَةِ أَبْحُرٍ  
مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٧﴾

(سورۃ لقمان: آیت 27)

”اور اگر ہماری زمین کے پیز بن جائیں قلم  
اور سمندر کی سیانی (بہر تسوید و رقم)  
کو سمندر سات ہوں اس کی مدد کو اور بھی  
پھر بھی باتیں ہو نہیں سکتیں تمام اللہ کی  
صاحبِ حکمت ہے وہ اور سب پہ غائب ہے دہی“

اولیاء کرام کی زندگی کے روشن پہلو

## اولیاء اللہ

پروفیسر خالد پرویز

اولیاء کرام کی زندگی کے روشن پہلو

## اللہ والے

پروفیسر خالد پرویز

پروفیسر خالد پرویز کی بہترین کتب

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تمام کتب میں سے زیادہ دیکھی جانے والی ماحولیت بذات کتاب

## داعی اسلام

مترجم: پروفیسر خالد پرویز

قیمت 125 روپے

پروفیسر خالد پرویز کی دیگر کتب

## ہمہ قرآن در شان محمد ﷺ

قیمت 100 روپے

اس کتاب میں قرآن مجید کی ہر آیت کی تفسیر اور تفسیر کے حقائق بیان کیے گئے ہیں

## ائمہ حدیث

قیمت 100 روپے

ایک نیا قرآن و حدیث کا مجموعہ جس کے واسطے آپ کو کتب کا پورا

- جامع قرآن و حدیث کی تفسیر
- جامع قرآن و حدیث کی تفسیر
- جامع قرآن و حدیث کی تفسیر
- جامع قرآن و حدیث کی تفسیر
- جامع قرآن و حدیث کی تفسیر
- جامع قرآن و حدیث کی تفسیر

## اللہ والے

- جامع قرآن و حدیث کی تفسیر
- جامع قرآن و حدیث کی تفسیر
- جامع قرآن و حدیث کی تفسیر
- جامع قرآن و حدیث کی تفسیر
- جامع قرآن و حدیث کی تفسیر
- جامع قرآن و حدیث کی تفسیر

## اولیاء اللہ

- جامع قرآن و حدیث کی تفسیر
- جامع قرآن و حدیث کی تفسیر
- جامع قرآن و حدیث کی تفسیر
- جامع قرآن و حدیث کی تفسیر
- جامع قرآن و حدیث کی تفسیر
- جامع قرآن و حدیث کی تفسیر

علی بکسٹال

علی بکسٹال

علی بکسٹال

علی بکسٹال

## داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ

1؎ بنی نوح انسان کی تاریخ میں ایسے افراد کی کمی نہیں رہی جنہوں نے بلا شک و شبہ اپنی زندگیاں اپنی قوموں اور نسلوں کی مذہبی، معاشرتی فلاح و اصلاح کے لئے وقف کر دیں۔ وہ ہمیں زمان و مکان کے ہر رنگ و انگ میں نظر آتے ہیں۔ ہندوستان میں ایسے لوگ بھی آباد تھے جنہوں نے دنیا کو ونید (ہندوؤں کی مذہبی کتابیں) دیں جبکہ یہاں گوتم بدھ کی تعلیمات بھی تھیں۔ چین میں کنفیو شیس اور امیران میں پارسی سرگرم تھے۔ بائبل (قبل مسیح کی عظیم سلطنت) میں دنیا کے ایک عظیم مصلح و باوی اور پیغمبر و رہبر حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے (آپ علیہ السلام کے پیش رو پیغمبروں کے بارے میں ہم بات نہیں کرتے جیسے حضرت یونس علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کہ جن کے متعلق ہم بمشکل کچھ معلومات رکھتے ہیں) یہودی شایہ پیغمبروں کے ایک طویل سلسلے کے باعث بجا طور پر افتخار و اعزاز محسوس کرتے ہیں جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت شموئیل علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں۔

2؎ دونوں نکات از حد قابل ذکر و فکر ہیں۔ اول یہ کہ تمام مصلحین خدائی مشن کے وعوید اور علمبردار تھے اور انہوں نے اپنی اقوام کی صلاح و فلاح کی خاطر ایسی مقدس کتابیں چھوڑیں جو ان کی رہبری و رہنمائی کے لئے ضابطہ بنائے حیات فراہم کرتی تھیں۔ دوسرے یہ کہ اس دور میں باہمی جنگ و جدال، قتل و غارت اور نسل کشی جیسے انتہائی اذیت دہن روزمرہ کا معمول بن گئے تھے جن کی وجہ سے خدائی مشن و مقصد اور تعلیمات و فرمودات کے فروغ و ترویج کو کبھی کم کبھی زیادہ اور کبھی مکمل نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔ جہاں تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحائف کا تعلق ہے ہم انہیں صرف نام کی حد تک جانتے ہیں جبکہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحائف بار بار ضائع ہوئے تاہم ان کا کچھ حصہ محفوظ رہا۔

نظریہ خدا:

3؎ اگر کوئی نسل انسانی کے ارتقاء کا جائزہ و تجزیہ ماضی کی دریافت شدہ باقیات کی بنیاد پر کرنا چاہے تو اسے معلوم ہوگا کہ انسان ہمیشہ ایک بہت بڑی قوت و طاقت کی موجودگی محسوس کرتا رہا ہے جو تمام جہانوں کا

مالک اور جملہ مخلوق کا خالق ہے۔ طریقہ اور نظریات چاہے مختلف ہوں لیکن ہر دور کے لوگوں نے اپنی ان کوششوں اور کوششوں کے ثبوت چھوڑے ہیں جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی کے لئے کیں۔ ہر جگہ اور ہر وقت موجود رہنے والے اُن دیکھے خدا سے رابطہ بھی تسلیم کیا جاتا رہا ہے جو انسانوں کے ایک مختصر طبقہ کو شریف النفس اور اللہ جل شانہ کی حمد و ثناء کرنے والی اعلیٰ و ارفع روحانی قوتوں کے ذریعے ممکن ہوا۔ خواہ اس رابطہ نے خدائی کے زندہ نمونے کا روپ دھار لیا یا اپنے آپ کو وحی و الہام یا عرفان و فیضان کے ذریعے خدائی پیغامات کی وصولی کا وسیلہ بنا لیا۔ بہر طور مقصد و محور لوگوں کی رہبری و رہنمائی ہی تھی۔ یہ قدرتی امر رہا کہ کچھ نظاموں کی تشریحات و توضیحات دوسرے نظاموں کی نسبت زیادہ مؤثر و مؤقر اور قابل و مائل آفریں ثابت ہوئیں۔

﴿3﴾ (الف) الہیاتی فکر و خیال کے حامل ہر نظام کی اپنی اصطلاحات ہوتی ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ اصطلاحات اپنی وسعت و صلاحیت سے اس قدر زیادہ اہمیت و مقصدیت حاصل کر لیتی ہیں کہ ان کے تراجم اپنا مطلب و مفہوم کھودیتے ہیں تاہم ایک طبقہ فکر کے خیالات کو کسی دوسرے مجتہد فکر کے افراد کو سمجھانے کا کوئی اور طریقہ بھی نہیں ہے۔ خاص طور پر غیر مسلم قارئین کے لئے یہ عنصر ذہن نشین کرنا از حد ضروری ہے کیونکہ یہ ان کے لئے حقیقتاً و غایتاً ایک ناگزیر مجبوری ہے۔

﴿4﴾ چھٹی صدی عیسوی کے اواخر میں حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے بعد انسان زندگی کے مختلف میدانوں میں پہلے سے زیادہ ترقی کر چکا تھا۔ اس وقت کچھ مذاہب کے پیروکار غلطی الا اعلان یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ان کا مذہب محض خاص زمانے اور لوگوں کے ایک خاص گروہ کے لئے مخصوص تھا کیونکہ یقیناً ان کے پاس نسل انسانی کی بیماریوں کے مدارک کے لئے اعلیٰ معیار اور ارفع سطح کا کوئی بھی حل موجود نہیں تھا۔ کچھ مذاہب ایسے بھی تھے جو عالمگیریت کے دعویدار تھے تاہم ان کے نظریہ کے مطابق انسان کی نجات محض اس امر میں تھی کہ وہ دنیا سے لاتعلقی و قطع تعلق ہو جائے۔ یہ وہ مذاہب تھے جو محض خصوص اور ممتاز و ممتاز یعنی بہت ہی کم تعداد کے افراد کے لئے تھے۔ ہمیں ان علاقوں کے بارے بات کرنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے کہ جہاں سرے سے کوئی مذہب ہی نہیں تھا اور جہاں کفر و الحاد اور مادیت پرستی کی حکمرانی تھی۔ جہاں ہر کسی پر کسی دوسرے کے حقوق تسلیم کرنے یا ان کا احترام کیے بغیر صرف و صرف اپنی ہی خوشی و خوشنودی کا غلبہ تھا۔

## عرب:

﴿5﴾ اہم نصف کرہ کے نقشے کا بغور مطالعہ اگر زمین اور سمندر کے باہمی تناسب کے نقطہ نظر سے کیا جائے تو ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ جزیرہ نمائے عرب تین براعظموں ایشیا، افریقہ اور یورپ کے سنگم پر واقع ہے اور یہ کہ اس وسیع و عریض براعظم عرب کا زیادہ تر علاقہ صحرا پر مشتمل تھا جہاں مستقل رہائش پذیر افراد کے ساتھ ساتھ خانہ بدوش بھی سکونت پذیر تھے۔ زیادہ تر یہی تھے کہ ایک ہی قبیلے کے لوگ انہی دو گروہوں میں منقسم تھے اور زندگی



کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے کے باوجود ایک ہی رشتہ میں منسلک تھے۔ عرب میں ذرائع معاش و معیشت نا کافی تھے کیونکہ صحرا کی اپنی کمزوریاں و مجبوریاں تھیں جبکہ تجارتی قافلوں کو زراعت یا صنعت کے برعکس زیادہ اہمیت و افضلیت حاصل تھی اور جب یہ صورت حال از حد گھمبیر ہوئی تو لوگوں کو جزیرہ نمائے عرب سے شام، مصر، حبشہ، عراق، ہند، انڈیا اور دوسرے علاقوں کا رخ کرنا پڑا۔

6 یمن کو بجا طور پر عرب میں بنیادی اہمیت و حیثیت حاصل تھی ایک وقت ایسا تھا کہ یمن کو شیبہ اور مدائن کی پختی تہذیبوں کا مرکز و محور سمجھا جاتا تھا۔ تب روم کے شہر کی بنیاد تک بھی نہیں رکھی گئی تھی۔ بازنطینیوں اور فارسیوں کی طرف سے مختلف صوبے چھینے جانے کے بعد عظیم یمن جو اپنے وجود کی بہاروں سے گزر رہا تھا اور عروج پر تھا ان گنت ریاستوں کی صورت بکھر گیا۔ یہاں تک کہ غیر ملکی حملہ آوروں نے اس کے کچھ حصہ پر قبضہ کر لیا ایران کے سامانی جو یمن میں سرایت کر چکے تھے پہلے ہی مشرقی عرب پر قبضہ کر چکے تھے۔ دار الخلافہ قطیفہ بخاندن میں سیاسی بد انتظامی اور معاشی ابتری تھی۔ جس کا عکس یمن کے تمام علاقوں میں نظر آتا تھا۔ شمالی عرب بازنطینیوں کے زیر اثر آچکا تھا اور اپنی مخصوص مشکلات و مسئلے کے گرداب میں تھ۔ صرف مرکزی عرب ہی غیر ملکی قبضوں کی اخلاقی پستی کے بد اثرات سے محفوظ و مامون رہا تھا۔

7 مرکزی عرب کے اس محدود علاقے میں مکہ، طائف اور مدینہ ایسی تھیں جہاں رب رحمن و رحیم کا فضل و کرم نظر آتا تھا۔ مکہ ایک صحرائی علاقہ تھا جو پانی اور زراعت کی زمینی آسائشوں سے محروم ایک طرح سے افریقہ اور جلتے صحرائی کی ترجمانی کرتا تھا۔ یہاں سے بمشکل پچاس میل کے فاصلے پر طائف، یثرب اور اس کی سردی و بخ بگ کی تصویر پیش کرتا تھا۔ شمال میں مدینہ، شام بھیسے معتدل ایشیائی ممالک سے کم زرخیز نہیں تھا۔ اگر موم انسانی کردار پر اثر انداز ہوتا تو یہ مثلث جو عظیم نصف کرہ کے درمیان میں ایستہ و تھکی دنیا کے کسی اور علاقے کی نسبت زیادہ مؤثر و مؤثر ہوتی اور یہاں بلی و مکدانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل نے جنم لیا، پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جنم لیا۔ یوں مکی لوگ عدا قاتی اور انسی اعتبار سے مدینہ و طائف دونوں شہروں سے متصل طور پر منجوسے ہوئے تھے۔

## مذہب:

8 مذہب کے اعتبار سے عرب بت پرستی کا شکار تھا۔ صرف چند افراد نے عیسائیت، پارسیت اور ان جیسے دوسرے مذاہب اپنائے ہوئے تھے۔ مکی لوگ اگرچہ ایک خدا کے نظریے پر کار بند تھے۔ تاہم وہ یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ بتوں کے پاس اتنی طاقت و صلاحیت ہے کہ وہ خدا سے سفارش کر سکتے ہیں۔ قابل تشویش اور حیران کن امر یہ تھا کہ وہ دوبارہ زندہ کیے جانے اور روز آخرت کے بعد کی زندگی پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ البتہ ان کے ہاں ایک خدا کے گھر کا حج کرنے کی رسم محفوظ تھی۔ وہی کعبہ جو ان کے بید امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب قادر و قدیر کی مرضی و منشاء سے تعمیر کیا تھا تاہم ان کی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دو ہزار سال کی دوری نے اس

مقدس رسم حج کو تجارتی میلے کی شکل میں بدل دیا تھا اور کافران و احمقانہ بت پرستی کے موقع کی صورت اختیار کر کے بگاڑ پیدا کر دیا تھا۔ نتیجتاً اس سے کوئی اچھائی و بھلائی کی پیدائش و افزائش کی بجائے معاشرتی و روحانی جذبہ و رویہ کے ساتھ ساتھ اس کی سماجی و اخلاقی اقدار بھی تباہ و برباد ہو رہی تھیں۔

## معاشرہ:

9) تدریجی وسائل میں تقابلی قلت کے باوجود یکلون (کمہ، طائفہ، مدینہ) کے تینوں غلام میں مکہ مکرمہ سب سے زیادہ ترقی یافتہ تھا۔ تینوں میں سے صرف مکہ ہی شہری ریاست تھی جس کا دس خاندانی سربراہوں کی کونسل کے ذریعے حکومتی نظام تھا۔ کونسل کا ہر رکن واضح مساوی انتیارات کا حامل تھا۔ ان ارکان میں وزیر امور خارجہ، وزیر محافظت، وزیر دارالاستخارہ، نگران وزیر امور عبادات، بت کدہ، وزیر تعین ادائیگی از ضمن نقصانات، وزیر امور بیوپار کونسل، وزیر نفاذ فیصلہ جوت پارلیمنٹ کے ساتھ ساتھ وزیر دفاع بھی تھا کہ جس کی ذمہ داریوں میں فوجی معاملات یعنی پرچم کی حفاظت، فوجی دستوں کی قیادت اور اسی نوع کے دوسرے اقدامات شامل تھے۔ قافلوں کے مشہور و معروف رہنماؤں کی حیثیت سے مکہ والے پڑوسی سلطنتوں مثلاً ایران، بازنطینیہ اور حبشہ کے ساتھ ساتھ ان قبائل سے کہ جہاں سے قافلے گزرتے تھے آمد و رفت کے عہد کا بد درآمد کاروبار کرنے کے لئے معاہدے کر سکتے تھے۔ وہ غیر ملکیوں کو اپنے ملک عرب یا اپنے حلیف قبائل کے علاقوں سے آمد و رفت کے دوران حفاظتی دستے بھی فراہم کرتے تھے۔ (ابن حبیب، ”مختصر“) اگرچہ وہ خیالات و نظریات اور دستاویزی ریکارڈ محفوظ کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے تاہم انہوں نے ذوق و شوق کے ساتھ آرٹ اور ادب مثلاً شاعری، خطبات اور نوک داستانوں کی تردید و ترقی میں کردار ادا کیا۔ عورتوں سے عمومی طور پر اچھا سلوک کیا جاتا تھا۔ ان کو جائیداد رکھنے کا حق حاصل تھا۔ وہ اپنی شادی کے معاملات و معاہدات میں اپنا مشورہ دے سکتی تھیں حتیٰ کہ اپنے شوہروں کو طلاق دینے کی شرط کا بھی اضافہ کر سکتی تھیں۔ یہود یا طلاق یافتہ ہونے کی صورت میں وہ دوبارہ شادی کر سکتی تھیں اگرچہ لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کا فعل کچھ علاقوں میں موجود تھا لیکن یہ عمل شاذ و نادر ہی تھا۔

## نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش مبارک:

10) یہ انہی حالات و اثرات کے ایام کے دوران کا واقعہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم 569 میسوی میں عالم ہست و بود میں تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد محترم حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے کچھ ہفتے قبل وفات پا گئے تھے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کا ذمہ لیا۔ اس وقت کے رواج کے مطابق کسی بدوی رضائی ماں کو بچے کی پرورش، پرورش کی ذمہ داری دی جاتی تھی۔ جس کے ساتھ وہ اپنے ابتدائی کچھ سال سحرا

میں گزارتے تھے۔ تمام سوانح نگار اس امر پر متفق ہیں کہ کم سن پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رضاعی ماں کے سینہ کے ایک جانب سے دودھ پیا تاکہ دوسری طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رضاعی بھائی اپنی حیات کی بقا کے لئے غذا حاصل کر سکے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رضاعی ماں کے پاس بٹھرنے کے کچھ عرصہ بعد اپنے گھر واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصبائی رشتہ داروں سے ملانے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد محترم، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر ضروری دینے کے لئے مدینہ لے گئیں۔ وہی کے سفر کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ اچانک مالک حیات و ممات کو پیاری ہو گئیں۔ مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والے دادا عبدالطلب کی وفات کی صورت میں ایک اور محرومی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض آٹھ سال کی عمر میں ان محرومیوں کا مقابلہ کیا۔ آخر کار آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچ حضرت ابو طالب کی محبتوں کے سائے میں آ گئے۔ جو کہ فطرتاً انبیا کی شریف النفس انسان تھے تاہم ان کے پاس ہمیشہ وسائل کی کمی رہتی تھی اور وہ اپنے خاندان کو بھی بمشکل پالنے کے قابل تھے۔

11 یہی وجہ تھی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کم سنی میں جلد ہی روزی کمانا شروع کرنا پڑی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چند پڑوسیوں کے ہاں کم عمر معاون ہمدانہ کی حیثیت سے کام کرتے تھے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک دس سال تھی جب حضرت ابو طالب ایک قافلے کی رہنمائی کے لئے شام روانہ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ہمراہ تھے۔ حضرت ابو طالب کے اور سفروں کا ذکر نہیں مگر اس بات کے حوالے ملتے ہیں کہ آپ نے مکہ مکرمہ میں ایک دکان قائم کی۔ (ابن قتیوبہ "معارف") ہو سکتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کاروبار میں بھی اپنے چچا کی معاونت کی ہو۔

12 مفتے مہینوں اور مہینے سالوں میں بدے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پچیس برس کی عمر کو پہنچے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہر میں اپنے قول کی سچائی و دیانتداری اور کردار کی بلندی و چنگیزی کی وجہ سے مشہور، معروف ہو چکے تھے۔ ایک امیر مہجہ حضرت خدیجہ بنت جحش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی تجارت میں معاون بنالیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مال کی فروخت کی خاطر ملک شام جانے کا کہہ۔ حضرت خدیجہ بنت جحش کو اس سے جو غیر معمولی منافع ہوا اس سے خوش ہو کر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیوں اور خصائص سے متاثر ہو کر حضرت خدیجہ بنت جحش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اختلافی معلومات و حوالہ جات کے مطابق اس وقت حضرت خدیجہ بنت جحش کی عمر 28 یا 40 سال تھی۔ طبی و طبعی وجوہات 28 سال کو ترجیح دیتی ہیں کیونکہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ اور بچوں کو جنم دیا۔ یہ بندھن خوش کن و خوش گوار ثابت ہوا۔ بعد میں، بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حبشہ (یمن) کے میلے میں نظر آتے ہیں اور کم از کم ایک دفعہ عبدالقیس (بحرین، عمان) کے ملک میں تشریف لے جاتے ہیں۔ (بحوالہ ابن حنبل بیہقیہ) یہ سب دبا (عمان) کے میلے کی طرف اشارہ ہے

جہاں ابن الکھمی کے مطابق ہر سال چین اور ہندوستان (انڈیا، پاکستان) کے ساتھ ساتھ فارس اور مشرق و مغرب کے تمام تجارت کا زمینی اور سمندری سفر کے ذریعے اکٹھے ہوتے تھے۔ مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک تجارتی ساتھی کا بھی ذکر ملتا ہے۔ یہ شخص کہ جس کا نام ہم صاب تھا کہتا ہے کہ ”ہم ایک دوسرے پر اعتبار کرتے تھے۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی قافلے کی سربراہی کرتے تو مکہ، ایسی پر تب تک اپنے گھر داخل نہ ہوتے جب تک میرے ساتھ حساب کتاب بے باق نہ کر لیتے اور اگر میں قافلے کی سربراہی کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری واپسی پر میرے نفع کے متعلق تو پوچھتے مگر اپنا حصہ جو میرے پاس ہوتا اس کے بارے بات تک نہ کرتے۔“

## کمزدوروں کی مدد و معاونت:

﴿13﴾ غیر ملکی تجارت کا اکثر اپنا مال مکہ میں فروخت کرنے کے لئے لاتے تھے۔ ایک دن کسی یمنی نے (بوزید قبیلے کا تھا) چند مکلوں کے خلاف طنزیہ و جوہیہ نظم لکھی ایک تو وہ جو اس سے خریدی گئی اشیاء کی قیمت ادا کرنے سے انکاری تھے دوسرے وہ جنہوں نے اس کے دعوے کی حمایت نہیں کی تھی یا اس کی مدد کرنے میں ناکام رہے تھے جب وہ زیادتی کا شکار ہوا تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلے کے سربراہ تھے جب انہوں نے اس منصفانہ طنز کو سنا تو انہوں نے اس پر شدید ندامت کا اظہار کیا۔ انہوں نے شہر کے اکابرین کو ایک ملاقات کے لئے بلوایا اور بے بہاروں کی مدد کے لئے ایک تنظیم بنائی، جسے حلف الفضول کا نام دیا گیا۔ مکہ میں موجود مظلوم افراد کی دادرسی اور مدد و معاونت کے مقصد کے تحت (بالحاظ مقام و شہرت) چاہے وہ اس شہر میں بسنے والے ہوں یا غیر ملکی ہوں) یہ تنظیم بنائی گئی۔ نو جوان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس تنظیم کے ایک سرگرم فعال رکن بن گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعد کی زندگی میں کہا کرتے تھے کہ ”میں نے اس میں حصہ لیا اور میں اس نمایاں اعزازی، مدداری کو چھوڑنے کے لئے تیرہ نہیں ہوں چاہے مجھے اونٹوں کا ایک گڈہ ہی کیوں نہ دے دیا جائے۔ اگر کوئی شخص مجھ سے آج بھی اس عہد و بیان کے حوالے سے استدعا کرے تو میں اس کی امداد و اعانت کرنے میں سرعت سے کام اؤں گا۔“

## مذہبی شعور کا آغاز

﴿14﴾ پینتیس سال کی عمر تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذہبی اعمال و افعال بارے کوئی زیادہ معلومات تاریخ کا حصہ نہیں ہوائے اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی بتوں کی پرستش نہیں کی تھی۔ اس بارے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام سوانح نگاروں نے ثبوت پیش کیے ہیں۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مکہ میں چند دوسرے افراد بھی تھے جو اسی طرح اجتماع کفر و الحاد اور بت پرستی کے خلاف بغاوت کرتے تھے اور انہوں نے کعبہ کے متعلق اپنی وفاداری قائم رکھی ہوئی تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک اللہ کے نام پر تعمیر کیا تھا۔

605 عیسوی میں ایک افسوسناک و اندہ ہناک واقعہ ہوا۔ وہ غلاف جو عہد کی ہیر دنی و دیاروں کے گرد اگرد پڑا ہوا تھا جل گیا۔ کعبہ کی عمارت بھی اس قدر متاثر ہوئی کہ وہ بعد میں آنے والی موسلا دھارا اور تیز رفتار بارشوں کی شدت برداشت نہ کر سکی چنانچہ کعبہ کی تعمیر دوبارہ شروع کی گئی۔ ہر فرد نے اس میں اپنی حیثیت کے مطابق حصہ لیا اور صرف امانت دار و دیانت دار حامیوں اور دوستوں کے تحائف قبول کیے گئے۔ ہر کسی نے اپنی بسط کے مطابق تعمیر کے کام میں حصہ لیا۔ اس دوران حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے کھر دے دئے گئے۔ پتھروں کی نقل و حمل میں زخمی ہو گئے۔ حجر اسود اگرچہ سابقہ تعمیر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود کعبہ اللہ میں نصب کیا تھا مگر اب اس سیاہ پتھر کو دیوار کعبہ میں نصب کرنے کا مرحلہ آیا تو مکہ معظمہ کے باسیوں میں یہ اعزاز حاصل کرنے کے حوالے سے شدید مخالفت سامنے آئی حتیٰ کہ خون ریزی کا خطرہ پیدا ہو گیا تو کسی مدبر شخص نے معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑنے کا مشورہ دیا چنانچہ سچی اس بات پر متفق ہوئے کہ جو شخص اگلی صبح کعبہ میں سب سے پہلے داخل ہو گا اسی کی ثالثی قبول و منظور کی جائے گی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حسب معمول کعبہ اللہ سب سے پہلے پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم الامین (دیانت دار) کے لقب سے مشہور تھے اور ہر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ کسی ہچکچاہٹ کے بغیر قبول کرنے کے لئے تیار تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑے کی ایک چادر زمین پر بچھائی، پتھر کو اس کے اوپر رکھا اور شہر کے تمام قبیلوں کے سرداروں کو وہ چادر اکٹھے پکڑ کر متحرکہ جگہ تک لے جانے کو کہا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پتھر اپنے ہاتھوں سے اس کی مناسب و موزوں جگہ پر عمارت میں نصب کر دیا اس طرح ہر ایک قبیلہ مطمئن ہو گیا۔

اب وہ لمحہ آتا ہے کہ جب ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو روحانی مراقبہ و مجاہد میں زیادہ سے زیادہ مصروف و مشغول دیکھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دادا کی طرح رمضان کے پورے مہینے میں ایک غار جبل نور (روشنی کا پہاڑ) میں خلوت نشین ہو جاتے ہیں۔ اس غار کو غار حرا یا تحقیق و جستجو کی غار بھی کہا جاتا ہے۔ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم عبادت و ریاضت کرتے ہیں مراقبہ و مجاہدہ کرتے ہیں اور اپنی اشیائے خورد و نوش نہ کافی ہونے کے باوجود وہاں سے گزرنے والے ضرورت مند مسافروں میں بانٹتے ہیں۔

وجہ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم 40 سال کے تھے اور یہ گوشہ نشینی و خلوت نشینی کا مسلسل و متواتر پانچواں سال تھا۔ جب ایک رات ماہ رمضان کے آخری ایام میں ایک فرشتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اعلان کیا کہ مالک کون و مکان اللہ تعالیٰ جس شانہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانیت کے لئے اپنا پیامبر و پیغمبر منتخب کر لیا ہے۔ فرشتے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کا طریقہ، خدا کی پرستش کا طریقہ اور نماز کی ادائیگی کے آداب بتائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رب علیم وخبیر کی جانب سے یہ پیغام بھی پہنچایا:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ رَاقِدًا وَرَبُّكَ  
الْأَكْرَمُ ۝ (الَّذِي عَلَّمَهُ بِاِقْلَامِهِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝)  
(سورۃ العلق، آیات: 1 تا 5)

**ترجمہ** ”پڑھ اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔ پیدا کیا انسان کو خون کے قطرے سے۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا فیاض ہے۔ بس نے قلم کے ذریعے سکھایا۔ انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔“

﴿18﴾ اس واقعہ سے سخت متاثر و متعجب ہو کر رحمۃ المعالمین صلی اللہ علیہ وسلم گھر واپس لوٹے تو جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹا تھا سب اپنی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ بنت خویلد کو بتایا اور خوف و اندیشہ کا اظہار کیا کہ شاید یہ سب شیطانی فتنہ ہو۔ بدروحوں کا کوئی عمل ہو۔ حضرت خدیجہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی و تسکین دیتے ہوئے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ہر کسی سے فیاضی و سخاوت سے پیش آتے ہیں اور شفیق و رفق شخصیت کے مالک ہیں، غریبوں، یتیموں، بیواؤں اور ضرورت و حاجت مندوں کی مدد کرتے رہتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین دلایا کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام بُرائیوں سے محفوظ و مامون رکھے گا۔

﴿19﴾ پھر وحی کے نزول میں طویل وقفہ آیا جو تین سال پر محیط تھا۔ اولاً تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور اس کا دکھ و رنج ہوا ہوگا پھر قدرے سکون اور پھر شدید آرزو و انتظار کے عرصہ کے دوران بڑھتی ہوئی بے چینی و بے قراری نے یاسیت کا روپ دھار لیا۔ پہلے نظارہ و واقعہ کی خبر پھیل چکی تھی۔ چنانچہ درمیانی طویل وقفہ کے دوران شہر کے ٹکڑے ٹکڑے وطن پر مزاج لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانا شروع کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہودیگی پر اتر آئے۔ انہوں نے یہاں تک کہنا شروع کر دیا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) چھوڑ دیا ہے۔

﴿20﴾ انتظار کے ان تین سالوں کے دوران حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو روحانی عبادت و ریاضت میں زیادہ سے زیادہ مصروف و مشغول کر لیا۔ وحی کا نزول دوبارہ شروع ہو گیا اور اللہ تعالیٰ جل شانہ نے رحمۃ المعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین دلایا کہ:

مَا وَدَّ عَاثُ رَبُّكَ وَمَا قُلُ ۝ وَلَآ جِزَاةٌ خَيْرُ لَكَ مِنَ الْاُذَى ۝ وَكَسُوفٌ  
يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْتَفِي ۝ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاَوٰى ۝ وَوَجَدَكَ ضَالًّا  
فَهَدٰى ۝ وَوَجَدَكَ عَاثِلًا عَلٰى ۝ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تُفْهَرُ ۝ وَاَمَّا  
السَّآءِلُ فَلَا تَنْهَرُ ۝ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثُ ۝

(سورۃ الضحیٰ، آیات: 3 تا 11)

**ترجمہ** ”آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رب نے نہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو چھوڑا ہے۔ اور نہ بیزار ہوا ہے اور البتہ آخرت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے دنیا سے بہتر ہے۔ اور (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) کا رب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو (اتنا) دے گا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) خوش ہو جائیں گے۔ کیا اس نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یتیم نہیں پایا تھا پھر جگہ دی۔ اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو (شریعت سے) بے خبر پایا پھر (شریعت کا) راستہ بتایا۔ اور اس نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تنگ دست پایا پھر غنی کر دیا۔ پھر یتیم کو دیانہ کر و اور سائل کو ہنر کا نہ کرو و ہر حال میں اپنے رب کے حسان کا ذکر کیا کرو۔“

درحقیقت یہ تبلیغ و متقین کے لئے ایک حکم تھا۔ ایک اور وحی میں معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ:

قُلْ مَا أُنْزِلَ مِنِّي إِلَّا وَفَاءٌ لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ الْوَعْدِ ۚ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۚ  
وَلَا تَتَّبِعُوا مَنَافِقَ ۖ فَيُضِلُّوكُمْ عَنْ طَرِيقِ الْإِسْلَامِ ۖ فَتُحَرِّفُونَ الْكَلِمَٰتَ مَوَٰظِعَ ۚ  
وَلَا تَتَّبِعُوا مَنَافِقَ ۖ فَيُضِلُّوكُمْ عَنْ طَرِيقِ الْإِسْلَامِ ۖ فَتُحَرِّفُونَ الْكَلِمَٰتَ مَوَٰظِعَ ۚ

(سورة المدثر، آیات: 75-2)

**ترجمہ** ”اٹھو پھر (کافروں کو) ڈراؤ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو اور اپنے کپڑے پاک رکھو اور میل کچیل دور کرو اور بدلہ پانے کی غرض سے احسان نہ کرو وراپنے رب کے لئے صبر کرو۔“

تاہم ایک اور وحی میں سرور الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ:

وَأَنْذِرْهُمْ عَذِيبَ تِلْكَ الْأَيَّامِ الَّتِي لَا يَمْلِكُونَ فِيهَا

(سورة الشعراء، آیت 214)

**ترجمہ** ”وراپنے قریب کے رشتہ داروں کو ڈراؤ۔“

اور مزید یہ کہ:

فَأَصْدَعْ بِكُلِّ مَرْوَةٍ غَرَضٌ عَنِ الْمُسْرِكِينَ ۖ إِنَّا نَكْفِيكَ الْبَشَرَةَ ۚ

(سورة الحجر، آیات: 94، 95)

**ترجمہ** ”پس آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کھول کر سنا دیں جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حکم دیا گیا ہے اور شرکوں کی پروانہ کریں۔ بے شک ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے ٹھنڈا کرنے والوں کے لئے کافی ہیں۔“

ابن اخطی کے مطابق پہلی وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تب آئی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے تھے

ظاہر ہے کہ ایسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشویش و اندیشہ کو کم کرنے کے لئے کیا گیا تھا۔ بعد میں ہرجی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ان اوقات میں نازل ہوئی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکمل عالم بیداری میں ہوتے تھے۔

## تبلیغ:

21) رابعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے پہل اپنی تبلیغ کا آغاز اپنے قریبی دوستوں سے خفیہ طور پر کیا۔ پھر اپنے قبیلے کے لوگوں سے مخاطب ہوئے اور اس کے بعد شہر اور اس کے مضافاتی علاقوں میں اعلانیہ تبلیغ کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خدائے مطلق پر ایمان لانے، دوبارہ زندہ کیے جانے اور روز جزا و سزا کی حقانیت پر زور دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو فیاضی و سخاوت اور فراخ دلی و رحم دلی کی تعلیم دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نازل شدہ الہامی کلمات کو دستاویزی شکل میں محفوظ کرنے کے لئے ضروری اقدامات کیے اور اپنے پیروکاروں کو حکم دیا کہ وہ ان آیات قرآنی کو زبانی یاد کریں۔ چونکہ قرآن مجید ایک ہی دفعہ نازل نہیں ہوا۔ بلکہ موقع و محل کے مطابق مختلف حصوں کی شکل میں نازل ہوا۔ اس لئے آیات ربانی کو سینوں میں محفوظ کرنے کا سلسلہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام حیات مبارکہ کے دوران جاری و ساری رہا۔

22) خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں کی تعداد میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت بھی روز بروز شدت اختیار کرتی گئی خصوصاً ان لوگوں کی مخالفت جو اپنے آباؤ اجداد کے عقیدہ سے منبوطی سے جڑے ہوئے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ مخالفت اخلاقی حدود و قیود کو توڑتی ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں کے لئے جسمانی اذیت کی شکل اختیار کر گئی۔ ان پیروکاروں کو جلتی ریت پر لڑ کر گرم سرخ لوہے سے داغ جاتا اور ان کے پاؤں بیڑیوں میں جکڑ دیئے جاتے۔ ان میں سے کچھ ان مظالم و مصائب کے باعث شہید ہو گئے تاہم ان میں سے کسی نے بھی دین اسلام نہیں چھوڑا۔ افسردگی و غم زدگی کے اس عالم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو اپنا آبائی شہر جھوڑنے اور حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی نصیحت کی کہ ”جہاں ایک انصاف پسند بادشاہ حکومت کرتا ہے اور جس کی سلطنت میں کوئی بھی ستم رسیدہ و مظلوم نہیں ہے۔“ (ابن ہشام)۔ درجنوں مسلمانوں نے اس نصیحت سے فائدہ اٹھایا۔ تاہم سب لوگ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ اس خفیہ ہجرت نے ان لوگوں کی تکالیف میں اضافہ کر دیا جو پیچھے رہ گئے تھے۔

23) نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وین کو ”اسلام“ کہا یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا و منشا پر سر تسلیم خم کرنا۔ اس کی دو امتیازی خصوصیات ہیں۔ 1) دنیا داری اور رومانیت یعنی جسم اور روح میں توازن اور ہم آہنگی کا قیام یعنی رب قادر و قدیر کی تخلیق کردہ تمام امتیاء سے بحسن و خوبی لطف اٹھانے کی اجازت۔



قُلْ مَنْ حَرَّمَ ذِيئِلَّةَ اللّٰهِ الَّتِي اُخْرِجَ لِعِبَادِهِ وَاطْلُبْتِ مِنَ الْوَرْدِ قُلْ هِيَ  
لِلنَّاسِ اَمْنًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ كُنْ لَكَ تَقْصُلُ الْاَلٰيَتِ  
لِقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ ۝

(سورۃ الاعراف، آیت: 32)

**ترجمہ** ”کہہ دو اللہ کی ذریت کو کس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے واسطے پیدا کی ہے اور کس نے کھانے کی صاف ستھری چیزیں (حرام کیں)۔ کہہ دو دنیا کی زندگی میں یہ نعمتیں اصل میں ایمان والوں کے لئے ہیں قیامت کے دن خالص انہی کے لئے ہو جائیں گی اسی طرح ہم آیتیں مفصل بیان کرتے ہیں ان کے لئے جو سمجھتے ہیں۔“

اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات کی ادائیگی مثلاً عبادت و ریاضت، صدق و خیرات اور نماز، روزہ وغیرہ۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام ہمہ قسم کے افراد کا دین تھا محض منتخب افراد کے لئے مخصوص نہیں تھا۔  
② دعوت کی مانگیہیت یعنی فرقہ یا نسل یا زبان کی تمیز و تفریق کے بغیر تمام مومن و مسلمان آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور مساوی حقوق کے مالک ٹھہرے۔ صرف ایک برتری جو اسلام پہچانتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا خوف اور تقویٰ ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَاۤىِٕلَ  
لِّتَعَارَفُوْۤا ۗ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَمِيْدٌ ۝

(سورۃ الحجرات، آیت: 13)

**ترجمہ** ”اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے خاندان اور قوم میں بنائی ہیں تاکہ تمہیں آپس میں پہچان ہو۔ بے شک زیادہ عزت والا تم میں سے اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ جانتے والا خبردار ہے۔“

معاشی و معاشرتی مقاطعہ:

﴿24﴾ جب مکہ مکرمہ کے مسلمان آیت بڑی تعداد میں حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے تو کافروں کے سرداروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلہ والوں سے آخری مطالبہ یہ کیا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمہ قسم کا قطع تصدق کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جلاوطن کر دیا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کے حوالے کر دیا جائے تاکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) شہید کر دیں۔ قبیلہ کے ہر فرد نے چاہے وہ

مسلم تھا یا غیر مسلم اس مطالبہ کو مسترد کر لیا (ابن ہشام)۔ اس پر شہر بھر کے کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلہ کے ساتھ قطع تعلقی کا فیصلہ کر لیا۔ کوئی بھی ان سے بات نہیں کر سکتا تھا نہ ہی تجارتی و معاشی روابط رکھ سکتا تھا اور نہ ہی نان دانی و معاشرتی رشتہ داری قائم کر سکتا تھا۔ عرب قبائل کے گروپ جنہیں امانیت کہتے تھے مکہ کے مضافاتی علاقوں میں رہائش پذیر تھے اور مکہ والوں کے ساتھ صحتی و صیغ تھے وہ بھی اس معاشرتی مقاطعہ میں شامل ہو گئے تاکہ معصوم و مظلوم مسلمانوں (جن میں بچے، مرد اور عورتیں، بوڑھے، بیمار اور کمزور افراد بھی شامل تھے) کو سخت کسمپرسی کی حالت تک پہنچا سکیں۔ کچھ لوگ شہید ہو گئے تاہم کسی نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کے حوالے نہیں کیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانا چاہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابولہب نے اپنے قبیلہ کے لوگوں کو جھوڑ دیا اور کافروں کے ساتھ اس بائیکاٹ میں شریک ہو گیا۔ تین خوفناک سالوں کے بعد کہ جن کے دوران مسلمانوں کو اشیائے خورد و نوش کی عدم دستیابی کی بناء پر جانوروں کی کھالوں کے ٹکڑے تک چبانا پڑے چار یا پانچ انسانیت دوست غیر مسلموں نے باضابطہ طور پر ملی الاطاف اس غیر منصفانہ معاشی و معاشرتی مقاطعہ کو ختم کر دیا۔ اسی دوران کعبہ میں لڑکائی مٹ گئی و دستاویز مقاطعہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق دیکھنے کے مکمل طور پر چات کھائی تھی۔ اب اس میں اللہ (جل شانہ) اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نظموں کے علاوہ کچھ نہیں بچا تھا۔ بائیکاٹ ختم کر دیا گیا، تاہم بھوک و افلاس و محرومی کے باعث جو تکلیف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور چچا ابوطالب (سردار قبیلہ) نے برداشت کی تھیں اس کی وجہ سے جلد ہی دارِ فنا سے دارِ بقا کی جانب کوچ کر گئے۔ یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور چچا ابولہب جو اسلام کا بدترین و شدید ترین دشمن تھا۔ اب قبیلہ کی سرداری حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ (ابن ہشام "سیرت")

## معراج شریف:

﴿25﴾ یہی موقع تھا جب سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی سعادت حاصل ہوئی۔ رب وحدہ لا شریک نے آسمانوں پر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمانی علاقوں کے حیرت انگیز عجائب دیکھے۔ الہامی پر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی صورت میں خدائی تحفہ لے کر آئے جو اللہ اور اس کے بندے کے درمیان راز و نیاز پر مشتمل تھا۔ یہ بات قابل ذکر ہے مسلمان عبادت کے دوران نماز کے آخری حصہ میں رب تعالیٰ کے سامنے علامت کے طور پر اپنے آپ کو پیش کرتا ہے جبکہ دوسرے مذاہب کے پیروکار مادی اشیاء پیش کرتے تھے۔ تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے موقع پر جن خوش کن باتوں کا تبادلہ ہوا وہ یہ ہے۔

اَللّٰحَيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰتُ وَالطَّيِّبَتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ  
وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلْسَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ  
**ترجمہ** ”اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) تم پر رب تعالیٰ کی پاکیزہ اور پُر نعمت تسلیمات  
ہوں۔ امن و سلامتی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہر کاب ہو۔ اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ  
وسلم) اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور عنایتیں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ہوں۔ سلامتی ہمارے  
ہر کاب بھی ہو اور اللہ تعالیٰ کے تمام نیک بندوں کے ہر کاب بھی۔“

عیسائیت میں ”راز و نیاز“ کی اصطلاح خدا کی شراکت پر لاگو ہوتی ہے۔ اسے بہتر و معتبر نہ جانتے ہوئے  
مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملاقات کے لئے ”معراج“ کا فحشاء استعمال کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اللہ تعالیٰ ہی  
رہے گا اور انسان ہمیشہ انسان ہی رہے گا اور ان دونوں میں کوئی غلط فہمی نہیں ہے۔

﴿26﴾ اس آء فی و حامی ملاقات کی خبر نے مکہ کے کافروں کے جارحانہ عزائم میں مزید شدت و حدت  
پیدا کر دی نتیجتاً رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے آبائی شہر کو خیر باد کہہ کر کہیں اور پناہ گاہ تلاش کرنا پڑی۔ داعی  
اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ماموزوں کے پاس طائف گئے لیکن طائف کے شریر و شرارتی لوگوں کی وجہ سے جلد ہی  
مکہ واپس آ گئے۔ ان بد نیت و بد طبیعت افراد نے شہر کے باہر تک پتھروں کی بوچھاڑ کے ساتھ نبی مکرم صلی اللہ علیہ  
وسلم کا اس طرح چیچھا کیا کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو زخمی کر دیا۔

## مدینہ منورہ کی جانب ہجرت:

﴿27﴾ کعبۃ اللہ کے سالانہ حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں عرب کے تمام مقامات سے لوگ جمع ہوتے  
تھے۔ داعی اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نئے بعد دوسرے قبیلے کو اس بات پر قائل کرنے کی کوشش  
و کاوش کی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہناہ فرہم کریں اور داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے فلاحی و اصلاحی مشن کو  
جاری و ساری رکھنے کے لئے حمایت و اجازت فراہم کریں۔ پندرہ نمائندہ قبائل نے حسن سے داعی اسلام صلی  
اللہ علیہ وسلم نے باری باری گفت و شنید کی تھی، کم و بیش۔ خاکانہ طریقے سے انکار کر دیا لیکن نبی رحمت صلی اللہ  
علیہ وسلم مایوس و ناامید نہ ہوئے۔ بالآخر باوی علم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے آدھ درجن باشندوں  
سے ملاقات کی جو یہودیوں اور عیسائیوں کے پڑوسی ہونے کے باعث اور چند پیغمبروں کے فرمودات اور  
الہامی پیغامات کے بارے علم رکھنے کی وجہ سے یہ جانتے تھے کہ ”وہ لوگ جن کے پاس الہامی کتب موجود  
ہیں۔ ایک ایسے پیغمبر کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں جو آخری مصلح و نبی ہوگا۔“ پس ان مدنی لوگوں نے دوسروں پر  
سبقت لے جانے کی خاطر اس موقع کو غنیمت جانا اور فوراً اسلام قبول کر لیا اور مدینہ کی طرف سے ہجرو کاروں کی  
تعداد میں اضافہ اور ضروری مدد و معاونت کا وعدہ کیا۔ اگلے سال ایک درجن مزید نئے مدنی افراد نے داعی

اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حلقہ اٹھایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ منورہ میں تبلیغ کی خاطر ایک نمائندہ وفد مع معلم فراہم کرنے کی درخواست کی۔ مبلغ و معلم حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کا نمائندہ تبلیغی مشن کامیاب و کامران رہا اور وہ 73 نئے غوث مسلمانوں کے گروہ کو حج کے موقع پر مکہ مکرمہ لے آئے۔ اس غوث مسلمانوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی ساتھیوں کو مدینہ منورہ ہجرت کرنے کی دعوت دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دینے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے ساتھ رشتہ داروں جیسا سوک کرنے کا وعدہ کیا۔ خفیہ طریقے سے اور چھوٹے چھوٹے گروہوں کی شکل میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد مدینہ کی طرف ہجرت کر گئی۔ اس پر مکہ کے کافروں نے نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھیراؤ کر لیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکے سے (نفوذ باللہ) قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اب ہادی عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے گھر پر قیام کرنا ناممکن ہو گیا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ داعی اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن سے مخالفت و مخالفت کے باوجود کفار مکہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت داری و ایمان داری پر مضبوط و مستحکم یقین و اعتماد تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان میں سے بہت سے کافر اپنی امانتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع کر داتے تھے۔ اب امین اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تمام امانتیں اپنے چچا زاد بھائی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حوالے کیں اور انہیں یہ امانتیں ان کے حقیقی مالکان کو واپس کرنے کی ہدایات دیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خفیہ طریقے سے اپنے وفادار دوست حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ہمراہی میں اپنا شہر چھوڑ دیا اور بہت سی مہمات سر کرنے کے بعد دونوں دوست بہ امن و حفاظت مدینہ منورہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ واقعہ 622 عیسوی میں ہوا اور اسی ہجرت سے ہجری سن اور ہجری کینڈر کا آغاز ہوا۔

## قومی تنظیم نو:

﴿28﴾ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے بے دخل و بے وطن مہاجرین کی بہتر آباد کاری کے لئے مدینہ کے متمول افراد اور مہاجرین دونوں کی مساوی تعداد کے مابین بھائی چارہ، میثاق اخوت و معاونت اور رشتہ منواہات قائم کر دیا۔ میثاقی و اخوتی بھائیوں کے ہر جوڑے کے خاندان مل جل کر روزی کماتے تھے اور کارہیات میں ایک دوسرے کی اعانت و معاونت کرتے تھے۔

﴿29﴾ داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوچا کہ انسان کی مکمل ترقی اسی صورت ممکن ہوگی اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مذہب و سیاست دونوں کو ایسے مربوط کریں کہ جیسے ایک چیز کے دو لازمی جزو ہوں۔ اس مقصد کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علاقے کے مسلم نمائندوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلم باشندوں کو بھی دعوت دی جن میں عربی، یہودی، عیسائی افراد کے ساتھ ساتھ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی شامل تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مدینہ منورہ میں ایک شہری ریاست کے قیام کا مشورہ دیا۔ ان سب لوگوں کے مشورے سے

صلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر کو ایک تحریری دستاویزی آئین دیا۔ جو نہ دنیا میں اپنی نوع کا پہلا آئین تھا۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہریوں اور ریاست کے سربراہ دونوں کے حقوق و فرائض صریحاً بیان فرما دیئے تھے۔ رہبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کارکردگی کو اتفاق رائے سے سراہا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوز، آئین کا متفقہ خیر مقدم کیا گیا جبکہ پرائیویٹ انصاف کے رواج کو ختم کر دیا گیا۔ اس کے بعد انصاف کی فراہمی شہریوں کی مرکزی تنظیم کی ذمہ داری بن گئی۔ اس آئینی دستاویز میں دفاع اور وزارت خارجہ کے رہنما اصول بھی بیان کر دیئے گئے۔ بھاری ذمہ داریوں کے ضمن میں ”معاقل“ کے عنوان سے مالیاتی معاونت و تحفظ کا نظم بھی وضع کیا گیا یہ تسلیم کیا گیا کہ تمام معاملات و اختلافات میں ہادی عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ آخری و حتمی ہوگا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تفویض کردہ قانون سازی کے اختیارات لا محدود ہوں گے۔ مذہبی آزادی کو مکمل وضاحت و صراحت سے تسلیم آیا گیا۔ خاص طور پر یہودیوں کے لئے کہ جن کو دنیاوی زندگی کے تمام معاملات میں آئین کے تحت مسلمانوں کے ساتھ برابری کا حق دیا گیا۔ (مالاحظہ: ”داعی اسلام“ چہ اگر ارف

(303)

30 داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمسایہ قبیلوں کے دل جیتنے اور ان کے ساتھ اتفاق اور باہمی اتحاد و امداد کے معاہدات کرنے کے خیال و نظریہ سے کئی دفعہ سفر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قائل کی مدد و معاونت سے مکہ کے کافروں پر معاشی و باؤ ڈالنے کا فیصلہ کیا۔ جنہوں نے مہاجرین کے اموال اور جائیدادیں ضبط کر رکھی تھیں اور انہیں بے حد و حساب نقصان بھی پہنچا رہا تھا۔ مکی قائلوں کی مدینہ کے علاقوں سے نقل و حمل اور آمد و رفت میں رکاوٹ پیدا کرنے سے کفار مکہ مشتمل ہوئے اور یوں ایک خونی کشمکش شروع ہو گئی۔

31 قوم کے مادی مفادات کے ضمن میں روحانی پہلو کو کبھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ مدینہ کی جامع ہجرت کو ایسے سال بمشکل گزرا ہوگا جب ربانی احکامات میں سے سب سے مشکل اور صبر طلب قسم یہ جاری کیا گیا کہ ہر مسلمان بالغ مرد اور عورت مکمل ماہ رمضان کے ہر سال روزے رکھیں۔

## کفر و الحاد اور بغض و تعصب کے خلاف جہاد:

32 مکہ و لے اپنے ہم وطن مسلمانوں کی جا وطنی اور خراج و ہجرت سے بھی مطمئن نہ ہوئے بلکہ انہوں نے اہل مدینہ کو الٹی میٹم بھیجا کہ یا تو وہ داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو مکہ والوں کے حوالے کر دیں یا پھر انہیں مدینہ سے جلا وطن کر دیں لیکن نتیجتاً ان کی یہ تمام کوششیں بے کار ثابت ہوئیں۔ چند ماہ بعد 2 سن ہجری میں مکہ والوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک طاقتور فوج بھیجی جس نے بدر کے مقام پر مسلمانوں سے جنگ کی، کفار کو مسلمانوں کے مقابلے میں تعداد میں تین گنا زیادہ ہونے کے باوجود شکست فاش ہوئی۔ ایک سال کی تیاری کے بعد مکہ والوں نے بدر کی شکست کا بدلہ لینے کے لئے مدینہ پر

۱۰ بارہ حملہ کر دیا۔ اب کفار کی تعداد مسلمانوں سے چار گنا زیادہ تھی۔ اُحد کے مقام پر ایک خونریز مذبذب کے بعد دشمنوں کی دوسری کوشش غیر فیصلہ کن ثابت ہوئی کیونکہ کئی فوج میں موجود کرائے و بھارے کے سپاہی نہ تو اپنی جان جو کھوں میں ڈالنا پاتے تھے اور نہ ہی اپنی سلامتی کے حوالے سے کوئی خطرہ مول لینا پاتے تھے۔

﴿33﴾ اسی دورانِ مدینہ کے یہودی شہریوں نے بھی مسلمانوں کے لئے مشکلات پیدا کرنا شروع کر دیں۔ بدر کی فتح کے فوراً بعد مدنی یہودیوں کا ایک سردار، کعب ابن الاشرف، کافروں کو اپنے میثاق و معاہدہ کی حریص یقین دہانی و ضمانت کی خاطر مکہ پہنچا اور کفار مکہ کو انتقامی جنگ کے لئے اکسایا۔ اُحد کی لڑائی کے بعد ہی سردار کے قبیلے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک رُج کے اوپر سے چٹکی کا پاٹ پھینک کر دھوکے سے (نعتاً باللہ) قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے علاقے کا دورہ کرنے گئے ہوئے تھے۔ اس سب کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلہ کے لوگوں سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے منقولہ اموال ساتھ لے کر غیر منقولہ جائیداد فروخت کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو دیئے گئے اپنے قرض واپس لینے کے بعد مدینہ منورہ مکمل حور پر چھوڑ جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی از حد دُعا باری اور قتل نے اُمید کے برعکس اثر دکھایا۔ جلد دشمنوں نے نہ صرف مکہ والوں سے رابطہ کیا بلکہ مدینہ کے مغربی، جنوبی اور شرقی قبائل کو متحرک کیا کہ وہ اپنی فوجوں کو حرکت میں لے آئیں۔ اس طرح اُحد کے مقابلے میں پہلے سے چار گنا زیادہ فوجوں کے ساتھ خیبر کے راستے مدینہ پر حملے کا منصوبہ بنایا۔ مسلمانوں نے اپنے آپ کو سخت آزمائشوں سے بچانے کے لئے خاصہ کی تیاری کی اور ایک خندق کھود دی۔ اگرچہ مدینہ میں ابھی تک موجود یہودیوں کی ریشہ دانیوں نے اس تمام لائحہ عمل کو بعد ازاں متاثر کیا۔ تاہم یہ سالارِ اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دانشمندانہ حکمت عملی سے دشمنوں کے اتحاد کو توڑنے میں کامیابی حاصل کی۔ یوں دشمنوں کے مختلف فوجی گروہ یکے بعد دیگرے ایک ایک کر کے ایک دوسرے سے علیحدہ و منتشر ہوتے چلے گئے۔

## مصالحت و مفاہمت:

﴿34﴾ اس وقت شراب اور الکحلی مشروبات، جو اُردو پانے کے کھیل مسلمانوں کے لئے ممنوع قرار دے دیئے گئے تھے۔

﴿35﴾ رحمۃ اللعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ پھر مکہ والوں سے مصالحت و مفاہمت کی خاطر مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہوئے۔ شہلی تجارتی قافلوں کی رہ میں رکاوٹ نے مکہ والوں کی معیشت پر کاری ضرب لگائی تھی۔ نبی مکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آمد و رفت اور نقل و حمل کی ضمانت، ان کے پناہ گزینوں کی واپس اور ان کی سرمطلوبہ و مجبورہ شرط کا وعدہ کیا۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کو حج کیے بغیر مدینہ منورہ واپس لوٹنے پر بھی رنسا مند ہو گئے۔ اس کے بعد وہ بنو فریقوں نے مکہ مکرمہ کے منصفانہ علاقے مدینہ کے مقام پر عہد کیا جس میں امن و امان کا قیام اور کسی تیسری جماعت و قوت کے ساتھ فریقین کے اختلافات و کشاکش کی

صورت میں ہر وہ کو غیر جانبداری کا مظاہرہ کرنے کی شرائط شامل تھیں۔

﴿36﴾ من و امان کے قیام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام کے فروغ و ترویج کے لئے ایک بھرپور و پُر زور منصوبے کا آغاز کیا۔ نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بازنطینیہ، ایران، حبشہ اور دوسرے علاقوں کے غیر ملکی حکمرانوں کو ہوت اسلام کے خطوط لکھے۔ بازنطینی مطلق العنان فرمانروا (جو کہ ایک عربی پادری تھا) نے اسلام قبول کر لیا مگر اس پر اس کے عیسائی عوام نے استناعت قتل کر دیا۔ معان (فلسطین) کے ناظم و منتظم کو بھی قدر ایسی ہی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا اور شہنشاہ کے حکم پر اس کا سر قلم کر دیا گیا۔ ایک مسلمان سفیر حضرت حادث بن عمیر از دی جیٹنڈ کو شرم کے گورنر شریل بن عمرو غسانی نے شہید کر دیا۔ جبکہ شہنشاہ ہرقل مجرم کو سزا دینے کی بجائے اپنی فوج کو لے کر سب سسی اللہ علیہ وسلم کی گنجی ہوئی تادیبی و تعمیری فوج کے خلاف مجرم گورنر کو بچانے کے لئے نکل کھڑا ہوا۔

## غزوہ موتہ:

﴿37﴾ مکہ کے کافروں نے مسلمانوں کی مشکلات سے فائدہ اٹھانے کی امید پر، معاہدہ کی شرائط کی خلاف ورزی کی۔ اس پر خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دس ہزار مضبوط و مستحکم فوج کی قیادت کی اور کسی قسم کا خون بہائے بغیر مکہ کو انتہائی پر امن انداز میں فتح کر کے سب کو حیران کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فیض رساں فاتح کی حیثیت سے ہارے ہوئے لوگوں کو اکٹھا کیا اور انہیں ان کی غلط کاریوں بارے میں یاد دلایا کہ جن میں ان کی طرف سے مذہبی ایذا رسانی، مہاجرین کی انصافی سے ضبط کی گئی جائیدادیں، مسلسل حملوں اور بیس سال تک مسلسل و متواتر جاری و ماری رہنے والے جارحانہ اقدامات شامل تھے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: ”اب تم مجھ سے کیا توقع رکھتے ہو؟“ جب ہر ایک نے اپنا سر شرم سے جھکا دیا تو رحمتہ لمعلائین صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آواز بلند اعلان کیا۔ ”خدا تمہیں معاف کرے تم امن و امان میں ہو۔ آج تم سے کوئی مواخذہ نہیں۔ تم سب آزاد ہو۔“ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی طرف سے مسلمانوں کی جائیداد ضبط کرنے کے اپنے دعوے سے بھی دستبردار ہو گئے۔ اس بات نے ان کے دلوں میں فوری نفسیاتی تبدیلی کو جنم دیا اور جب مکہ کا سردار عام معافی کا اعلان سننے کے بعد پوری دل جمعی و طہینان سے داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب بڑھا تا کہ اپنے اسلام لانے کا اعلان کر سکے۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کہا۔ ”اور میری طرف سے یہ ہے کہ میں تمہیں مکہ کا گورنر مقرر کرتا ہوں۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتح شدہ شہر میں اپنا ایک بھی سپاہی چھوڑے بغیر مدینہ منورہ روانہ ہو گئے اور یوں مکہ مکرمہ محض چند گھنٹوں میں بحسن و خوبی مکمل طور پر اسلامی سانچے میں ڈھل چکا تھا۔

﴿38﴾ فتح مکہ کے فوراً بعد شہر طائف کے رہائشی سردار کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کرنے کے لئے متحرک ہوئے۔ قدرے مشکل تک دود کے بعد دشمن واوی حنین میں پھیل گیا لیکن مسلمانوں

نے نزدیکی شہر طائف کے محاصرہ میں اضافہ کرنے کو ترجیح دی اور اس علاقے کی مزاحمت و مدافعت زائل کرنے کے لئے مختلف و منتخب ذرائع استعمال کیے۔ ایک سال سے کم عرصے کے بعد طائف سے ایک وفد اطاعت اختیار کرنے کے ارادے سے مدینہ منورہ پہنچا لیکن وفد نے عبادات، ٹیکسوں اور فوجی خدمات سے اپنے آپ کو مستثنیٰ قرار دینے اور شاہی شدہ و غیر شاہی شدہ جہذوں کے ذریعہ بالقصد کے ساتھ سرحد شراب کو آزادانہ طور پر استعمال کی اجازت دینے کی درخواست کی۔ حتیٰ کہ اس وفد نے ”المات“ کے بت خانہ کے تحفظ کا بھی تقاضا کیا لیکن اسلام ایک مادیت پرست غیر اخلاقی تحریک نہیں تھی اور جلد ہی وفد نے خود ہی اپنی عبادت، بدکاری اور شراب سے متعلق تقاضوں پر شرمساری محسوس کی تاہم مصلح اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹیکسوں اور فوجی خدمات کی ادائیگی سے استثنائاً بارے رضامندی ظاہر کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد سے یہ بھی کہا کہ ”تمہیں بت خانہ کو اپنے ہاتھوں سے مسمار کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم اس کام کو انجام دینے کے لئے یہاں سے اپنے کارندے بھیجیں گے اور ایسا کرنے سے اگر تم لوگ اپنے توہمات کی بناء پر کسی قسم کے بُرے نتائج سے خائف و خوفزدہ ہو تو ان بُرے نتائج کو ہمارے آدمی ہی بھگتیں گے اور برداشت کریں گے۔ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل ان رعایات کو ظاہر کرتا ہے جو نو مسلموں کو دی جاسکتی تھیں۔ اہل طائف کا دین اسلام سے متاثر ہونا اس قدر دلچسپی و غلو سے دل سے تھکے تھوڑے ہی عرصے میں انہوں نے خود ہی معاہداتی استثنائی باتوں سے دستبرداری اختیار کر لی اور پھر نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے اسلامی علاقوں کی طرح ان سے علاقے میں بھی ایک ٹیکس (مکسولیا) نامزد کر دیا۔

﴿39﴾ دس سال کے عرصہ کے دوران جاری ان تمام ”جنگوں“ (جہادوں) میں بہت کم جانی ضیاع ہوا۔ یعنی ان میں غیر مسلموں کے مجموعی طور پر صرف 1250 افراد مارے گئے۔ جبکہ مسلمانوں کا نقصان اس سے کہیں کم تھا۔ ان چند کمبھوں کا مثبت نتیجہ یہ نکلا کہ مکمل جزیرہ نمائے عرب لاکھوں مربع میل کے وسیع رقبہ پر محیط ہونے کے باوجود بد نظمی و بد انتظامی اور بد اخلاقی و بدکاری کے چھوڑے سے شفا پا گیا۔ دس سال کے اس غیر دلچسپ عرصے کے دوران، جزیرہ نمائے عرب اور عراق کے جنوبی علاقوں اور فلسطین کے تمام لوگوں نے رضا کارانہ طور پر اسلام قبول کر لیا۔ کچھ عیسائی، یہودی اور پارسی گروہ پھر بھی اپنے اپنے عقائد پر قائم رہے مگر انہیں ضمیر کی آزادی کے ساتھ ساتھ قانونی و عدالتی خود مختاری کے جملہ حقوق دیئے گئے۔

﴿40﴾ سن 10 ہجری میں جب خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ادائیگی حج کی خاطر مکہ مکرمہ پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمانوں سے ملاقات کی جو اپنے دینی فریضے کی ادائیگی کے لئے عرب کے مختلف حصوں سے آئے ہوئے تھے۔ داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اپنا مشہور خطاب کیا۔ جس میں معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات کا خلاصہ بیان کیا جس میں علامات و نشانات کے بغیر ایک خدا پر یقین بالغیب، تمام اہل ایمان کو نسل، خاندان اور طبقہ کی تفریق و تمیز کے بغیر



مساوی حصول حقوق، مسلمانوں اور مومنوں کی صرف اور صرف تقویٰ کی بنیاد پر برتری، زندگی، جائیداد اور عزت نفس کی حفاظت، سود کے ساتھ ساتھ کسی فرد کے قتل پر خاندانوں کی نسل در نسل لڑائیوں اور ”پرائیویٹ انصاف“ کا خاتمہ، خواتین کے ساتھ بہتر رویہ و سلوک، وراثتی حقوق و ذمہ داریاں اور فوت شدہ افراد کی جائیداد کی دونوں جانب کے رشتہ داروں میں جائز تقسیم اور ملت کی مجموعی مقدار کا چند ہاتھوں میں اور ناکاذ مکمل خاتمہ جیسے عنوانات و موضوعات شامل تھے۔ یوں قرآن مجید فرقان حمید کے ہر کاب اسوۂ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو جملہ شعبہ ہائے حیات کے معاملات کے لئے ارفع و اعلیٰ معیار قرار دیا گیا۔

41) واپسی پر مدینہ منورہ میں نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم علیل ہو گئے اور چند ہفتوں بعد جب داعی اسلام نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، ستر وصال پر تھے تو رمتہ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی تسلی و اطمینان تھا کہ جس مقدس و منزہ پیغام خداوندی کی دنیا میں تبلیغ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذمہ لیا تھا وہ کام بحسن و خوبی مکمل ہو گیا تھا۔

42) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ نسلوں کو ایک خاص وحدانیت پر مبنی مذہب کی وصیت کی، ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرہ نمائے عرب میں موجود بد نظمی، ستم کر کے ایک نظم و ضبط پر مبنی ریاست کی تشکیل کی اور مخلوق خدا کو ایک دوسرے کے خلاف جنگ آزما ہونے کی بجائے امن و سلامتی کا درس دیا۔ علم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے روحانی اور زمینی پہلوؤں کے مابین توازن اور مسجد و گھر کے درمیان ایک خوب صورت ہم آہنگی قائم کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نیا قانونی نظام وضع کیا جو غیر جانبدارانہ انصاف کا حامل تھا جس میں ریاست کا سربراہ بھی ایسے ہی تھا جیسا کہ ایک عام آدمی، اور جس میں مذہبی رواداری اس قدر عظیم تھی کہ مسلم ممالک کے غیر مسلم باشندے بھی برابری کی بنیاد پر عدالتی، قانونی اور ثقافتی خود مختاری کے حقوق کے حامل تھے۔ ریاست کی آمدنی کے معاملے میں قرآن پاک نے میزانیہ کے اصول مقرر کیے اور غریبوں کو دوسروں کی نسبت زیادہ توجہ دی۔ سرکاری خصوصیات بارے اعلان کیا گیا کہ وہ ریاست کے سربراہ کی ذاتی ملکیت کسی صورت میں نہیں ہوں گے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ داعی اسام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذاتی فعل و عمل سے عمدہ مثال قائم کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام باتوں پر بذات خود بھرپور عمل کیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں کو سکھائیں اور بتائیں۔



## بنیادی اسلامی تعلیمات کا تحفظ

﴿43﴾ سچ اور جھوٹ کے مابین کوئی قدر مشترک اور کسی قسم کی مطابقت کسی صورت میں ہو سکتی۔ مادیت سے معمور عام انسانی زندگی میں جھوٹ کی خرابیاں اور بُرائیاں نہاں نہیں عیاں ہیں اور سبھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں مزید یہ کہ نجاتِ اخروی، اوستِ ایمان اور کسی مذہب کی بنیادی و حقیقی تعلیمات کے معاملات میں جو بُرائی و خرابی جھوٹ پیدا کرتا ہے وہ اسے دوسری تمام بُرائیوں کا سردار بنا دیتی ہے۔

﴿44﴾ ایک انصاف پسند اور عقل و شعور کے حامل شخص کو یہ فیصلہ کرنے میں کوئی وقت و دشواری پیش نہیں آتی کہ کہیے کہ کوئی خاص تعلیمات بالکل صحیح اور قطعی طور پر قابلِ قبول ہیں یا نہیں۔ تاہم عقائد کے معاملات میں اکثر یہ ہوتا ہے کہ کوئی بھی شاگرد اپنے استاد کے گفتار و کردار سے پہلے اس کی خارجی شخصیت کو پرکھتا ہے۔ گفتار و کردار میں اگر استاد قابلِ اعتبار پایا جائے تو شاگرد اپنے استاد کے الفاظ سے بالکل ہی منکر ہونے کی بجائے، اس کی تعلیمات کے قابلِ قبول حصے کو سمجھ کر اس حوالے سے اپنی آم آگئی و اسی کا فوری اقرار کر لیتا ہے۔ اس طرح کی صورتوں میں خاص طور پر جب استاد وفات ہو چکا ہو استاد کے فرمودات اور اس کی تعلیمات کے مستند و معتبر ہونے کی حقیقت بہت اہمیت اختیار کرتی ہے۔

﴿45﴾ دنیا کے تمام اہم مذاہب کی بنیاد خاص مفکر کتابوں پر ہے، جنہیں اکثر الٰہیاتی اہام و وحی کے مجموعہ پر محمول کیا جاتا ہے۔ یہ امر افسوسناک ہو گا اگر بد قسمتی سے کسی وحی کا اصل متن کھوجا جاتا ہے تو یہ واضح ہے کہ اس کا مکمل طور پر کوئی متبادل یا نعم البدل نہیں۔ برہمنوں، بدھ متوں، یہودیوں، پارسیوں اور عیسائیوں کو اپنے اپنے مذاہب کی بنیادی تعلیمات کو مخلوقاً کرنے کے سنے استعمال کیے گئے طریقہ کار کا موازنہ مسلمانوں کے طریقہ کار سے کرنا چاہیے۔ ان کی کتابیں کس نے لکھیں؟ کس نے ان کتابوں کو نسخ و نسل منتقل کیا؟ کیا منتقلی اصل متن کی ہوئی یا صرف اس کے ترجمے کی ہوئی؟ کیا نقل و نثر سے بھرپور باہمی جنگوں نے مسودات کے متن کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا؟ یا کوئی اندرونی تضاد یا خلا (مُشد و حصہ) نہیں ہے جس کا حوالہ کہیں اور پایا جائے؟ یہ کچھ سوالات ہیں جنہیں ایک انصاف پسند و حقیقت کا متراشی فرد ضرور اٹھاتا ہے اور ان کے اطمینان بخش جوابات بھی طلب کرتا ہے۔

تحفظ کے ذرائع:

﴿46﴾ گزرتی ساعنوں اور ہلکتی راتوں کے ساتھ ساتھ جو قاتل ذکر مذاہب ظہور پذیر ہوئے، ان میں

متعلقہ اشخاص نے نہ صرف اپنی یہ داشتوں پر غور نہ کیا بلکہ انہوں نے اپنے خیالات و نظریات کے تحفظ کے لئے لکھنے کا فن بھی ایجاد کیا کیونکہ انسانوں کی انفرادی یادداشتیں بہر طور اور بہر حال محدود و مختصر زندگی کی حامل ہوتی ہیں جبکہ ان کے متبادل میں تحریریں زیادہ دیر پا ہوتی ہیں۔

47 یہ حقیقت ہے کہ اگر تحفظ کے ان ذرائع کو علیحدہ علیحدہ استعمال میں لایا جائے تو ان میں سے کوئی ایک بھی حتمی اور قابلِ غور نہ نہیں ہے۔ یہ تو روزمرہ کے تجربہ کی بات ہے کہ جب کوئی شخص کوئی چیز لکھنے کے بعد اسے دوبارہ پڑھتا اور دہراتا ہے تو وہ اس میں زیادہ یا کم نادانستہ غلطیاں پاتا ہے جیسا کہ حروف کو حتیٰ کہ الفاظ کو چھوڑ جانا، بیانات کو دوبارہ پندیدہ الفاظ کی جگہ دوسرے الفاظ کا استعمال کرنا اور قواعد زبان کی غلطیاں کرنا وغیرہ، اس حوالے سے ہم لکھاری کی رائے کی تبدیلی بارے بت نہیں کرتے، جو اپنے انداز، اپنے خیالات اور اپنے دلائل کو بھی درست کر لیتا ہے اور بعض اوقات پوری دستاویزی دوبارہ لکھ ڈالتا ہے تحریر کے ہر کباب یہی بات یادداشت کے حوالے سے بھی سچ ہے۔ وہ لوگ جن کے لئے کچھ متنِ زبانی یاد کرنا لازم ہوتا ہے وہ زبانی یاد کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ یاد کیے گئے متن کو بعد میں زبانی سناتے ہیں مگر خاص طور پر جب پیرا گراف طویل ہوں تو وہ یہ جانتے ہیں کہ بعض اوقات زبانی سنانے سے دورانِ ان کی یادداشت ناکم ہو جاتی ہے۔ وہ یا تو پیرا گراف چھوڑ جاتے ہیں یا ایک پیرا گراف کو دوسرے پیرا گراف کے ساتھ گنڈ کر دیتے ہیں یا ربط و ترتیب یاد نہیں رکھ پاتے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ صحیح متن تحت الشعور میں ہوتا ہے اور بعد ازاں کسی لمحے یاد آ جاتا ہے یا یہ کسی اور شخص کے اشارے پر یادداشت تازہ ہو جاتی ہے یا بعد میں تحریری دستاویز کے مطالعہ سے اصل متن یاد آ جاتا ہے۔

48 داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مقدس و منزہ اور مستند و معتبر یادداشت کی نعمت سے مالا مال تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تحفظ کے دونوں طریقہ ہائے کار کو ایک ساتھ استعمال میں لاتے تھے۔ ایک طریقہ کار دوسرے طریقہ کار کی مدد کرتا ہے اور یوں متن کی صداقت و حقانیت کو مضبوط بنیاد فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ غلطی کے ممکنات و امکانات کو کم سے کم کر دیتا ہے۔

## اسلامی تعلیمات:

49 بنیادی طور پر اسلامی تعلیمات داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل پر مشتمل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مسودے خود اپنے کاتین وحی کو تحریر کرائے جنہیں ہم قرآن پاک کے نام سے پکارتے ہیں اور جنہیں ہم حدیث کہتے ہیں۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں نے اپنی یادداشت کی بنیاد پر ذاتی آرزو و امنگ کے تحت ترتیب و تالیف کیے۔

## تاریخ قرآن:

**50** قرآن پاک سے لفظی معنی پڑھنا یا تلاوت کرنا کے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن پاک کی اِلا کر دیتے وقت یہ یقین دلادیتے تھے کہ یہ وہ مقدس وحی تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رب علیم وخبیر نے بھیجی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام وحی ایک ہی بار میں نہیں لکھواتے تھے کیونکہ وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مختلف اوقات میں حصوں اور ٹکڑوں کی صورت نازل ہوتی تھی۔ جیسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک وحی نازل ہوتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ وحی اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک پہنچا دیتے اور نہ صرف اسے زبانی یاد کرنے کا کہتے (تاکہ نماز کے دوران اس کی تلاوت کر سکیں) بلکہ اسے لکھنے کا بھی کہتے اور اس کی کئی نقول بنانے کا بھی کہتے۔ ہر ایک وحی کے نزول کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک نازل شدہ قرآن پاک کے مسودے میں اس نئی وحی کی صحیح جگہ کی نشاندہی بھی کر دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدی ہوئی قرآنی آیات کی ترتیب نزول کی ترتیب کے حساب سے نہیں تھی۔ صحت و صداقت کے لئے پنائے گئے تحفظ و حفاظت اور احتیاجی تدبیر کی کوئی زیادہ تعریف اس لئے نہیں کرتا کیونکہ وہ اس دور کے عربوں کے علمی و ثقافتی معیار کو سمجھتا ہے۔

**51** یہ یقین کر لینا قاسمِ نبیم ہے کہ کلامِ الہی کی پہلے پہل نازل ہونے والی آیات مبارکہ فوری طور پر ضابطہ تحریر میں نہیں لائی جاسکیں۔ اس کی سادہ سی وجہ یہ ہے کہ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا پیروکار نہیں تھے۔ پہلے پہل نازل ہونے والی آیات قرآنی نہ تو زیادہ طویل تھیں اور نہ ہی تعداد میں زیادہ تھیں لہذا اس بات کا کوئی خطرہ نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بھول جائیں گے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ان کو اپنی عبارات اور خطبات میں حواضت فرمایا کرتے تھے۔

**52** کچھ تاریخی حقائق ہمیں اس بارے بتاتے ہیں کہ کیا ہوا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہ چالیسویں شخص سمجھے جاتے ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ یہ واقعہ سرورِ کونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیغی مشن کے پانچویں سال پیش آیا۔ (یعنی ہجرت سے 8 سال پہلے) تبلیغی مشن کی اس قدر ابتدائی تاریخوں میں بھی کچھ قرآنی سورتوں کی تحریری نقول موجود تھیں اور ابنِ ہشام بیان کرتے ہیں کہ یہ ان قرآنی سورتوں کے گہرے مطالعے ہی کا ثر تھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ہم اس وقت کے بارے علم نہیں رکھتے۔ جب قرآن پاک کو تحریری شکل میں منتقل کرنا شروع کیا گیا تاہم اس بارے شک و شبہ کی بہت معمولی گنجائش ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے باقی ماندہ اٹھارہ سالوں میں مسلمانوں کی تعداد کی شرح قرآنی تحریری نسخوں میں بھی دن بہ دن اضافہ ہوتا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کلامِ الہی مختلف حصوں کی صورت میں نازل ہوا۔ یہ تدریجی امر ہے کہ اس وقت کے حالات و واقعات کے حوالے سے ہی کلامِ الہی کا نزول ہونا چاہیے تھا۔ ایسا تو ہو سکتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقربین میں سے کوئی ایک وفات پا جائے اور یوں قانونِ وراثت کے نفاذ بارے وحی نازل

ہو جائے مگر ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ ان لمحات میں چوری، قتل یا شراب نوشی سے متعلق تعزیری قانون کا نزول ہو جائے۔ نزول وحی کا یہ سلسلہ شفع المذنبین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تیرہ سالہ مکہ اور دس سالہ مدنی تبلیغی زندگی کے دوران جاری و ساری رہا۔ بعض اوقات ایک وحی ایک مختصر یا طویل سورۃ پر مشتمل ہوتی اور بعض اوقات صرف چند آیات نازل ہوتیں۔

53 وحی کی نزولی نوعیت سے یہ ضرورت پیدا ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے مستقلاً آیات و سورتوں کو دہرائیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہیں اور اس ترتیب کو بھی باز رہا دہرائیں جس ترتیب میں ان نازل شدہ آیات یا سورتوں کو تحریر کیا جانا چاہیے تھا۔ یہ ایک مستند و معتبر حقیقت ہے کہ نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال ماہ رمضان المبارک میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کی موجودگی میں، اس وقت تک نازل شدہ قرآن پاک کی تلاوت فرمایا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے آخری سال حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے: ”و مرتبہ مکمل قرآن پاک تلاوت کرنے کے لئے کہا۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ہلد ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرمانے والے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ وحی کے روحانی مطالب سے قطع نظر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان محافل میں حاضری دیا کرتے تھے جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک کی تلاوت فرمایا کرتے تھے ان محافل کو ”مردہ“ کے نام سے جانا جاتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرآن پاک کی تلاوت کی آخری معروف محفل ”مردہ اخیرہ“ سے موسوم کی گئی۔ ان محافل تلاوت قرآن پاک کے دوران صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے ذاتی قرآنی نسخوں کی تصحیح کیا کرتے تھے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان میں قرآنی آیات و سورتوں کی تلاوت فرمایا کرتے تھے اور انہیں ان کی صحیح ترتیب دیا کرتے تھے۔ یہ سب کلام الہی کے مسلسل و متواتر نزول کی وجہ سے ضروری تھا۔ بعض اوقات ایک سورۃ آیت ہی دفعہ میں نازل ہو جاتی اور بعض اوقات ایک ہی سورۃ کئی حصوں میں جدا جدا نازل ہوتی تھی تاہم اس انداز نزول کے باعث کوئی مشکل پیش نہیں آتی تھی لیکن اگر مختلف سورتوں کے کچھ حصے ایک ہی مرتبہ نزول ہوتا شروع ہو جاتے تو صورت حال قدرے مختلف ہوتی تھی۔ مختلف سورتوں کے ایک ساتھ نزول کی صورت میں انہیں لازماً آسانی سے دستیاب مادی اشیاء مثلاً شانے کی ہڈیوں، درختوں کے پتوں، تختی جیسے پتھروں اور حمال کے کمروں وغیرہ پر ماضی و وقتی طور پر لکھنا پڑتا تھا اور جیسے ہی پوری سورۃ نازل ہوتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمدین ان قلمبند حصوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق ترتیب دے دیتے تھے اور اس کی ایک صاف نقل بناتے تھے (بحوالہ ترمذی، ابن حنبل، ابن کثیر وغیرہ) ہمیں اس بات کا بھی علم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال ماہ رمضان میں رات کے وقت نماز تراویح کی صورت میں ایک اضافی عبادت کا ہتمام کرتے تھے جو بعض اوقات مذہبی اجتماع کی شکل اختیار کر لیتی تھی۔ نماز تراویح میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک کی پہلے پار سے آخری پار تک تلاوت کرتے تھے اور ماہ رمضان کے اختتام

پروردگار قرآن ختم ہو جاتا تھا۔ مطالعہ و مشاہدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز تراویح کا اہتمام آج بھی اسی دلچسپی و دلجمعی سے کیا جاتا ہے۔

﴿54﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت ملک کے مختلف حصوں میں بغاوت کی لگ بھڑک اٹھی۔ بغاوت کی اس آگ کو بجھانے و ابانے کے عمل میں کئی حفاظ کرام شہید ہوئے۔ تب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن پاک کی تدوین کی فوری ضرورت و اہمیت محسوس کی اور تدوین قرآن کا عظیم کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چند روز بعد ہی مکمل ہو گیا۔

﴿55﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری سالوں کے دوران، نئی نازل شدہ قرآنی آیات کی ملا کے لئے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اپنا کتاب اعلیٰ مقرر فرمایا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ہی قرآن پاک کی تمام تحریری نقول کو ایک کتاب کی شکل میں مرتب کرنے کا کام تفویض کیا۔ اس وقت مدینہ منورہ میں بہت سے حفاظ کرام (وہ جنہیں قرآن پاک زبانی یاد تھا) موجود تھے اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ان میں سے ایک تھے۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ”عردو اخیرہ“ میں بھی شریک ہوئے تھے جس کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ہدایت کی کہ پہلے قرآن پاک کے ہر حصے کی دو عدد ایسی تحریری نقول حاصل کریں جن کا خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت تمام پاک سے تقابلی مطالعہ و موازنہ کیا جا چکا تھا اور پھر اسے ایک مجموعے کی شکل دے دیں۔ نلیفہ وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس ہدایت پر، مدینہ منورہ کے جن جن لوگوں کے پاس قرآن پاک کے مختلف حصوں کی تحریری نقول موجود تھیں انہوں نے وہ تحریری نقول حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیں۔ مستند و معتبر ذرائع سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ صرف دو ایسی آیات تھیں جن کا صرف ایک دستاویزی ثبوت ملا جبکہ باقی سب آیات کی متعدد تحریری نقول موجود تھیں۔

﴿56﴾ قرآن پاک کی یہ ترتیب شدہ نقل ”مصحف“ کے نام سے جانی و پہچانی جاتی تھی۔ خیفہ وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مصحف کو اپنی حفاظت و نگرانی میں رکھا اور آپ رضی اللہ عنہ کے بعد یہ آپ رضی اللہ عنہ کے جانشین خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حفاظت و نگرانی میں رہی۔ اسی دوران تمام اسلامی سلطنت میں قرآن پاک کے مطالعے کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس امر کی ضرورت محسوس کی کہ قرآن پاک کی مستند و معتبر تحریری نقول تمام صوبائی مراکز کو بھیجی جائیں تاکہ قرآن پاک میں تحریف کے عمل سے بچا جاسکے لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے وصال کی صورت میں اس عظیم کام کی تکمیل آپ رضی اللہ عنہ کے جانشین خلیفہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حصے آئی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ایک فرماندے کے مطابق جو کہ آرمینیا کے دور دراز علاقے سے واپس آیا تھا اس نے وہاں قرآن پاک کی اختلافی نقول دیکھی تھیں اور ان اختلافی نقول ہی کی بنیاد پر وہاں موجود مختلف قرآنی معنوں کے، بین بعض اوقات جھگڑے بھی ہو جاتے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے

قرآن پاک کی نقل جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے تیار کی گئی تھی۔ فوراً حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (جن کا ذکر پہلے آچکا ہے) کی سربراہی میں تکمیل دی گئی کئی کے سپرد کی اور انہیں ویسی سات فتول تیار کرنے کو کہا اور انہیں اس بات کا اختیار و اہانت بھی دے دی کہ وہ جہاں ضرورت ہو (مفہوم و معنی کا لحاظ رکھتے ہوئے) قرآنی الفاظ کے بھوں میں ترمیم و نظر ثانی کر سکیں۔ اس مقصد کی تکمیل کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایک عوامی نشست کا اہتمام کیا جس میں ماہرین قرآن (جو کہ دار الحکومت میں موجود تھے اور جن کا شمار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی ساتھیوں میں ہوتا تھا) کے سامنے قرآن پاک کے اس نئے ”ایڈیشن“ کی تلاوت کی گئی اور پھر اس کے بعد وہ قرآنی فتول و تبع اسلامی دنیا کے مختلف مراکز میں بھیجی گئیں اور ساتھ ساتھ یہ حکم بھی دیا گیا کہ تب سے تمام قرآنی فتول صرف اور صرف اس مستند و معتبر قرآنی نسخے کی بنیاد پر ہی تحریر و تیار کی جائیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان تمام فتول کو بھی تلف کرنے کا حکم دیا جو کسی نہ کسی طور سرکاری طور پر قائم و تسلیم شدہ تحریر سے مطابقت نہیں رکھتی تھیں۔

﴿57﴾ یہ بات قابل فہم ہے کہ مسلمانوں کی عظیم فوجی فتوحات نے کچھ منافقین اسلام کو اس بات کی ترغیب دی کہ وہ مادی مقاصد کے حصول اور اسلام کو خفیہ انداز میں نقصان و ضرر پہنچانے کے لئے ظاہری طور پر اسلام میں داخل ہو جائیں۔ ان منافقین اسلام نے قرآن پاک میں بدعتی سے اضافوں کے ساتھ ساتھ اس کی آیات کے خود ساختہ مفہوم و مطالب بھی تراش لیے۔ غلط وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جب قرآن پاک کے غیر مستند نسخوں کو تلف کرنے کا حکم دیا تو جن لوگوں نے مگر چھپے آنسو بہائے وہ بھی منافقین اسلام ہی تھے۔

﴿58﴾ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات نئی مقدس وحیوں کے نزول کو بنیاد بنا کر قرآن پاک کی کچھ آیات منسوخ کیں جبکہ وہ اس سے پہلے لوگوں تک پہنچائی جا چکی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے بھی تھے جو پہلے نازل شدہ آیات کے بارے تو علم رکھتے تھے لیکن یا تو وہ وفات پا چکے تھے یا مدینہ منورہ سے باہر رہائش پذیر ہونے کی وجہ سے پہلی آیات میں جو بعد میں ترمیم کی گئیں ان سے ناواقف تھے۔ شاید اسی طرح کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی آئندہ نسلوں کے لئے قرآن پاک کے جو نسخے چھوڑے وہ گرچہ مستند و معتبر تو تھے تاہم نئی وحیوں کے نزول کے باعث ان کا وجود باقی نہ رہا تھا۔ مزید یہ کہ کچھ مسلمانوں کی یہ عادت تھی کہ وہ قرآن پاک میں استعمال کردہ کچھ کلمات و اصطلاحات بارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وضاحت طلب کرتے رہتے تھے اور ان وضاحتوں کو بھولنے کے ڈر سے، اپنے پاس موجود قرآنی نسخوں کے حاشیوں میں لکھ کر محفوظ کر لیتے تھے اور بعد ازاں حاشیوں میں موجود ان وضاحتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے جو قرآنی نسخے بنائے گئے انہوں نے بعض مرحل پر بہت سی غلط فہمیوں کو جنم دیا۔ خلیفہ وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اس حکم و ہدایت (کہ ترمیم اختلافی قرآنی نسخوں کو تلف کر دیا جائے) کے باوجود تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں بھی ایسا بہت سا مواد موجود تھا جس کے ذریعے ”قرآن پاک“ میں اختلاف رائے کے موضوع کے تحت

بہت سی جلدوں پر مشتمل، ضخیم کتب مرتب کی جاسکتی تھیں۔ یہ تمام اختلافی مواد ہم تک پہنچا اور اس کے بغور مطالعے سے یہ بات علم میں آتی ہے کہ یہ تمام اختلاف رائے یا تو حاشیوں میں موجود وضاحتوں یا پھر قدیم عربی لکھائی میں حروف نسل کی کمی اور نقطوں کے نہ ہونے کے باعث پیدا ہوا کیونکہ حروف علت اور نقاط ایک جیسے الفاظ کے درمیان فرق واضح کرتے ہیں اور آج بھی زیر استعمال ہیں۔ مزید یہ کہ مختلف علاقوں میں لہجہ کے ساتھ ساتھ تلفظ اور ادائیگی الفاظ مختلف تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان علاقوں میں اپنے والے مسلمانوں کو اس بات کی اجازت مرحمت فرما رکھی تھی کہ وہ اپنے تلفظ و ادائیگی میں قرآن پاک کی تلاوت کر سکتے تھے۔ یہاں تک کہ عربی زبان کے جو الفاظ ان کے علم سے باہر تھے وہ انہیں اپنی مقامی بولی میں موجود مترادفات سے بدل بھی سکتے تھے۔ یہ محض وقتی نرمی و رحمدلی اور نوازش و مہربانی کا ایک انداز تھا۔ خلیفہ وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور اقتدار میں عوامی مداخلت اس حد تک بڑھی کہ یہ ضرورت محسوس کی جانے لگی کہ اگر قرآن پاک کے تلفظ و مترادفات بارے میں مزید رعایات برداشت کی جاتی رہیں تو وہ جز بجز کھسکتی ہیں اور قرآن پاک کے اصل متن کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکتی ہیں۔

59) وہ قرآنی نسخے جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے صوبائی مراکز کو بھیجے تھے، آنے والی صدیوں میں آہستہ آہستہ غائب ہوتے گئے۔ ان میں سے ایک استنبول کے توپخانہ میں عجائب گھر میں موجود ہے اور دوسرا مکمل قرآنی نسخہ تاشقند کے عجائب گھر میں آج بھی موجود ہے۔ روسی حکومت ڈارن نے دوسرے قرآنی نسخے کی لفظ بہ لفظ نقل شائع کی اور ہم دیکھ سکتے ہیں کہ روسی حکومت کے شائع کردہ ان قرآنی نسخوں اور ہرے زیر استعمال قرآن پاک میں مکمل مطابقت و موافقت پائی جاتی ہے۔ پہلی صدی ہجری سے لے کر اب تک جتنے بھی مکمل اور نامکمل قرآنی نسخے موجود ہیں ان سب کے لئے بھی یہ بات سی طرح ہی صحیح ہے۔

60) سلسلہ حفظ قرآن پاک تاجدارِ حرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے چلا آ رہا ہے۔ خلفاء اور اسلامی حکومتوں کے دوسرے سربراہوں نے ہمیشہ حفظ قرآن کی حوصلہ افزائی کی۔ حفظ قرآن جیسے پائیزہ و خوشگوار عمل نے قرآن پاک کی سالمیت کو کہیں زیادہ مضبوطی فراہم کی۔ دراصل شروع ہی سے مسلمانوں کی یہ عادت تھی کہ کسی بھی مصنف کا کام اس کی یا اس کے قریبی بھروسہ شاگرد کی موجودگی میں ہی پڑھتے تھے اور پہلے سے قائم شدہ تحریر کی آگے ترسیل و ترویج کے لئے باقاعدہ اجازت طلب کرتے تھے اور مطالعے اور اصل تصنیف کے مقابلے و موازنے کے وقت تحریر کی اصلاح کرتے تھے۔ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو قرآن پاک کی زبانی تلاوت کرتے تھے یا صرف قرآنی تحریر کو پڑھتے تھے وہ بھی اسی انداز میں عمل کرتے تھے۔ یہی سلسلہ آج تک جاری و ساری ہے اور اس کا غیر معمولی پہلو یہ ہے کہ ہر استاد اپنے شاگرد کو سند دیتے وقت نہ صرف اس بات کا تفصیلی اظہار کرتا ہے کہ اس کے شاگرد کی ادائیگی قرآن اس ادائیگی قرآن سے مطابقت و موافقت رکھتی ہے جو کہ اس استاد نے اپنے استاد سے سیکھی تھی اور شاگرد اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اس نے ادائیگی قرآن اپنے طور پر اپنی



منشاء سے اپنے استاد سے سیکھی ہے یہ سلسلہ داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم تک چلا جاتا ہے۔ ان سطور کے کھاری (ذاکر حمید اللہ) نے قرآن پاک مدینہ منورہ میں شیخ القرآن حسن الشاعر سے پڑھا اور جو سند لکھاری نے حاصل کی اس میں دوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ استادوں کے سلسلے اور استادوں کے استادوں کا بھی ذکر تھا اور جو آخری بات بتائی گئی وہ یہ تھی کہ شیخ القرآن حسن الشاعر کے اساتذہ کا سلسلہ کس صرح استاد راستہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ تک باپنچتا ہے۔ یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اور ان سب نے قرآن پاک کی ایک جیسی تعلیم حاصل کی۔ اس وقت دنیا میں حفاظ کرام لکھوں کی تعداد میں موجود ہیں اور لاکھوں قرآنی نسخے کروادش کے تمام حصوں میں پائے جاتے ہیں اور جو بات بیان کرنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ حفاظ کرام کے حفظ کردہ قرآن پاک اور اصل قرآن پاک میں قطعاً کوئی فرق نہیں ہے۔

﴿61﴾ قرآن پاک عربی زبان میں نازل ہوا اور عربی زبان میں ہی اب تک موجود ہے۔ قرآن پاک کا ترجمہ کم و بیش تمام اہم دنیاوی زبانوں میں ہو چکا ہے اور ان لوگوں کے لئے سودمند ہے جو لوگ عربی زبان نہیں جانتے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ قرآن پاک ہم تک عربی زبان میں پہنچا ہے اور اس بات کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ قرآن پاک کا کسی اور زبان میں موجود ترجمے سے دوبارہ عربی زبان میں ترجمہ کیا جائے۔

﴿62﴾ ① قرآنی نسخوں کی اصل زبان میں موجودگی ② خود معلم قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر سرپرستی قرآنی آیتوں کی ترتیب و تدوین کے ہمراہ لکھائی اور حفظ قرآن دونوں کے ذریعے بیک وقت تسلسل حفظ قرآن پاک ③ مزید یہ کہ ماہر اساتذہ کے زیر نگرانی قرآنی تعلیم اور ہر نسل میں ماہر قرآن اساتذہ کی موجودگی اور ④ قرآن پاک میں کسی قسم کے اختلافات رائے کی عدم موجودگی۔ مسلمانوں کی مقدس وابرکت کتاب کی غیر معمولی خصوصیات میں سے محض چند خصوصیات ہیں۔

## مضامین قرآن:

﴿63﴾ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کا اس بات پر پختہ یقین ہے کہ قرآن پاک کلام الہی ہے جو کہ اللہ عزوجل نے اپنے پیارے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی صورت نازل فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار یہاں درمیانی رابطے کا سا ہے جنہوں نے اللہ عزوجل کی طرف سے نازل کردہ آیات قرآنی کو وصال کرنے کے بعد ان کی تبلیغ و ترویج کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار مصنف یا مرتب کا نہیں ہے۔ اگر بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ آیات کو مندرج کرنے کا حکم دیتے تھے تو وہ صرف اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی گئی نئی وحی کی بنیاد پر ہوتا تھا۔

64

اللہ تعالیٰ عزوجل قادر مطلق و بزرگ و برتر ہے اور تمام انسانی مادی سوچوں سے بالاتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی بھلائی کی خاطر اپنی مرضی و منشاء اور اپنے احکامات و ارشادات، ایک آسمانی فرشتے و پیامبر حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی صورت نازل فرمائے۔ اللہ تعالیٰ زبان کی تمام حدود و قیود سے بند و برتر ہے۔ یہاں ہم وضاحت کے لئے استعارے کا استعمال کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر بجلی کے تھقے تھے اور وحی برقی رو کی حیثیت رکھتی تھی اور برقی رو کے ذریعے ہی بجلی کا قتمہ اپنی برقی طاقت اور رنگ کے مطابق روشنی دیتا ہے۔ پیغمبر کی مادری زبان بجلی کے قتمے کا رنگ ہوتا ہے۔ بجلی کے قتمے کی برقی طاقت، برقی رو اور باقی تمام اشیاء کا تعین صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اعلیٰ صفات ہی کرتی ہے اور ایسے میں انسانی پہلو صرف ایک ذریعہ ترویج اور درمیانی رابطے کی حیثیت رکھتا ہے۔

64

(الف) دین اسلام کے مطابق قرآن پاک، کلام الہی ہے اور قرآن پاک میں یہ بات بار بار دہرائی جاتی ہے کہ ہر مسلمان پر یہ لازم ہے کہ دن اور رات میں جب بھی وقت ملے قرآن پاک کی تلاوت کرے۔ صوفیائے کرام نے بہت اچھے انداز میں اس کی وضاحت کی ہے کہ قرآن پاک اللہ عزوجل تک رسائی حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ کلام الہی ایک شاہراہ ہے اور برقی رو روشنی کے لئے راستہ فراہم کرتی ہے جو کہ برقی قتمے کو بجلی گھر سے جوڑتی ہے۔ یہ محظوظی نہیں ہے۔ دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے واضح انداز میں اس بات کی تاکید کی ہے کہ ہر مسلمان کو ہفتے میں ایک دفعہ پورا قرآن پاک پڑھنا چاہیے۔ یہ بات قرآن پاک کی سات حصوں میں تقسیم کی جانب رہنمائی کرتی ہے۔ جنہیں منزلیں کہتے ہیں۔ مزید یہ کہ قرآن پاک میں 114 اسباق ہیں جنہیں سورتیں کہتے ہیں اور ہر سورۃ میں ایک خاص تعداد جملوں کی ہوتی ہے جنہیں آیات کہتے ہیں۔ عربی میں منزل کے معنی ایک دن کے سفر کے بعد قیام و مقیم کے ہیں۔ سورۃ کے معنی احاطہ و چار دیواری کے ہیں یعنی ایک کمرہ، اور آیت کا لفظ آواز سے اخذ کیا گیا ہے جس کا مطلب ہے آرام کر:۔ روحانی یا زمینی سفر کے مسافر کے لئے مقام، کمرہ اور بستر تین اہم عناصر ہیں۔ ایک روحانی مسافر جب سفر شروع کرتا ہے تو اسے ایک دن کے سفر کے بعد کسی مقام پر ٹھہرنا پڑتا ہے جہاں اسے ایک کمرے کی ضرورت پڑتی ہے اور اس سفر آخرت میں جو کہ ابدی اور غیر محدود ہے، اسے اگلے دن مزید قدم بڑھانے سے پہلے ایک آرام دہ بستر کی ضرورت پڑتی ہے۔

65

وقت، ملاقات اور نسل کے فرق و تضاد کے بغیر قرآن پاک میں تمام نسل انسانی سے خطاب کیا گیا ہے۔ مزید یہ کہ قرآن مجید روحانی، زمانی، انفرادی اور اجتماعی تمام شعبہ ہائے حیات کے متعلق انسان کو رہنمائی و رہبری اور ہدایت و مشاورت فراہم کرتا ہے۔ قرآن پاک میں ریاست کے حکمران سے عام آدمی تک، امیر سے غریب تک، امن و سکون سے جنگ و جدل تک، روحانی ثقافت سے تجارت اور مادی بے پروا خوشحالی تک، سب کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ارشادات و احکامات موجود ہیں۔ بنیادی طور پر قرآن پاک ایک فرد کی

انفرادی شخصیت کی تشکیل و تکمیل اور تنفیہ و استحکام کی سعی کرتا ہے۔ ہر شخص اپنی ذات کے حوالے سے اپنے خالق و مالک کے سامنے جوابدہ ہوگا۔ اس مقصد کے لئے قرآن پاک میں نہ صرف احکامات بیان کیے گئے ہیں بلکہ ان پر عمل کے لئے قائل و مائل کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ قرآن پاک زندہ کہانیوں، مثالوں اور امتحانوں کے ذریعے انسانی عقل و شعور کو اپنی جانب متوجہ کرتا ہے۔ قرآن پاک میں صفات خداوندی بیان کی گئی ہیں جیسا کہ واحد، خالق، علیم و خبیر، قوی، موت کے بعد دوبارہ زندہ کرنے والا، ہمارے دنیاوی اعمال کا حساب لینے والا، منصف و عادل، رحیم و غیرہ۔ قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ کس طرح بہترین عبادات کے ذریعے ہم رب غفور و رحیم کی عبادت و بندگی کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ عز و جل کے فرائض، اپنے ارد گرد موجود لوگوں کے حقوق اور اپنے بارے ہماری کیا ذمہ داریاں ہیں۔ اپنے بارے ہماری ذمہ داریاں اس لئے ہیں کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ سے نسبت رکھتے ہیں اسی کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں اسی نے ہمیں امانت کے طور پر زندگی بخشی ہے۔ قرآن مجید میں معاشرتی زندگی، تجارت، شادی بیاہ، وراثت، تعزیری قانون، بین الاقوامی قانون اور اسی طرح بہت سے موضوعات بارے عمدہ قواعد و ضوابط بیان کیے گئے ہیں لیکن قرآن پاک معمولی مفائیم و مطالب پر مبنی کتاب نہیں ہے قرآن پاک تو کلام الہی کا مجموعہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تیس برس کے عرصے میں وقتاً فوقتاً بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لئے بھیجے گئے اپنے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحیوں کی صورت نازل فرمایا۔ قرآن پاک میں واضح طور پر اللہ تعالیٰ کے لئے ”شہنشاہ“ اور انسان کے لئے غلام کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جب کوئی شہنشاہ اپنا پیغام اپنے تمام تک پہنچانا چاہتا ہے تو اپنی ہدایات اپنے نمائندے کے ذریعے اپنے غلام تک پہنچاتا ہے اسی لئے قرآن پاک میں کچھ چیزیں ایسی ہیں جو سمجھائی گئی ہیں اور لاگو کی گئی ہیں۔ کچھ چیزوں کا ذکر بار بار کیا گیا ہے اور یہاں تک کہ اظہار کے طریقے تک بدلے گئے ہیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ بعض اوقات واحد متکلم یا جمع متکلم یا واحد غائب کی حیثیت سے کلام کرتا ہے وہ کہتا ہے ”میں“، ”ہم“، ”اس“ لیکن کبھی بھی جمع غائب (اُن) کی حیثیت سے خطاب نہیں کرتا۔ نئے قاری کے لئے یہ بات یاد رکھنا نہایت ضروری ہے کہ قرآن پاک اُن وحیوں کا مجموعہ ہے جو وقتاً فوقتاً نازل کی گئیں اور اسی لئے نئے قاری کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک کو بار بار پڑھے تاکہ اُس کے معنی و مفہوم کو اچھی طرح سمجھ سکے۔ قرآن پاک میں ہر شخص، ہر جگہ اور ہر وقت بارے ہدایات موجود ہیں۔

﴿66﴾ قرآنی طرز تحریر و تقریر اور اسلوب و انداز اپنے مقدس و مطہر معیار کے مطابق موزوں و متناسب اور شاندار و باوقار ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت ان لوگوں کی روحوں تک کو جھنجھوڑ دیتی اور مرتعش و مضطرب کر دیتی ہے جو اس کا مطلب تک نہیں جانتے۔ مزید برآں یہ کہ قرآن پاک اپنی پاکیزہ و منزہ حیثیت کی بنیاد پر انسانوں اور جنوں دونوں کو دعوتِ مقابلہ و مقاومت دیتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ دونوں اکٹھے مل کر ہی قرآن مجید جیسی چند آیات ہی بنا لائیں لیکن اس مقابلے کی پکار و لکار کا کوئی بھی آج تک جواب نہیں دے پایا۔ رب قادر و تدبیر کا واضح

اعلان ہے کہ:

قُلْ لِّیْنَ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ یَّاتُوْا بِثَلٰلِ الْفُرٰانِ لَا یَاْتُوْنَ  
بِثَلٰلَةٍ وَّلَوْ کَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ۝

(سورۃ بنی اسرائیل، آیت: 88)

**ترجمہ** ”کہہ دو اگر سب آدمی اور سب جن مل کر بھی ایسا قرآن لاتے چاہیں تو ایسا نہیں  
لا سکتے اگر چہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا مددگار کیوں نہ ہو۔“

اسی طرح ارشاد ربانی ہے کہ:

اَمْ یَقُوْلُوْنَ اَفْتَرٰهُ ۚ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوْرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ  
اسْتَعْتَمْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ لَّنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝

(سورۃ ہود، آیت: 13)

**ترجمہ** ”کیا کہتے ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قرآن خود بنا لیا ہے کہہ  
دو کہ تم بھی ایسی دس سورتیں بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جس کو بلا سکو، بلا لو اگر تم سچے  
ہو۔“

قرآن مجید میں ایک اور مقام پر رب العزت اسی نوع کی دعوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

وَ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ سَآئِلٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرٍ مِّثْلِهٖ سَوَادْعُوْا  
شُهَدَآءَكُمْ فَاِنْ لَّنَّ اللّٰهُ اِنْ لَّنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝

(سورۃ البقرۃ، آیت: 23)

**ترجمہ** ”اور اگر تمہیں اس چیز میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ  
وسلم) پر نازل کی ہے تو ایک سورت اس جیسی لے آؤ اور اللہ کے سوا جس قدر تمہارے  
حمایتی ہوں بلا لو اگر تم سچے ہو۔“

رب خالق و مالک اپنے کام کی صداقت و حقانیت کے حوالے سے ایک بار پھر چیلنج کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

اَمْ یَقُوْلُوْنَ اَفْتَرٰهُ ۚ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرٍ مِّثْلِهٖ وَّادْعُوْا مَنِ  
اسْتَعْتَمْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ لَّنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝

(سورۃ یونس، آیت: 38)

**ترجمہ** ”کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسے (قرآن مجید)  
خود بنایا ہے۔ کہہ دو تم ایک ہی ایسی سورت لے آؤ اور اللہ کے سوا جسے بلا سکو بلا لو اگر تم سچے  
ہو۔“

## حدیث شریف:

(67) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیانات چاہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات یا اعمال سے تعلق رکھتے ہوں یہ چاہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کوئی بات کی ہو یا کوئی عمل کیا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیان یا عمل سے منع نہ فرمایا ہو تو وہ حدیث کہلاتے ہیں۔ عمل کی یہ منظوری عمومی طرز عمل کے جائز ہونے پر بھی لاگو ہوتی ہے۔

(68) قرآن پاک میں درجنوں بار حدیث مبارکہ کی قانونی اہمیت و افادیت بارے توجہ دلائی گئی ہے۔ مثلاً ارشاد رب رحمن ورحیم ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ  
فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ  
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا

(سورۃ النساء، آیت: 59)

**ترجمہ** ”اے ایمان والو! اللہ کی فرمانبرداری کرو اور رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فرمانبرداری کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے حکم ہوں۔ پھر اگر آپس میں کسی چیز میں جھگڑا کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف پھیرو اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہو۔ یہی بات اچھی ہے اور انجام کے لحاظ سے بہتر ہے۔“

اور یہ کہ:

وَمَا يَنْصَحُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُضِلُّ ۖ

(سورۃ النجم، آیات: 3، 4)

**ترجمہ** ”اور نہ وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی خواہش سے کچھ کہتے ہیں۔ یہ تو وحی ہے جو ان (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر آتی ہے۔“

اسی طرح ایک درموقع پر رب العزت کا فرمان ذی شان ہے کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ  
الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا

(سورۃ الاحزاب، آیت: 21)

**ترجمہ** ”البتہ تمہارے لئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اچھا نمونہ ہے جو اللہ اور قیامت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے۔“

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی حکم صادر فرماتے تھے لوگوں کی نظر میں وہ حکم خداوندی کا درجہ رکھتا تھا۔ ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول وحی کے بغیر ہی اپنے ذاتی علم و بصیرت اور چشم بینائی کی بنیاد و اساس پر کسی معاملہ بارے رائے قائم کر لی اور اگر خدائے بزرگ و برتر اس رائے کو شرف قبولیت نہیں بخشا تھ تو اس کی اصلاح کے لئے ایک وحی نازل فرماتا تھا۔ حدیث پاک کی ترتیب و تشکیل کا یہ اندرونی و باطنی عمل بعد میں لوگوں کے علم میں آیا۔ ہم اس سے لوگوں کی عملی زندگی پر کوئی فرق نہ پڑا البتہ حدیث شریف کا ایک اور اہم اور قابل ذکر پہلو بھی ہے جس کا ذکر ذیل میں کیا گیا ہے۔

69 ﴿قرآنی انداز خطاب اکثر منتہی و جامع ہوتا ہے اور ہر شخص کو کسی بھی چیز یا عمل کے طریقہ کار، اس کی تفصیل اور ضروری وضاحت کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل و عمل کو سامنے رکھنا پڑتا ہے۔ اس بات کی وضاحت اس انداز میں پیش کی جاسکتی ہے کہ قرآن پاک میں نماز کے طریقہ کار کی تفصیلات بیان کیے بغیر صرف اتنا حکم دیا گیا ہے کہ ”نماز پڑھو۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شے صرف زبانی و کلامی بیان نہیں فرمائی۔ اسی لئے ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایمان کو خطاب کر کے فرمایا۔ ”مجھے دیکھو کہ میں کس طرح نماز پڑھتا ہوں اور اس کی پیروی کرو۔“

70 ﴿مسلمانوں کے لئے حدیث کی اہمیت و افادیت اس وجہ سے بھی بڑھ جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے تمام اہم معاملات بارے نہ صرف زبانی تعلیمات دیں بلکہ انہیں اپنے عمل و فعل سے واضح کیا۔ بوقت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیس (23) برس تک زندہ رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اندرونی امن و سکون اور نظم و ضبط میں توازن برقرار رکھتے ہوئے، بیرونی حفاظت پر ماسور فوجی دستوں کی سربراہی کرتے ہوئے، انصاف و قانون کے مطابق لوگوں کے مقدمات کے فیصلے کرتے ہوئے، مجرموں کو قرار واقعی سزا میں دیتے ہوئے اور تمام شعبہ ہائے حیات بارے قوانین وضع کرتے ہوئے بطور حاکم اعلیٰ ایک ریاست کی بنیاد رکھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رشتہ ازدواج سے منسلک ہوئے اور ازدواجی و خانہ دانی زندگی کے لئے ایک نمونہ پیش کیا۔ دوسری اہم حقیقت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو کبھی بھی ان عام قوانین سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام لوگوں کے لئے وضع کیے تھے۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات باریکات تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ داعی اسرام صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل مصلح معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و فرمودات کی تشریح و توضیح پیش کرتا تھا۔

71 ﴿محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اعمال میں محتاط اور منکسر المزاج انسان تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی پیغمبر کی حیثیت سے قرآن پاک جیسے مقدس پیغام کی تبلیغ و ترویج اور تحفظ و حفاظت کے لئے ہمہ جہت ممکنہ ضروری اقدامات کیے۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث مبارکہ کے تحفظ و محافظت کے لئے بھی ایسے ہی اقدامات کیے؟ سچے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) انا پرست تصور کرتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ

حدیث کی کہانی، قرآن کی کہانی سے قدرے مختلف ہے۔

## سرکاری دستاویزات:

72 حدیث شریف کا کچھ حصہ ایسا ہے کہ جس کی قدرتی نوعیت اس بات کا تقاضا کرتی تھی کہ اسے تحریری شکل میں محفوظ کیا جانا چاہیے۔ یہ حصہ داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکاری دستاویزات کہلاتا ہے۔

73 تاریخ الطبری کے ایسے پیرا گراف سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب مسلمانان مکہ نے مشرکین مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر حبشہ کی جانب ہجرت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ حبشہ نجاشی کے نام اپنا ایک نصیحت آموز خط ان مہاجرین کے سپرد کیا۔ اسی طرح کی کچھ اور دستاویزات بھی موجود ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت مدینہ منورہ سے پہلے تحریر فرمائی تھیں لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آبائی شہر مکہ سے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بطور ایک حکمران اعلیٰ ریاستی و انتظامی امور میں سرگرم مل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا۔

74 ہجرت مدینہ کے بعد مختصر و قلیل عرصے میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں مسلمانوں اور غیر مسلموں پر مشتمل ایک شہری ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شہری ریاست کے لئے ایک ایسا تحریری آئین تشکیل دیا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصر و جامع انداز میں سربراہ ریاست کے حقوق و فرائض بیان کیے اور ریاستی امور و فرائض منصبی کی ادائیگی سے متعلق شرائط و ضوابط کا قطعی طور پر ختم دیا۔ یہ آئینی دستاویز ہم تک پہنچی ہے۔ اس تحریری آئین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرحدی حد بندی اور حدود و قیود کا بھی تعین کیا اور تقریباً اسی عرصے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اسلامی آبادی کی تحریری مردم شماری کا حکم دیا۔ البخاری کے مطابق، مردم شماری کے نتیجے میں 1500 افراد کا اندراج ہوا۔

75 مزید یہ کہ بہت سے عرب قبائل کے ساتھ بیثاق اور امن و سکون و سلامتی کے حوالے سے معاہدے کیے گئے۔ بعض اوقات معاہدے کی دونوں تیار کی جاتیں اور ہر فریق کو ایک ایک نقش دے دی جاتی۔ فرمانبردار و اطاعت گزار قبائلی سرداروں کی حفاظت و نگہبانی میں اضافے کے فیصلے بارے سرکاری اجازت نامے جاری کیے گئے اور زمین اور پانی کے ذرائع وغیرہ کے معاملے میں ان کے سابقہ مالکانہ حقوق کی توثیق کی گئی۔ اسلامی ریاست میں توسیع و اضافے کے ہر کام صوبائی گورنروں کے ساتھ مختلف موضوعات پر خط و کتابت میں بھی اضافہ ہوا۔ ان موضوعات میں نئے قوانین بارے بات چیت، انتظامی ترتیب، سرکاری اہلکاروں کے اقدامات کے نتیجے میں کچھ قانونی یا انتظامی فیصلوں پر نظر ثانی، سرکاری اہلکاروں کے وفاقی حکومت سے کیے گئے سوالات کے جوابات اور ٹیکسوں وغیرہ سے متعلق معاملات شامل تھے۔

﴿76﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ تبلیغی و دعوتی خطوط بھی موجود تھے جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کی غرض سے مختلف سربراہان مملکت اور عرب قبائلی سرداروں جیسا کہ بازنطینی اور ایرانی حکمرانوں، شاہ حبشہ نجاشی اور دوسرے حکمرانوں کے نام ارسال کیے۔

﴿77﴾ ہر جنگی و عسکری معرکہ و مہم کے لئے رضا کاروں کی تعداد میں اضافہ کیا جاتا تھا اور اس تعداد کی تحریری فہرست تیار کی جاتی تھی۔ مال غنیمت کی ایک تفصیلی فہرست تیار کی جاتی تھی تاکہ جسی و عسکری مہم سازوں و معرکہ آراؤں کے درمیان برابری کی بنیاد پر مال غنیمت کی منصفانہ و عادلانہ تقسیم کی جاسکے۔

﴿78﴾ غلاموں کی آزادی اور ان کی خرید و فروخت بھی تحریری دستاویزات کے ذریعے ممکن بنا دی گئی۔ اس طرح کی تقریباً تین صد و ست ویزات ہم تک پہنچی ہیں جن کا تعلق براہ راست آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔

﴿79﴾ یہاں ایک دُرُپ و قدح کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔ سن 8 ہجری میں فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ضروری و اہم اعلان کیا تھا جس میں کچھ قانونی شرائط بھی شامل تھیں۔ ایک یمنی باشندے ابو شاہ کے اصرار پر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فتح مکہ کی ایک تحریری نقل تیار کرنے اور اسے یمنی باشندے ابو شاہ کے حوالے کرنے کا حکم دیا۔

﴿80﴾ ہم ترجمہ قرآن شریف ہمارے ایک واقعہ کا ذکر بھی کر سکتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت کی کہ ہر مسلمان کو اپنی عبادت عربی زبان میں کرنی چاہیے۔ کچھ نو مسلم فارسی باشندے اس وقت تک عبادت نہیں کرنا چاہتے تھے جب تک کہ انہیں عربی تحریر یا قرآنی سورتیں زبانی یاد نہ ہو جائیں۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کہ جن کا تعلق فارس سے تھا عربی زبان جانتے تھے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت و منظوری سے ان نو مسلم فارسی باشندوں کے لئے قرآن پاک کی پہلی سورۃ کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ اور وہ نو مسلم باشندے اس فارسی ترجمے سے تب تک استفادہ حاصل کرتے رہے جب تک کہ انہیں قرآنی تحریر زبانی ذہن نشین نہیں ہو گئی۔ (بخاری ص 1، 37، تاریخ الشریعہ کی ”النبایہ حاشیۃ الہدایہ“، باب صلوة)

﴿81﴾ ایسی کتب جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی اس طرح کی دستاویزات پر مشتمل ہیں ہزاروں صفحات پر مبنی و محیط ہیں۔

﴿82﴾ اس امر کا مطالعہ و مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عوامی و سماجی تعلیم و تربیت میں خصوصی دلچسپی رکھتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ”خدا کے بزرگ دہتر نے مجھے معصوم بنا کر بھیجا ہے۔“ ہجرت مدینہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے مسجد تعمیر کروائی جس کے ایک حصے کو تعمیری مقاصد کے لئے مخصوص و محفوظ کر دیا گیا۔ یہ مشہور و معروف مقام جو کہ صفحہ کے نام سے جانا پہچانا جاتا تھا رات کے اوقات میں خواب گاہ اور دن کے اوقات میں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے خطبہ گاہ کی حیثیت رکھتا تھا جو کہ اس سہولت سے مستفید و مستفیض ہونا چاہتے تھے۔ سن 2 ہجری میں جب کفار مکہ کو بدر کے مقام پر شکست



و ہزیمت کا سامنا کرنا چاہا اور اس کے نتیجے میں کچھ کفار قیدی بنائے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ تمام وہ قیدی جو چڑھتا لکھنا جانتے ہیں ان میں سے ہر ایک قیدی دس مسلمان لڑکوں کو پڑھتا لکھتا - کھانا کرفد یہ ادا کر سکتا ہے۔ (بخاری ابن فضال اور ابن سعد)۔ قرآن پاک میں بھی حکم دیا گیا ہے کہ دو چشم دید گواہوں کی تحریری استاویزات کی تصدیق و توثیق کے بعد ہی تجارتی میں این عمل میں لایا جائے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت 282 میں واضح طور پر حکم دیا گیا ہے کہ:

”جب تم کسی وقت مقرر تک آپس میں ادھار کا معاملہ کر دو تو اسے لکھ لیا کرو۔۔۔ اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ کر لیا کرو۔ پھر اگر مرد مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کرتے ہو۔ تاکہ اگر ایک ان میں سے بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔۔۔“

یہ اور اس طرح کے دیگر اقدامات و انتظامات کے نتیجے میں مسلمانوں کی شرح خواندگی میں تیزی و سرعت سے خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ یہ بات میرت انگیز و تعجب خیز نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمیشہ سے ہی اپنے عظیم و معتبر رہنما و پیہر کے اطلاعات و خطبات کو تحریری شکل میں محفوظ کرنے میں انتہائی دلچسپی رکھتے تھے۔ ہر نو آموز اور پُر خلوص نو مسلم کی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جوش و جذبہ و وفاداری و جاں نثاری عظیم تر ہوتی تھی۔ اس بارے ایک امتیازی و انفرادی مثال یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جبریت مدینہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین مکہ کی آباد کاری کے لئے مشہور و معروف یثاق اخوت و معاہدہ مؤاخات کا حکم دیا اور اس کے تحت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک انصاری کے مؤاخاتی بھائی بنے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤاخاتی بھائی دونوں باری باری نخل کے ایک باغ میں کام کرتے تھے جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کام پر جاتے تو آپ رضی اللہ عنہ کے مؤاخاتی بھائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے اور شام کو وہ سب باتیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے گوش گزار کرتے جو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں سنی اور دیکھی ہوتی تھیں اور جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی باری آتی تو آپ رضی اللہ عنہ بھی ایسا ہی کرتے۔ پس اس طرح دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ہونے والی تمام باتوں سے باخبر رہتے تھے۔ مثلاً ان باتوں میں نئے قوانین کے نفاذ کا اعلان، سیاست اور حفاظت سے متعلق سوالات کے جوابات اور اسی طرح کی دوسری باتیں شامل ہوتی تھیں۔ جہاں تک حدیث پاک کی ترتیب و تدوین کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں درج ذیل واقعات اپنی مثال آپ ہیں۔

عبدالنبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تدوین حدیث:

83) الترمذی کے مطابق ایک دن ایک انصاری (مدینہ کا مسلمان) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ اس کی یادداشت بہت کمزور ہے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیمی و تبلیغی

خصیات بہت جلد بھول جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ ”پنے اپنے ہاتھ سے مدد لو۔“ (یعنی کہ لکھ لیا کرو)۔

84 ﴿﴾ الترمذی اور ابوداؤد وغیرہ اور ان جیسے بہت سے ذرائع سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ایک کئی مسلمان نوجوان حضرت عبداللہ ابن عمر و ابن العاص رضی اللہ عنہ کی یہ عادت تھی کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ارشادات و فرمودات لکھ لیا کرتے تھے۔ ایک دن آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے ان کو ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشری تقاضوں والے انسان ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بغض و مکرور، صمیمین اور خوش و خرم ہو سکتے ہیں اور بغض اوقات برہمی یا غصے کا اظہار بھی کر سکتے ہیں اس لئے کسی بھی شخص کے لئے یہ بات قطعاً مناسب نہیں ہے کہ وہ بلا امتیاز ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی تمام باتیں قلمبند کر لے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور دریافت فرمایا کہ کیا کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فرمودات قلمبند کر سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ”جی ہاں“۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنی تسلی کی خاطر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے پھر دریافت کیا۔ ”حتیٰ کہ جب بھی جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شام و سرور یا برہم ہی کیوں نہ ہوں۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”یقیناً اللہ رب العزت کی قسم! اس منہ سے کبھی بھی جھوٹ نہیں نکلا۔“ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنی مرتب کردہ حدیث کی اس کتاب کو ”صحیفہ صادقہ“ کا نام دیا (جس کا مطلب ہے سچی کتاب)۔ کئی نسلوں تک یہ ایک انفرادی مجموعہ حدیث کے طور پر پڑھائی اور آگے منتقل کی جاتی رہی لیکن بعد میں ابن حبش اور دوسرے فقہائے کرام نے اسے اپنے مرتب کردہ حدیث کے بڑے مجموعے میں شامل و ضم کر دیا۔ الدارنی اور عبدالحکیم ایک ہی بات بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے شاگردوں کے حصار میں موجود تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد نے آپ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ ”روم اور قسطنطنیہ میں سے کون سا شہر مسلمانوں سے پہلے فتح ہوگا؟“ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسے ایک صندوق اپنے پاس لانے کے لئے کہا۔ پھر اس میں سے ایک کتاب نکالی اور کچھ دیر تک اس کے صفحات پلٹتے رہے اور کچھ اس طرح پڑھا کہ ”ایک دن جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات قلمبند کرنے کی غرض سے بیٹھے تھے کہ ایک صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ”روم اور قسطنطنیہ میں سے کون سا شہر پہلے فتح ہوگا؟“ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ ”اولاً ہرقل کا شہر۔“ اس بیان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی ارشادات و فرمودات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو قلمبند کرنے میں از حد دلچسپی رکھتے تھے۔

85 ﴿﴾ یہاں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا واقعہ نہایت خصوصیت و اہمیت کا حامل ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے چند پڑھے لکھے افراد میں سے ایک تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے والدین نے آپ رضی اللہ عنہ کو صرف دس سال کی عمر میں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی مآزم کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ آخری وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دن رات قیام کے دوران حضرت انس رضی اللہ عنہ وہ سب کچھ سن اور دیکھ سکتے تھے جو کہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے ممکن نہیں تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث روایت کی ہے کہ ”حکمت کو تحریر کے ذریعے مضطرب کرو۔“ بعد ازاں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اگر ہم اصرار کرتے یا دوسری روایت یہ ہے کہ اگر ہم زیادہ تعداد میں ہوتے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنی کاغذی دستاویزات و معیجہ علیحدہ کرتے اور کہتے ”یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و فرمودات ہیں جو کہ میں نے قلمبند کیے اور پھر انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھا تا کہ اگر ان کی تصحیح و درستی کرنی ہو تو کر سکوں۔“ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ اہم بیان نہ صرف عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوران حدیث کی ترتیب و تدوین کا ثبوت پیش کرتا ہے بلکہ ان احادیث مبارکہ کی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تصدیق و وثیق اور مقابلہ و موازنہ کی گواہی بھی دیتا ہے۔ یہ واقعہ بہت سے مستند و معتبر فقہاء نے بیان کیا ہے جن میں الامام حنفی (وفات تقریباً 360 ہجری)، امام (وفات 405 ہجری)، الخطیب البغہ ادی (وفات 463 ہجری) شامل ہیں اور ان عظیم فقہاء اور روایت سازوں نے پہلے ذرائع کا حوالہ بھی دیا ہے۔

### صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ادوار میں حدیث کی ترتیب و تدوین:

﴿86﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بارے دلچسپی بڑھنا ایک قدرتی امر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے اہل و عیال اور رشتہ داروں کی بہتری و بھلائی کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق وہ سب باتیں جو وہ جانتے تھے تحریری شکل میں چھوڑی ہیں۔ نو مسلموں کو اپنے مذہب اسلام کو سمجھنے اور اپنی علمی و دینی بنیادیں بھانے کے لئے ذرائع کی ضرورت ہوتی تھی۔ وفات کی صورت میں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد میں روز بروز کمی واقع ہوتی جا رہی تھی جو کہ حدیث کا براہ راست علم رکھتے تھے اور اس بات نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اندر یہ جستجو اور لگن آجا کر لی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق اپنی یادداشتوں کو محفوظ کرنے کی صرف غمیدگی سے خصوصی توجہ دیں۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل و عیال و فرمودات بارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بیانات و سرگزشتوں پر مبنی حدیث کی متعدد کتابیں ترتیب دی گئیں۔ یقیناً یہ حدیث کے براہ راست علم کی طرف ایک واضح اشارہ ہے۔

﴿87﴾ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر و ابن حزم رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر مقرر کیا تو انہیں ان کے انتظامی فرائض بارے تحریری ہدایات دیں۔ حضرت عمر ابن حزم رضی اللہ عنہ نے یہ دست ویز محفوظ کر لی اور دیگر

اکس دستاویزات کی نقول بھی حاصل کر لیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نجیدہ، بنو طی، بنو ثقیف، بنو جذام وغیرہ جیسے قبائل سے خطاب کیا تھا۔ اور انہیں سرکاری دستاویزات کے مجموعے کے طور پر ترتیب دے دیا۔ یہ دستاویزات ہم تک پہنچی ہیں۔ (بحوالہ "اعلام السالکین عن آتب ید المرسلین" ابن طہوان)۔

88 صحیح مسلم میں ہم پڑھتے ہیں کہ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے حج مکہ مکرمہ بارے ایک ایسا شاہکار مرتب کیا کہ جس میں انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع اور خطبہ حجۃ الوداع کی تفصیلات بیان کیں۔ متعدد ذرائع صحیفہ جابر رضی اللہ عنہ بارے بھی نشاندہی کرتے ہیں جو کہ آپ رضی اللہ عنہ کے شاگرد زبانی یاد کیا کرتے تھے۔ ممکن ہے کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ ارشادات و احکام بارے بات کی گئی ہو۔

89 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہما حضرت عمر بن عبد بن جندب رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہ بارے بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بھی اپنے اہل و عیال کے فائدے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق اپنی یادداشتوں کو ترتیب دیا۔ ابن حجر رضی اللہ عنہ اس بارے بات کرتے ہوئے اضافہ کرتے ہیں کہ حضرت عمر و ابن جندب رضی اللہ عنہما کا کام حویل اور کئی جلدوں پر مشتمل تھا۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت بہت کم سن تھے انہوں نے اپنے سے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہما سے بہت سی باتیں سیکھیں اور پھر اس مواد کو متعدد کتابوں کی صورت میں ترتیب دے دیا۔ تاریخ نویس بیان کرتے ہیں کہ بوقت وصال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی تحریروں سے لد ابوا ایک اونٹ بھی تر کے میں چھوڑا۔ ایک عظیم فقیہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی احادیث پر مبنی ایک کتاب مرتب کی جسے آپ رضی اللہ عنہ کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبد الرحمن اپنے دوستوں و احباب کو دکھایا کرتے تھے۔ (بحوالہ الحاکم المستدرک، باب ابن مسعود رضی اللہ عنہ)۔

90 البخاری کے بیان کے مطابق حضرت عبد اللہ ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت المظفرہ ابن شعبان رضی اللہ عنہ خط و کتابت کے ذریعے حدیث کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ اگر کوئی شخص ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارے کوئی بات یا معلومات دریافت کرتا تو تحریری شکل میں اس کا جواب دیتے۔ یہاں تک کہ انہوں نے سرکاری ہیکاروں و دوستوں کے ساتھ بات چیت و گفت و شنید کا سلسلہ از خود شروع کیا۔ مثال کے طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے فیصلے بیان کیے کہ جن کا تعلق اس وقت کے مسائل سے تھا۔

91 رزق ذیل بیان کے اندر علم کا ایک خزانہ پنہاں و مقید ہے ورا سے بہت سے ذرائع نے محفوظ کیا ہے (جیسے کہ ابن عبد البر "جامع بیان العلم")۔ ایک دن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد نے آپ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے یہ چیزیں بتائی تھیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو کہ ضعیف العمر تھے

اور ان کی یادداشت بھی کمزور ہو چکی تھی نہوں نے وہ حدیث ماننے سے انکار کر دیا۔ تاہم جب آپ ﷺ کے شاگرد نے اصرار کیا کہ وہ حدیث اس نے آپ ﷺ سے ہی سیکھی تھی تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ ”اگر تم نے یہ حدیث مجھ سے سیکھی ہے تو یہ ضرور میری تحریروں میں موجود ہوگی۔“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگرد کا ہاتھ تھاما اور اسے اپنے گھر لے گئے۔ اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ پر مشتمل ”متعدد کتب“ دکھائیں اور آخر کار آپ ﷺ وہ حدیث ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گئے کہ جس کے متعلق آپ ﷺ کے شاگرد نے آپ ﷺ سے سوال کیا تھا۔ اس پر آپ ﷺ نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ اگر یہ حدیث تم نے مجھ سے سیکھی ہے تو یہ ضرور میری تحریروں میں موجود ہوگی۔ اس واقعہ میں ”متعدد کتب“ جیسے الفاظ و کلمات استعمال ہوئے ہیں جو کہ قابل ذکر و قابل توجہ ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سن 59 ہجری میں خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ ﷺ نے اپنے ایک شاگرد ہمام ابن منہ بنجید کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق 138 شاہکار احادیث سکھائیں (یا تحریری شکل میں دیں)۔ تحفظ حدیث صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کام نصف صدی ہجری سے ایک صدی تک جاری و ساری رہا۔ یہ کام ہمارے لئے مددگار ثابت ہوتا ہے جب ہم بعد ازاں مرتب کردہ کتب احادیث کا مقابلہ و موازنہ اس کام سے کرتے ہیں اور اس حقیقت کو مضبوط و مستحکم کرنے میں بھی مددگار ثابت ہوتا ہے کہ حدیث سے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یادداشتوں کو بہت غلط انداز میں محفوظ کیا گیا ہے تاکہ آئندہ نسلیں ان سے مستفید و مستفیض ہو سکیں۔

92 ﴿الذہبی﴾ ”تذکرۃ الحفاظ“ میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے 500 احادیث مبارکہ پر مشتمل ایک کتاب مرتب کی اور اسے اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کر دیا۔ تین اہل بیت آپ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے وہ کتاب واپس لے لی اور اسے یہ کہتے ہوئے تلف کر دیا کہ ”میں نے وہ لکھا جو میری سمجھ میں آیا، تاہم ایسا ہو سکتا ہے کہ اس میں کچھ چیزیں ایسی ہوں جو کہ تحریری لحاظ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ الفاظ سے مطابقت و موافقت نہ رکھتی ہوں۔“ جہاں تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے تو معمر ابن راشد رضی اللہ عنہ ایک مستند بات بیان کرتے ہیں کہ خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک بار اپنے دور حکومت میں حدیث کی ترتیب و تدوین کے حوالے سے اپنے رفقاء کرام رضی اللہ عنہم سے رائے طلب کی۔ سب نے اس خیال کی تائید کی۔ تاہم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس بارے میں مسلسل جھجکا بہت کا شکار رہے اور پورا ایک ماہ و رب ذوالجلال سے ہدایت و رہنمائی (استخارہ) اور ذہن کو منور کرنے کی دعا و التجا کرتے رہے۔ بالآخر آپ ﷺ نے حدیث کی ترتیب و تدوین کا خیال ترک کر دیا اور فرمایا کہ ”پہلے لوگ اصل الہامی کتب کو نظر انداز کر کے صرف پیغمبروں کے طور و اطوار پر توجہ دیتے تھے۔ میں نہیں چاہتا کہ قرآن پاک اور حدیث مبارکہ کے مابین غلط فہمی کے امکانات جنم لیں۔“ جدید تحقیق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باضابطہ

بیانات جو کتابت و حفاظت حدیث بارے شواہد پیش کرتے ہیں ان کی تعداد بھی 50 سے کم نہیں ہے۔ یہاں تفصیل بیان کرنا بہت طویل ہو جائے گا۔

## کتابت حدیث صلی اللہ علیہ وسلم بارے ممانعت:

(93) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے متعلق آخری دو بیانات و واقعات اس حدیث کے اصحاب ممانعتی و مشہور پیش کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں کہ جس میں کہا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات و فرمودات کو قلمبند کرنے سے منع فرمایا تھا۔ اگر کتابت حدیث بارے حقیقت کوئی ممانعت ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دو اہم رفقاء کرام رضی اللہ عنہ حدیث کی ترتیب و تدوین بارے سوچنے کی جہارت ہی نہ کرتے اور جب ان دونوں خلفائے راشدین نے کتابت حدیث کے خیال کو ترک کر دیا تو ان کے پاس ان لوگوں کو خاموش کرانے کی کہ جو کتابت حدیث کی رائے کے حق میں تھے ان کے علاوہ اور کوئی معقول وجہ نہیں تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کو قلمبند کرنے سے منع فرمایا تھا۔ جہاں تک ہم علم رکھتے ہیں کہ حضرت ابوسعید الخدری، حضرت زید ابن ثابت اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی اس حدیث کے راوی ہیں کہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کے علاوہ کوئی بھی دوسری چیز قلمبند کرنے سے منع فرمایا تھا۔ اس حدیث کے سیاق و سباق اور نہ ہی اس کے موقع و محل بارے کسی قسم کی کوئی معلومات ملتی ہیں۔ ہر شخص کو اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ اور حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو عمر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں سے تھے۔ سن 5 ہجری میں یہ دونوں بمشکل 15 سال کے تھے۔ تاہم جو کہتا ہے کہ یہ دونوں ذہین و فطین ہوں۔ یہ قابل فہم بات ہے کہ ہجرت مدینہ کے بعد ابتدائی سالوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے ارشادات و فرمودات قلمبند کرنے سے منع فرمایا ہو۔ جہاں تک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے تو ہم نے ابھی دیکھا کہ انہوں نے خود حدیث کی متعدد کتب مرتب کیں۔ تاریخ اسلام میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک پارسا و متقی، اخلاقی اقتدار کی پادشاهی کرنے والے اور اصحاب و پند شخص کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں اور یہ بات سچ بھی نہیں جاسکتی کہ اس طرح کے کردار و اطوار کا شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات سے بغاوت و انحراف کر سکتا ہے کہ جس کے بارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر منع فرمایا ہو۔ سوائے اس کے کہ اس نے بعد ازاں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اس ممانعت کی تردید نہ سنی ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سن 7 ہجری میں یمن سے تشریف لائے اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے ابتدائی دنوں میں انہیں قرآن پاک کے علاوہ کچھ بھی قلمبند کرنے سے منع فرمایا ہو ورنہ بعد میں جب دو مابہر قرآن بن گئے ہوں ورنہ حدیث شریف اور قرآن پاک میں فرق کرنے کے قابل ہو گئے ہوں تو کتابت حدیث سے منع کرنے کی وجہ ختم ہو گئی ہو۔ ایسے اہم حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابن

عبرس رضی اللہ عنہ بھی یہ بات کرتے پائے گئے ہیں کہ ان کی ذاتی رائے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی قسم کے حوالے کے بغیر حدیث کو تحریری شکل میں مرتب نہیں کرنا چاہیے۔ پھر بھی جیسا کہ ہم نے پہلے دیکھا کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کو بہت زیادہ تعداد میں احادیث مبارکہ قلمبند کرنے کی بناء پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سبقت حاصل تھی کہ جنہوں نے حدیث کی تحریری طور پر ترسیل کی۔ ان لوگوں کے قول و فعل میں بظاہر تضاد (جو کہ ہمیشہ پارسا و متقی و متدین کی حیثیت سے جانے پہچانے گئے اور داعی اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات بارے میں ہر امشاہدہ رکھتے تھے) ہمارے اس خیال و مفروضہ کو پختہ کرتا ہے کہ کتابت حدیث کی ممانعت ایک خاص سیاق و سباق کے تحت کی گئی ہوگی جو کہ بیانات کی صورت میں ہمارے پاس مملوٹ نہیں ہیں۔ اس لئے ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دونوں متضاد احکام سے انکار کرنے کی بجائے ان کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

94) تین ممکنہ وضاحتیں ہمارے ذہن میں آتی ہیں ① ہو سکتا ہے کہ یہ انفرادی ممانعت ہو اور اس کا تعلق ان اشخاص سے ہو جنہوں نے نیا نیا لکھنا سیکھا ہو یا جنہوں نے نیا نیا قول اسلام کیا ہو اور ان کے لئے قرآن پاک اور حدیث شریف میں فرق کرنا مشکل ہو اور بعد میں مہارت حاصل کرنے کی صورت میں یہ ممانعت ختم ہو گئی ہو۔ (مثال کے طور پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یمن سے تشریف لائے تھے اور شاید ہو سکتا ہے کہ انہوں نے مسند یا تمیری رسم الخط میں مہارت حاصل کر لی ہو لیکن وہ عربی رسم الخط جو کہ اس وقت مکہ مکرمہ اور پھر مدینہ منورہ میں رائج تھا اس میں ابھی ماہر نہ ہوئے ہوں۔) ② یہ ہو سکتا ہے کہ اس کا واحد مقصد حدیث کو بھی انہی اور اوراق پر لکھنے سے منع کرنا ہو کہ جن پر پہلے سے قرآن پاک کی سورتیں لکھی ہوئی ہوں تاکہ قرآن پاک کی اص آیات اور حدیث کے مابین پیدا ہونے والی غلط فہمی کو روکا جاسکے۔ ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ اس جانب اشارہ کرتے ہیں اور ہمارے پاس خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وہ باضابطہ حکم موجود ہے کہ جو انہوں نے حدیث کے اس خاص طرزِ تحریر کے خلاف دیا تھا۔ ③ ہو سکتا ہے کہ اس کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ خاص خطبات سے ہو مثلاً جس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے مستقبل یعنی اسلام کی عقیم روحانی اور سیاسی فتوحات بارے میں پیشین گوئیاں کی تھیں۔ یہ حکم اس خواہش کے تحت وجود میں آیا کہ قسمت و تقدیر پر یقین رکھنے والوں کو جدوجہد اور کوشش و کوش ترک کرنے کی طرف نہ لے جائے۔

95) اس بارے میں وضاحتیں و تفسیحات بھی پیش کی جاسکتی ہیں لیکن فی الحال اتنا ہی کافی ہے۔

## مابعد صدیوں کی صورت حال

96) شروع میں حدیث کی ترتیب و تدوین کا مکمل چھوٹے پیمانے پر اور انفرادی تھا۔ ہر صحابی رضی اللہ عنہ اپنی یادداشتیں قلمبند کر رہا تھا۔ دوسری نسل میں جب شاگرد ایک سے زیادہ اساتذہ کے خطبات سنتے تو ان

کے لئے یا اشتباہ کے مختلف ذرائع کے اختلاف کو مد نظر رکھ کر ان کے کثیر التعداد ہونے کے باعث انہیں متعدد جلدوں کی شکل میں لکھ کر جمع کرنا قابل عمل ہوتا تھا۔ چند نملوں بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق تمام یادداشتیں اکٹھی کر لی گئیں اور بعد میں یہ کوشش بروئے کار لائی گئی کہ ان احادیث کو مضبوط کے لحاظ سے الگ الگ کر لیا جائے۔ مزید یہ کہ قانونی و عدالتی اصولوں کے ساتھ ساتھ دوسرے سائنسی طریقہ ہائے کار کو بھی اخذ کر لیا جائے۔ قرآن پاک کی طرح حدیث بھی یہ تقاضہ کرتی تھی کہ ہر حدیث کو زبانی یاد کیا جائے اور زبانی یاد کرنے کے لئے کوئی بھی شخص تحریری مسودے کا سہارا لے سکتا تھا۔ حدیث کی تعلیم ماہر اور مستند و معتبر استاد سے لینا بھی ایک شرط تھی۔ تحفہ حدیث کے اس تہرے طریقہ کار اور حفاظت کے عمل کو کچھ افراد انتہائی سختی و سختی کے ساتھ بروئے کار لائے جبکہ دوسروں نے اس جانب قدرے کم توجہ دی۔ لہذا اس معاش میں مختلف اساتذہ کرام کی شخصیت اور ان کی اعتباریت کو بہت زیادہ اہمیت حاصل تھی۔

﴿97﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے کچھ عرصے بعد احادیث مبارکہ کے راویوں نے متعلقہ حدیث کے حصول کے بنیادی ذریعے کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کرنے اور حدیث کے حصول کے ایک ذریعے کے بعد دوسرے ذریعے کو بیان کرنے کی عادت اپنائی۔ مثال کے طور پر البخاری رحمہ اللہ کہیں گے۔ ”میرے استاد ابن ضبہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: میں نے اپنے استاد عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کو کہتے سنا۔ میرے استاد معمر بن راشد رحمہ اللہ نے مجھے بتایا۔ مجھے میرے استاد ہمام ابن منبہ رحمہ اللہ نے بتایا۔ میرے استاد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنی۔ یہ اور اس طرح کی کئی چیزیں شامل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہر بیان جو کہ اگرچہ چند الفاظ پر مشتمل ہوتا ہے فقہاء کرام و ماہرین دین کے لگاتار مسلسل حوالہ جات کے ایک جامع و مکمل سلسلے پر مشتمل ہوتا ہے۔ راویوں کے ایک انفرادی سلسلے میں جو کہ ابھی بیان کیا گیا ہے ہمیں نہ صرف البخاری رحمہ اللہ کی ”اسخ“ بلکہ ابن ضبہ رحمہ اللہ کی ”مسند“، عبدالرزاق رحمہ اللہ کی ”مصنف“، معمر رحمہ اللہ کی ”جامع“، ہمام ابن منبہ رحمہ اللہ کے ”صحیفہ“ کے حوالے بھی ملتے ہیں جس کے بارے میں محترم و مکرم صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہمام ابن منبہ رحمہ اللہ کو ہدایت کی تھی۔ ہمیں ان کاموں میں جو کہ خوش قسمتی سے اصل الفاظ میں ہی ہم تک پہنچے ہیں۔ اس سلسلہ حوالہ جات سے متعلق بیانات ملتے ہیں۔ ان تمام مستند و معتبر ذرائع کی موجودگی میں یہ کہنا سراسر بے وقوفانہ و جاہلانہ مفروضہ اور تہمت و بہتان کے مترادف ہوگا (مثلاً) ”یہ کہ البخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے بیان خود بنایا اور پھر اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر دیا یا خود ہی راویوں کا ایک سلسلہ گھڑا اور اشاعت“ یا عام طور پر عوامی اعتقادات کہ ”اپنے زمانے کی افواہوں کو اکٹھا کیا اور انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر دیا۔“



نتیجہ:

98

تحفظ کے سہرے طریقہ کار کے ذریعے اسلام کی مذہبی و دینی تعلیمات کو اول روز سے اب تک محفوظ کیا جا رہا ہے۔ اس طریقہ کار میں 1 زبانی یاد کرنا اور 2 کتابت کے ذریعے محفوظ کرنا اور 3 ماہر اساتذہ کی زیر نگرانی تعلیم حاصل کرنا شامل ہیں۔ ہر طریقہ کار ایک دوسرے کی مدد کرتا ہے اور بیانات و ارشادات کی ضرورت و اہمیت کو سہرے طریقہ کار سے یقینی بناتا ہے۔ قرآن پاک کے ساتھ ساتھ حدیث کے متعلق بھی یہ بات سچ ہے۔ حدیث بنیادی طور پر صحیحہ کرام جی لکھنؤ کے اعمال کی منظوری سے متعلق یادداشتوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک بنی دین کی حیثیت سے بھی انجائی کامیاب رہے۔ دراصل سن 10 ہجری میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان عرفات میں تقریباً ایک لاکھ 40 ہزار مسلمان جان کرام کے اجتماع سے خطاب فرمایا۔ (ان بہت سے لوگوں کو گئے بغیر جو کہ اس سال مکہ مکرمہ نہیں آئے تھے)۔ سیرت نگار اور سوانح نگار یقین سے کہتے ہیں کہ ان صحابہ کرام جی لکھنؤ کی تعداد ایک لاکھ سے زائد ہے کہ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ایک بھی واقعہ بیان کیا ہے۔ واقعات کے دوبارہ بیان پر پابندی عائد کی گئی ہے لیکن متعدد ذرائع کا ایک ہی واقعہ کو بیان کرنا اس کو اور زیادہ پُر یقین و قابل بھروسہ بناتا ہے۔ ہمارے پاس داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے متعلق تقریباً دس ہزار احادیث (اعادہ کے بغیر) کے بیانات موجود ہیں اور ان تمام احادیث کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے تمام پہلوؤں کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے شاگردوں کو روحانی و دنیاوی دونوں قسم کے معاملات بارے دی گئی ہدایات سے ہے۔



## اسلامی نظریہ حیات

99

کسی معاشرے، قوم یا تہذیب کی طاقت و قوت اور ہمیت و حیثیت کا زیادہ انحصار نظریاتی اور عملی فلسفہ حیات پر ہوتا ہے۔ انسان تدریجی و فصری طور پر سب سے پہلے اپنے ذاتی و انفرادی مفادات بارے سوچتا ہے۔ بعد ازاں اپنے قریب و نزدیک ترین رشتہ داروں بارے فکر کرتا ہے جبکہ دوسروں کے مفادات کو بمشکل ہی زیر غور لاتا ہے۔ تاہم ہر دور میں افراد و اشخاص کا ایک ایسا گروپ اور گروہ رہا ہے جس نے واضح طور پر اپنے آپ کو دوسروں سے ممتاز و منفرد ثابت کیا ہے۔ جب ہم ماضی کی تدیم تہذیبوں کے خدوخال اور خصوصیات و خصوصیات کو ملاحظہ کرتے ہیں (ہو سکتا ہے کہ اب ہم اک نئی تہذیب کی طلوعِ سحر کے لمحات میں ہوں) تو ہمیں علم ہوتا ہے کہ ہر دور اور ہر زمانے میں تہذیب و تمدن کے حوالے سے کسی ایک گروپ نے مشعلِ بردار اور رہبر و ہمنما کے طور پر نمایاں کام کیا ہے لیکن اس کا یہ مفہوم بھی نہیں کہ دوسرے گروپ غیر مہذب اور بد تہذیب تھے۔ تہذیبوں کی درجہ بندی میں متابعتاً ایک گروپ کو دوسرے پر قدرے برتری رہی ہے مثلاً جب قدیم سامی منظر عام پر آئے اور انہوں نے اپنے شاندار تہذیب و تمدن کو عروج و ترقی سے ہمکنار کیا تو اس وقت کئی دوسری ہم عصر اقوام بھی شاید مکمل طور پر انہی کی طرح تہذیب یافتہ تھیں مگر انہیں اپنے عمل و کردار کے انہماک کے لئے مناسب میدان اور موزوں موقع میسر نہیں آیا تھا۔ عربی، اسلامی دور میں اگرچہ یونانی، رومی، چینی، ہندوستانی اور دوسری تہذیب یافتہ اقوام کی تمام تر خصوصیات کے حامل تھے مگر وہ اپنے دور کی ارفع و اعلیٰ معیار کی حامل تہذیب کے مقابلے میں ان جیسی بلندی و رفعت حاصل نہ کر سکے تاہم اس تمام تر ترقی کے باوجود کدو ارض کے کچھ حصوں میں اب بھی وحشیانہ تہذیب کے حامل گروپ موجود ہیں اگرچہ وہ حقیقی طور پر آدم خور نہ ہوں۔

100

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیوں ایک قوم کی تہذیب و تمدن کی ترقی انتہائی تیزی و برق رفتاری سے ہوئی جبکہ دوسری کی سست رہی؟ اس دور میں جبکہ یونانی شاندار تہذیب و تمدن کی رفعتوں سے بہرہ ور تھے مغربی یورپ والے وحشی و جنگلی کیوں تھے؟ جب عرب والے شان و شوکت کی بلندیوں کو چھو رہے تھے تو روس والے وحشی و حیوانی تہذیب کے حامل کیوں تھے؟ یہی سوال مختلف ادوار میں مختلف ممالک کے متعلق بھی کیا جاسکتا ہے۔ کیا یہ خالصتاً موقع و حالات کا معاملہ ہے؟ یا کیا یہ اس حقیقت کے باعث ہے کہ دوسرے انسانی گروہوں کی نسبت کسی ایک انسانی گروہ میں انتہائی اعلیٰ و ارفع کردار اور شرافت و نہایت کی حامل شخصیات نے جنم لیا؟ ہو سکتا ہے کہ اس کی کوئی ممکنہ تشریحات، توضیحات بھی ہوں جن کی بنیاد مختلف اور پیچیدہ وجوہات پر مبنی اور جن کا تصحیح چند

افراد کی کارکردگی اور افعال و اعمال سے ہو، یا احساس مایوسی و محرومی و ناامیدی سے ہو ورنہ حق کہ ایک کا دوسرے کو ختم کرنے سے ہو۔

101) ایک سوال اور بھی پیدا ہوتا ہے کہ شرن و شوکت کی وقتی مالت کے بعد لوگ کیوں ایک نئی مبہم، غیر واضح اور غیر معروف صورت حال میں داخل ہو جاتے ہیں؟ اگر ایسا نہیں ہوتا تو وہ پھر کیوں نیم وحشیانہ حالت اختیار کر رہے ہیں؟

102) ہماری تجویز یہ ہے کہ تہذیب کے حوالے سے ان سوالات کی تحقیق و تفتیش ہم عصر اسلام کے تناظر میں کی جائے اور اگر ممکن ہو تو متعلقہ تہذیب کی بقا کے امکانات کو زیر بحث لایا جائے۔

103) اگر کوئی ابن خلدون پر یقین کرے تو حبا تباری عنصر اس کی بنیادی وجہ ہے۔ ایک نسل اپنے اختتام پر اپنی قوت و طاقت اور اہمیت و حیثیت کھو دیتی ہے۔ یوں اس کی بحالی کے لئے اشخاص و افراد میں کم از کم ضرور تہذیبی آنا چاہیے۔ اس نفسی نظریہ کو اگر علمی مبالغہ نہ سمجھ لیا جائے تو پھر بھی یہ مذہبی تہذیبوں کے ساتھ ساتھ خاص طور پر ان مذاہب پر اثر انداز ہو سکتا ہے جو تبدیلی و تغیر قبول نہیں کرتے۔ خوش قسمتی و خوش بختی سے اسلام تنزلی کی اس گروش سے محفوظ و مامون ہے۔ کیونکہ اس کے ماننے والے ہر نسل میں پائے جاتے ہیں اور یہ روئے زمین پر ہر جگہ تھوڑی یا زیادہ ترقی کا عمل جاری و ساری رکھتا ہے۔ مزید یہ کہ منفقہ طور پر تسلیم شدہ امر ہے کہ اسلام فلی و تونی امتیاز و تمیز اور بغض و عناد پر یقین نہیں رکھتا۔ بلکہ وجہ ہے کہ یہ بغیر کسی پتکچا بٹ کے کسی بھی نسل اور قوم کے افراد کو اپنا لیڈر اور علم بردار قبول کر لیتا ہے۔ قرآن الکریم میں غلاموں کو منقسم طریقے سے آزاد کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ اس کی ایک شاندار مثال پیش کرتا ہے۔ درحقیقت تاریخ میں کئی مسلمان حکمران ایسے گزرے ہیں جو خالصتاً نو آزاد کردہ غلاموں کی نسل سے تھے۔

104) تہذیب کی موت و حیات کا انحصار مساوی طور پر اس کی بنیادی تعلیمات و اخلاقیات و افادات پر ہے۔ اگر وہ اپنے پیروکاروں کو دینہ ترک کرنے کی دعوت دیتی ہے تو وہ یقیناً روحانی طور پر تعلیم ترقی کریں گے تاہم انسان کے تشکیلی اجزاء (جسم، ذہنی و فکری صلاحیتیں وغیرہ) کو ان کے فطری فرائض کی ادائیگی کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ یوں وہ اپنے جوہن پر آنے سے پہلے ہی مرجھائیں گے۔ اور اگر تہذیب، زندگی کے مادی پہلوؤں پر زور دے گی تو انسان مادی میدان میں بہت ترقی کرے گا جبکہ دوسرے پہلوؤں کی اسے قربانی دینا ہو گی۔ اس طرح اس قسم کی تہذیب اس کے لئے ایسی چھتری کی مانند ہوگی جو اس کے منہ پر آگے لگی اور یوں تہذیب اپنی موت آپ مرجائے گی کیونکہ مادیت پرستی اکثر و بیشتر ذاتی مفاد پرستی و خود غرضی کو جنم دیتی ہے جس سے انسان دوسروں کے حقوق کا احترام نہیں کرتا۔ یوں اس کے دشمن پیدا ہو جاتے ہیں جو اس کی کارروائی کے لئے موقع کے انتظار میں رہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ باہمی موت کے ملاوہ اور کچھ نہیں ہوتا۔ اس ضمن میں دور ہزنوں کی کہانی کافی مشہور و معروف ہے۔ انہیں جنگل میں خزانہ ملا۔ ان میں سے ایک شہرت اشیائے خورد و نوش لینے لیا

جبکہ دوسرے نے کھانا تیار کرنے کے لئے جنگل سے لکڑیاں اکٹھا کرنا شروع کیں۔ تاہم ان دونوں میں سے ہر ایک نے دل میں یہی ارادہ کر لیا کہ دوسرے سے چھٹکارا حاصل کیا جائے تاکہ اس ناجائز دولت کا وہ واحد مالک بن جائے۔ چنانچہ جو سامان خورد و نوش خریدنے گیا تھا اس نے اس میں زہر ملا دیا جبکہ اس کا دوسرا ساتھی جنگل میں گھات لگا کر بیٹھ گیا اور جیسے ہی پہلا ساتھی شہر سے سامان خرید کر واپس لوٹا تو دوسرے نے پہلے قاتل کر ڈالا۔ لیکن جب دوسرے نے کھانا کھایا تو وہ بھی دوسرے جہان میں اس سے جا ملا جبکہ خزانہ وہیں پڑا رہا۔

**105** تہذیب میں ایک اور خلقی و پیدا کنشی نامی ہو سکتی ہے جب اس کی تعلیمات و اخلاقیات ترقی و ارتقاء اور حالات کے مطابق، حملے کی جہلی صلاحیت سے محروم ہوتی ہیں۔ کسی ایک دور یا ماحول کے لئے اس کی تعلیمات و اخلاقیات بہت اعلیٰ و عمدہ ہو سکتی ہیں جبکہ کسی دوسرے دور یا ماحول کے لئے نہیں ہو سکتیں چنانچہ دوسرے دور والے ان تعلیمات و اخلاقیات پر فریفتہ ہوں گے تو وہ ان کے لئے مہلک ثابت ہوں گی۔ ایک عام سی مثال اس نکتہ کو واضح اور روشن کرے گی۔ ایک وقت تھا جب بجلی کی روشنی میسر نہیں تھی اور دینی رسومات کی ادائیگی کے مراکز (مسجد، معبد وغیرہ) کے کوئی ٹھوس اور مستقل آمدنی کے ذرائع بھی نہیں تھے تو ان مذہبی مقامات پر خصوصاً رات کے اوقات میں ایک موم بتی روشن کرنا یقیناً نیک کام تھا۔ اس عقیدہ کی کسی صورت مخالفت نہیں کی جاسکتی کہ کسی پشیمان و نادام فرد کے لئے نیکی کا ایک عمل بھی کنارہ و تلافی کا باعث ہو سکتا ہے اور خدا یا خدا کے کسی بندے کے خلاف کیا گیا اس کا کوئی غلط عمل اور بُرا فعل اپنا نقصان دہ اثر کھو سکتا ہے جبکہ اس کا مداوا کسی اور طریقہ سے ہونا مشکل تھا لیکن کیا ایسے مقام پر موم بتی جانا کہ جو پہلے ہی بجلی کے تقوسوں سے از حد روشن و منور ہو مٹھن ضیاء و زیاں نہیں؟ آئیے اسلام کا ان حالات و کیفیات کی روشنی میں مطالعہ کرتے ہیں۔

## اسلام کی نظریاتی بنیاد:

**106** یہ ایک معروف و مشہور امر ہے کہ دین اسلام کا نصب العین اور مقصد و محور زین و دنیا و آخرت کی فلاح ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد رب العالمین ہے کہ:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً  
وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۰۶﴾

(سورۃ البقرہ، آیت 201)

**ترجمہ** ”اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں نیکی اور آخرت میں بھی نیکی دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔“

اسلام یقینی طور پر دونوں قسم کے انتہا پسندوں کو مطمئن نہیں کرتا۔ اول روحانیت پرست انتہا پسند جو کہ تمام دنیاوی نعمتوں سے کنارہ کش کر کے نفس کشی و فرض عین سمجھتے ہیں۔ دوم مادیت پرست انتہا پسند جو دوسروں کے حقوق و

مفادات پر قطعی یقین نہیں رکھتے تاہم بنی نوع انسان کی واضح اکثریت درمیانی راستہ اختیار کرتی ہے اور کوشش و کاوش کرتی ہے کہ روح اور جسم میں بیک وقت ہم آہنگی پیدا کر کے اکملیت حاصل کی جائے۔ اسلام جسم اور روح دونوں کی اہمیت و حیثیت پر زور دیتا ہے کیونکہ انسان انہی دو اجزاء کا مرتبہ و مجموعہ ہے چنانچہ ایک مناد کے لئے دوسرے کو قربان نہیں کرنا چاہیے۔ اگر اسلام مذہبی و روحانی فرائض اور عبادات تجویز و مقرر کرتا ہے تو اس میں مادی مفادات بھی شامل ہوتے ہیں۔ اسی طرح اگر اسلام کسی دنیاوی مناد کے حصول کے لئے عمل کی اجازت دیتا ہے تو وہ یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ یہ عمل کس طرح روحانی تسکین و اطمینان کا ذریعہ بھی ہو سکتا ہے۔ نیچے دی گئی مثالیں اس دلیل کی وضاحت کریں گی۔

﴿107﴾ ہر شخص اس بات سے اتفاق کرے گا کہ روحانی عبادات کا واحد مقصد ذات واجب الوجود کے قرب کا حصول ہے۔ وہ ذات پاک جو خالق و مالک ہے اور اسی کی خوشی و خوشنودی کا حصول ہمارا مقصود ہے۔ چنانچہ انسان کی کوشش و کاوش ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو رب وحدہ لا شریک کے رنگ میں رنگ لے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ:

مِبْعَةَ اللَّهِ ۖ وَهَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ مِبْعَةً ۖ وَنَحْنُ لَهُ عِبَادٌ ﴿۱۰۷﴾

(سورۃ البقرہ، آیت: 138)

ترجمہ ”اللہ کا رنگ اور اللہ کے رنگ سے اور کس کا رنگ بہتر ہے اور ہم تو اسی کی

عبادت کرتے ہیں۔“

حدیث مبارکہ کے مطابق انسان دیکھے تو اللہ کی آنکھ سے دیکھے، بولے تو اللہ کی زبان سے بولے اور خواہش و آرزو کرے تو اللہ کی مرضی و منشاء سے کرے۔ مختصر یہ کہ انسان کا تمام تر قول و فعل اور رویہ و معاملہ مکمل طور پر رب تعالیٰ کی مشیت و مرضی کے مطابق ہو اور وہ اپنی صلاحیتوں اور اہلیتوں کا بہتر استعمال کرتے ہوئے رب کریم و رحیم کی اطاعت کرے۔ ایک مومن کو قرآن کے ربانی احکامات کے مطابق لازماً ان اوقات میں روزہ رکھنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کیے ہیں۔ خدا کی اطاعت ہی ہدف و نیک ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ روزہ جسم کو کمزور نہ کرتا ہے جس سے مادی خواہشات کا خاتمہ ہو کر نفس کشی ہوتی ہے۔ اس طرح مومن روحانی ارتقاء محسوس کرتا ہے، رب عظیم و کریم ہارے سوچتا ہے، اس بارے سوچتا ہے جو رب رحمن و رحیم ہمارے لئے کرتا ہے۔ یوں مومن انسان دوسرے روحانی مفادات سے مستفید ہوتا ہے لیکن روزہ مادی فوائد کا بھی حامل ہے۔ جب ایک مومن روزہ کے دوران بھوکا اور پیاسا رہتا ہے تو غدد و دلوں سے خارج ہونے والے تیزابی مادے، معدے میں موجود بیماری کا سبب بننے والے کئی مائیکروب اور بیکٹیریا کو مار دیتے ہیں۔ اسی طرح روزہ دار بحرانی لمحات میں محرومیوں کو برداشت کرنے کی صلاحیت و قوت پیدا کر لیتا ہے۔ یوں وہ خراب حالات میں بھی پریشان ہوئے بغیر اپنے معمول کے فرائض سرانجام دیتا رہتا ہے۔ اگر کوئی شخص محض دنیوی مقاصد کے تحت روزہ رکھتا ہے تو اس کی کوئی

روحانی حیثیت اور قدر و قیمت نہیں ہوتی تاہم اگر کوئی فرد رب العالمین کی خوشی و خوشنودی کے لئے روزہ رکھتا ہے تو اس کے مادی فوائد کبھی بھی ضائع نہیں ہوتے۔ کسی طویل اور تفصیلی بحث میں بڑے بغیر یہ کہا جاسکتا ہے کہ تمام دوسرے روحانی افعال یا اسلامی عبادات کا اس طرح وہ ہر اثر ہوتا ہے ایک روحانی جبکہ دوسرا دنیاوی ہوتا ہے۔ یہی صورت حال عبادت و پرستش کی ہے چاہے وہ انفرادی ہو یا اجتماعی ہو۔ یہی کیفیت حج بیت اللہ کے دوران ہوتی ہے جب انسان اپنی ذات کی نفی کرتا ہے۔ غریبوں کی مدد و معاونت اور دوسری مذہبی و روحانی عبادات کی بھی یہی حالت ہے کیونکہ یہ سب اعمال و افعال دو ہر اثر (روحانی، دنیاوی) رکھتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کوئی عمل خالصتاً رب کی رضا کے لئے کرتا ہے تو اس کی وہ ہر قدر و قیمت اور اہمیت و حیثیت ہوتی ہے۔ مادی مفادات کا نقصان بھی نہیں ہوتا اور روحانی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر کوئی فرد وہی کام محض مادی مقصد کے تحت کرتا ہے تو وہ اپنا یہ مقصد تو حاصل کریتا ہے لیکن روحانی مفادات و فوائد سے محروم رہتا ہے۔ آئیے دائی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور و معروف حدیث کو یاد کرتے ہیں کہ ”یقیناً اعمال کا دار و مدار محض مقاصد اور ارادوں پر ہوتا ہے۔“

108 ٹیکس یا جنگ جیسے دنیاوی اعمال و افعال پر بات کریں تو یہ واضح ہے کہ ایک فرد، حکومت و وقت کو ٹیکس ادا کرتا ہے۔ یہ بات حیرت آفریں نہیں ہونی چاہیے کہ اسلام اس عمل کو ایمان کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک رکن گردانتا ہے۔ یہ عمل بھی اسی طرح اہم ہے جیسا کہ عقیدہ، توحید و رسالت، نماز، روزہ اور حج ہیں۔ قرآنی اصطلاح میں زکوٰۃ کا مفہوم خیرات نہیں ہے۔ یہ زرعی پیداوار، معدنیات کے اخراج و حصول، تجارت، مال مویشی وغیرہ پر ایک ٹیکس ہے جسے زکوٰۃ کہتے ہیں۔ جہاں تک اس کے استعمال اور خرچ کا تعلق ہے قرآن پاک واضح طور پر ہدایت کرتا ہے کہ:

اِنَّا الصَّدَقَتُ لِفَقْرَآءٍ وَالتَّسْلِيْنِ وَالتَّحِيْلِيْنَ عَيْنِهَا وَالْمَوْلَفَةِ فَلَوْ بُهْمُ  
وَفِي الزَّكَاةِ وَالْفَرَصِيْنَ وَفِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةٌ مِّنَ اللّٰهِ  
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٠﴾

(سورۃ التوبہ، آیت: 60)

**ترجمہ** ”زکوٰۃ منگولوں اور محتاجوں اور اس (زکوٰۃ) کا کام کرنے والوں کا حق ہے اور جن کی دلجوئی کرنی ہے اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں اور قرض داروں کے قرض میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کے لئے ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہے اور اللہ جانتے والا، حکمت والا ہے۔“

اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ روحانی اور دنیاوی عمل و مفاد کو ایک ہی لفظ میں سمودیا گیا ہے۔ کوئی بھی فرد اس ٹیکس کو معاشرتی و سماجی فریضہ کے طور پر نہیں بلکہ خالصتاً اللہ کے لئے ادا کرتا ہے۔ جب اس ٹیکس کی ادائیگی اس

کے ذہن میں اس مقدس فرض کے طور پر ابھرتی ہے ایک ایسا فرض جو رب کائنات کی جانب سے لگایا گیا ہے وہ رب العالمین جس سے کوئی چیز نہیں چھپائی جاسکتی اور مزید یہ کہ وہ ہمیں موت کے بعد زندہ کرنے کی صلاحیت و طاقت رکھتا ہے اور پھر وہ ہم سے ہمارے اعمال و افعال بارے جواب طلب کرے گا۔ تو وہ شخص یا آسانی سمجھ جاتا ہے کہ کس قدر احتیاط اور صحیح حساب و مقدار کے ساتھ وہ اپنے واجبات ادا کر کے اپنے اس فریضہ سے عہدہ براء ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اسلام میں صرف خدا کے راستے کے علاوہ جنگ کرنا ممنوع ہے اور یہ سمجھنا کوئی مشکل امر نہیں کہ ایسا سپہی و مجاہد زعد انسانیت دوست ہوگا اور وہ اپنی زندگی کو کسی دنیاوی سفارتی خاطر خطرے میں ڈالنے کی خواہش نہیں کرے گا۔ دنیاوی فرائض کو روحانی رنگ دینے کا مقصد اسلام کے نزدیک محض اتنا ہے کہ انسان کا روحانی پہلو مضبوط و مستحکم کیا جائے کہ وہ مادی چیز سے مادی مفاد حاصل کرنے کی خواہش کرنے کی بجائے صرف اور صرف خدا کی خوشی و خوشنودی کا طالب ہو۔ عظیم روحانی مفکر اور ممتاز صوفی بزرگ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ قطعی مبالغہ نہیں کرتے جب کہ یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص عبادت و ریاضت یہ نماز و روزہ میں ظاہری و نمائشی پہلو کو بد نظر رکھتا ہے تو وہ شرک کرتا ہے کیونکہ اس طرح وہ اپنی ذات کی پرستش کرتا ہے، رب وحدہ لا شریک کی نہیں کرتا۔ اس کے برعکس اگر کوئی فرد اپنی بیوی کے ساتھ وظیفہ زوجیت ادا کرتا ہے اور اس کا یہ عمل جسمانی و شہوانی لطف اندوزی کی بجائے محض خدا کی جانب سے عائد کردہ فرض کی ادائیگی کی نیت سے ہوتا ہے تو پھر اس کا یہ عمل نیکی و اطاعت کے سوا کچھ نہیں جس سے وہ خدا کی خوشنودی اور جزا کا حق دار بنتا ہے۔

﴿109﴾ نظریہ حیات بارے قرآن پاک اکثر و بیشتر ہر افکار مولا استعمال کرتا ہے یعنی ”خدا پر ایمان لے آؤ اور نیک اعمال کرو“ محض خدا اور خدائی احکامات پر ایمان رکھنا مگر ان پر عمل نہ کرنا کوئی قدر و قیمت اور اہمیت و حیثیت نہیں رکھتا۔ اسلام جس طرح ایمان لانے پر زور دیتا ہے اسی طرح عمل کرنے پر بھی اصرار کرتا ہے۔ گویا ایمان اور عمل لازم و ملزوم ہیں۔ دوسرے کی بھلائی کے نقطہ نظر سے اچھے اعمال، خدا پر ایمان لانے بغیر یقینی طور پر بُرے اعمال کی نسبت قابل ترجیح ہو سکتے ہیں مگر جہاں تک مذہبی و روحانی نکتہ نظر کا تعلق ہے، ایمان کے بغیر نیک عمل آخرت میں نجات کا کسی صورت باعث نہیں بن سکتا۔

﴿110﴾ لیکن اچھائی اور بُرائی میں تمیز کیسے کی جائے؟ سب سے پہلے تو قانون قرآن ہی اول معیار ہے لیکن آخری کوشش کے طور پر کسی کا ضمیر ہی اس کا ثالث و معصف ہو سکتا ہے۔ جب کوئی مسئلہ فرمایا ہے تو اسلامی قانون سے رجوع کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی ذاتی طور پر ایسا کر سکتا ہے تو درست ہے۔ اگر ایسا نہیں کر سکتا تو ضرورت کے مطابق وہ کسی صاحب علم اور ماہر قانون کی مدد لے سکتا ہے۔ تاہم فقہ یا مشیر و ماہر قانون انہی حقائق کی بنیاد پر مشورہ دے گا جو اس کے علم میں لائے جائیں گے۔ اگر چند ٹھوس اور مادی حقائق اس سے پوشیدہ رکھے جائیں گے چاہے ایسا ارادی طور پر ہو یا غیر ارادی طور پر ہو تو اس کے نتیجہ میں ہونے والی نا انصافی کا ذمہ دار قانون کو قطعاً نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ ہم معلم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خوب صورت اور مختصر خطاب کا

حوالہ دے سکتے ہیں۔ ایک ان آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”لوگو! مجھ تک جو شکایات پہنچتی ہیں میں ان کا فیصلہ ان حقائق کی بنیاد پر کرتا ہوں جو میرے علم میں لائے جاتے ہیں۔ مگر مکمل معلومات کی عدم فراہمی کے باعث میں کسی اس شخص کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں جو اس کا مستحق نہیں ہوتا تو اسے بتا دو کہ میں نے اسے وزخ کی آگ کا ایک حصہ دے دیا ہے۔“ ایک اسلامی عدالتی مقدمہ بھی اسی بات پر زور دیتا ہے جس کے مطابق ”اگر مشیر قانون (فقیہ) تمہیں جواز اور توجیہ (فیصلہ) مہیا کر بھی دے تو پھر بھی تم اپنے ضمیر سے مشورہ کرو۔“ (الحديث، ابن فضال رحمۃ اللہ علیہ، الدارمی رحمۃ اللہ علیہ)

111 دوسروں کے بارے کبھی نہ سوچنا اور صرف اپنی ذات بارے ہی فکر کرنا انسانی نہیں بلکہ حیوانی عمل ہے۔ اپنی ضروریات پوری کرنے کے بعد دوسروں کے بارے سوچنا عمومی اور جائز فعل ہے۔ تاہم قرآن پاک کا ارشاد ہے کہ:

وَالَّذِينَ يَسْتَوُونَ الدَّارَ وَالْآيَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُجْزَوْنَ مِنْهَا حَظًّا مِمَّا هُمْ بِهَا جَاهِلُونَ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُؤْثِرْ شَيْئًا نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْغَالِبُونَ ﴿٩﴾

(سورۃ الحشر، آیت: 9)

**ترجمہ** ”اور وہ (مال) ان کے لئے بھی ہے کہ جنہوں نے ان سے پہلے (مدینہ میں)

گھر اور ایمان حاصل کر رکھا ہے۔ جو ان کے پاس وطن چھوڑ کر آتا ہے اس سے محبت کرتے ہیں اور اپنے سینوں میں اس کی نسبت کوئی غلش نہیں پاتے جو مہاجرین کو دیا جائے اور وہ اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں اگر چہ ان پر فائدہ ہو۔ اور جو اپنے نفس کی لالچ سے بچایہ جائے پس وہی لوگ کامیاب ہیں۔“

یقینی طور پر یہ ایک سفارش ہے اور ایک عام شخص پر لازمی فریضہ نہیں۔ اگر کوئی اس پر عمل نہ کرے تو وہ مجرم یا گنہگار نہیں ہوگا۔ اسی سفارش کے تناظر میں ہم داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور قول کا حوالہ دے سکتے ہیں۔ ”تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو دوسروں کے ساتھ بھلائی کرتا ہے۔“

112 قرآنی ہدایت و حکم کو دین اسلام کی ممتاز و منفرد خوبی سمجھنا چاہیے۔ ارشاد و رب العزت ہے کہ:

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿١١﴾

(سورۃ الضحیٰ، آیت: 11)

**ترجمہ** ”اور ہر حال میں اپنے رب کے احسان (نعمت) کا ذکر کیا کرو۔“

ترمذی نے معلم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ بیان کی ہے جو اس کی متاثر کن انداز میں وضاحت کرتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”رب العالمین اپنی مخلوق پر اپنی عطیہ و



عنایت کی جھلک و چمک دیکھنا پسند فرماتا ہے۔ ”ایسا ہوا کہ مرد اور الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ سب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ملاقات کے لئے آئے تو انہوں نے گھٹیا اور کم قیمت پوشاک زیب تن کی ہوئی تھی حالانکہ وہ ایک امیر فرو تھے۔ جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے جواباً کہا کہ اس نے ایک مصیبت زدہ نظر آنے کو ترجیح دی۔ اس نے ایسا کنبوی کی وجہ سے نہیں کیا بلکہ نیکی کی وجہ سے کیونکہ وہ ایک ضرورت مند کو اپنی ذات پر فوقیت دیتا ہے۔ ہادی عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اس عمل کی توثیق نہیں کی بلکہ ذاتی قربانی کی ایک حد مقرر کرتے ہوئے حکم دیا کہ ”جب رب العزت نے تمہیں وسائل دیئے ہیں تو اس کی عطا و عنایت کے آثار تم پر نمایاں طور پر نظر آنا چاہئیں۔“ (ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ) قرآن حکیم مزید ہدایت و حکم دیتے ہوئے کہتا ہے کہ:

وَلَا تَنْفَسْ أَنْفِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا

(سورۃ القصص، آیت 77 درمیانی حصہ)

**ترجمہ** ”اور اپنا حصہ دنیا میں سے نہ بھول۔“

اسلام اس بات کی قسمی اجازت نہیں دیتا کہ کوم نہ کرو اور روزی نہ کھاؤ اور یوں دوسروں کے مال پر زندہ رہو بلکہ اس کے برعکس ہر فرد کو رب قادر و قادر بر کی تمام مخلوقات سے اپنی لیاقت و المیت استعمال کرتے ہوئے جائز فائدہ و مفاد ضرور حاصل کرنا چاہیے اور وہ جس قدر ممکن ہو سکے حاصل کرے تاہم جو اس کی ضروریات سے زائد ہو اس سے ضرورت و حاجت مندوں کی مدد کرے۔ داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شک و شبہ کے بغیر واضح طور پر فرمایا کہ ”یہ بہتر ہے کہ تم اپنے پیچھے اپنے رشتہ داروں کو خوشحال چھوڑ جاؤ۔ بجائے اس کے کہ وہ دوسروں سے خیرات مانگ کر احسان مند ہوں۔“ روزانہ کی بھاری عبادات کے باوجود اسلام نفس کشی یا رضا کارانہ تکلیف و نمود ساختہ پریشانی کا تقاضا نہیں کرتا۔ اس کے برعکس قرآن مجید فرقان میدان ان لوگوں کی ملامت کرتا ہے جو ایسا رویہ و طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ ارشاد رب العزت ہے کہ:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الْمَرْقِيِّ قُلْ  
هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۗ كَذَلِكَ  
لُفِّصَ الْأَيُّ بِالْقَوْلِ يُعْلَمُونَ ۝

(سورۃ الاحزاب، آیت: 32)

**ترجمہ** ”کہہ دو (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کی زیارت و کس نے حرام کیا ہے جو

اس نے اپنے بندوں کے واسطے پیدا کی ہے اور کس نے کھانے کی صف و تھری چیزیں (حرام کیں) کہہ دو (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) دنیا کی زندگی میں یہ نعمتیں اصل میں ایمان والوں کے لئے ہیں۔ قیامت کے روز خالص انہی کے لئے ہو جائیں گی اسی طرح

ہم آیات مفصل بیان کرتے ہیں ان کے لئے جو سمجھتے ہیں۔“

جو نعمتیں رب العالمین کے قانون کے مطابق انسان کے استعمال اور مفاد کے لئے جائز قرار دی گئی ہیں ان سے رضا کارانہ و خود ساختہ انکاریکی کا عمل نہیں۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے ان چیزوں کا استعمال نیکی نہیں جو ممنوع قرار دی گئی ہیں۔

## اللہ پر ایمان:

﴿113﴾ انسان ہمیشہ اپنے خالق کی تلاش میں رہا ہے تاکہ اس کی اطاعت کر سکے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ہر دور کے بہترین مذہبی پیشواؤں نے چند اصول عمل متعین کیے ہیں۔ ازمہ قدیم و عہد رفتہ کے لوگ خدا کی طاقت و قوت اور الطاف و کرم کے مظاہرہ کی پرستش کرتے تھے تاکہ خدا کو خوش کر سکیں۔ کچھ دوسرے دو مختلف خداؤں پر یقین رکھتے تھے ایک خوراک کا خدا جبکہ دوسرا بڑائی کا خدا۔ تاہم وہ اس امر کو نظر انداز کرتے تھے کہ اس قسم کی درجہ بندی کا منطقی نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ خداؤں کے مابین خانہ جمنی ہو سکتی ہے۔ کچھ اور لوگ خدا کو بڑا سرایت کے لبادہ میں ڈھانپ لیتے تھے جس سے بعض اوقات خدا کی ذات سرستہ راز بن جاتی تھی۔ اور کچھ ایسے افراد بھی تھے جنہوں نے اس حوالے سے علامتوں، فارمولوں یا اشاروں کی ضرورت محسوس کی۔ ایسے افراد نے مذہبی تصورات کو بت پرستی یا شرک سے بمشکل ہی متفرق قرار دیا جاسکتا ہے۔

﴿114﴾ اس میدان میں اسلام اپنی انفرادیت اور مخصوص شناخت رکھتا ہے۔ اسلام خدا کی مطلق وحدانیت پر یقین رکھتا ہے اور ایک ایسی عبادت و پرستش (نماز) کی صورت تجویز کرتا ہے کہ جو نہ تو کسی مجسمہ و تصویر کو قبول کرتی ہے اور نہ ہی علامات و ارشادات پر یقین رکھتی ہے کیونکہ اسلام انہیں فرسودہ و دقیا نوسی نظام اور بت پرستی کی باقیات سمجھتا ہے۔ اسلام میں خدا نہ صرف مآورائے ادراک اور غیر مادی ہے بلکہ وہ ہر جگہ موجود اور قادر مطلق ہے۔ قرآن پاک واضح طور پر اعلان کرتا ہے کہ:

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُدَبِّرُ الْأُمُورَ ۚ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ يَخْتَارُ ۚ لَا يُدْرِكُهُ الْبَصَرُ ۚ هُوَ الْغَنِيُّ ۚ هُوَ الْغَنِيُّ ۚ ۝

(سورۃ الانعام، آیت: 103)

**ترجمہ** ”اے آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور وہ آنکھوں کو دیکھ سکتا ہے اور وہ نہایت باریک بین خبردار ہے۔“

اسی طرح:

وَقَدْ خَضِرْنَا مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ۝

(سورۃ ق، آیت: 16 آخری حصہ)

**ترجمہ** ”اور ہم اس (انسان) سے اس کی شرگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔“

مزید یہ کہ:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّابِقِ وَمَا فِي الْأَخِيرِ ۚ مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى  
ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُمْ أَوْ اِثْنَانِ ۚ وَالْاِثْنَانِ إِلَّا هُوَ سَادُّنُهُمْ وَلَا أَذْنَىٰ مِنْ ذَلِكَ  
وَلَا أَكْثَرُ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ثُمَّ يَنبِئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَمَةِ  
إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٧﴾

(سورۃ الحجۃ، آیت: 7)

**ترجمہ** ”کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں و زمین میں ہے  
(یہاں تک) کہ جو کوئی مشورہ تین آدمیوں میں ہوتا ہے تو وہ (اللہ) چوتھہ ہوتا ہے اور جو  
(مشورہ) پانچ میں ہوتا ہے تو وہ (اللہ) چھٹا ہوتا ہے اور خواہ اس سے کم کی سرکشی ہو یا  
زیادہ کی گمراہی ہر جگہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ پھر انہیں قیامت کے دن بتائے گا کہ وہ کیا  
کرتے تھے۔ بے شک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔“

انسان اور خالق کے درمیان تعلق اور رابطہ بلا واسطہ اور ذاتی ہے جسے کسی ورمیانی دہیلے اور رابطہ کار کی ضرورت  
نہیں۔ حتیٰ کہ اولیاء و انبیاء بھی محض رہبر و رہنما اور پیغام و پیہم ہیں اور یہ بات ہر انسان کی مرضی و مشاء پر چھوڑ  
دی گئی ہے کہ وہ اپنا انتخاب (صحیح یا غلط راستے کا) خود کرے اور وہ خدا کے رُہرو بلا واسطہ جوابدہ ہے۔

**115** یہ امر واضح ہے کہ اسلام فرد کی شخصیت کی تشکیل و ترقی چاہتا ہے۔ اسلام اس بات کو قبول کرتا ہے  
کہ انسان میں خامیاں اور کمزوریاں ہیں کیونکہ اسے بیک وقت اچھائی اور بُرائی کی صلاحیتوں کے ساتھ تشکیل دیا  
گیا ہے تاہم اسلام یہ نہیں مانتا کہ انسان میں فطری و قدرتی طور پر گناہ کا عنصر ہوتا ہے کیونکہ یہ تو پھر نا انصافی  
ہوئی۔ اگر حضرت آدم علیہ السلام نے خطا کی تھی تو اس کی ذمہ داری آنے والی نسلوں پر نہیں ڈالی جاسکتی۔ ہر شخص  
صرف اور صرف اپنے فعل و عمل کا ذمہ دار اور جوابدہ ہے۔

**116** اپنی خامی و کمزوری کی وجہ سے انسان اپنے رب کے خلاف یا دوسرے انسانوں کے خلاف جرائم کا  
ارتکاب کر سکتا ہے۔ اصولی طور پر ہر جرم کی اس کے تہ سب کے مطابق سزا ہے تاہم اسلام معافی کے امکان کو  
تسلیم کرتا ہے۔ معافی، توبہ و پچھتوے اور توبہ و ان تلافی پر دی جاسکتی ہے۔ جہاں تک انسانوں کے خلاف جرائم کا  
تعلق ہے ان میں ممکن حد تک ترمیم و تصحیح کی جانی چاہیے تاکہ متاثرہ شخص یا تو رحمہ اللہ سے معافی دے دے یا اسے  
وہ چیز دے دی جائے جو اس سے جھینسی گئی ہے یا اس کا متبادل دے دیا جائے یا اسی طرح کا کوئی اور طریقہ اختیار کیا  
جائے۔ جہاں تک خدا کے خلاف جرائم کا تعلق ہے تو انسان یا تو مناسب و موزوں مزا پا سکتا ہے یا رب رحمن و  
رحیم اسے اپنی رحمت و عنایت سے معاف کر سکتا ہے۔ اسلام اس بات کو نہیں مانتا کہ خدا کو پہلے چند موصوم افراد کو  
سزا دینے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ بعد میں وہ پچھتاوا کرنے والے گنہگاروں کو وحاف کر سکے۔ اس طرح خدا کی

جانب سے یہ بالواسطہ ان انصافی کے زمرے میں آئے گی۔

## معاشرہ:

117) اسلام جہاں انسان میں انفرادی ترقی کا آرزو مند ہے وہاں معاشرتی اجتماعیت بھی چاہتا ہے۔ یہ بات اسلام کے تمام احکامات (چاہے وہ مذہبی و روحانی ہوں یا دنیاوی و دنیوی ہوں) میں دیکھی جاسکتی ہے۔ چنانچہ نماز اصولی طور پر اجتماعی عبادت ہے۔ ضرورت کے تحت روزانہ کی نماز چھ گناں میں استثنا ہے مگر ہفتہ وار اور سالانہ نمازوں میں اجتماعیت ضروری ہے۔ حج ایک اور واضح اور روشن مثال ہے کیونکہ اس میں مسلمان دنیا کے تمام علاقوں سے آکر ایک ہی مقام پر جمع ہوتے ہیں۔ روزہ میں اجتماعیت کو پہلا اس حقیقت میں نمایاں ہے کہ تمام دنیا میں اہل ایمان ایک ہی مہینہ میں روزے رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کے لئے ایک خلیفہ کی ضرورت، زکوٰۃ کی ادائیگی کا فریضہ (جو کہ ضرورت مندوں کی اجتماعی ضروریات پورا کرنے کی غرض سے لگایا گیا ایک ٹیکس ہے) وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام باتیں یک ہی مقصد کی تصدیق و توثیق کرتی ہیں۔ یہ حقیقت ظہر من الشمس ہے کہ اجتماعیت یا معاشرت میں ایسی قوت و طاقت ہوتی ہے کہ جسے کوئی بھی شخص انفرادی طور پر حاصل نہیں کر سکتا۔

118) رب قادر و قدیر نے مختلف افراد کو مختلف صلاحیتوں اور خوبیوں سے نوازا ہے۔ اس کی وجہ رب العالمین ہی بہتر جانتا ہے۔ ایک ہی والدین کے دو بچے، ایک ہی استاد کے دو شاگرد ہمیشہ ایک جیسی خوبیوں اور صلاحیتوں کے حامل نہیں ہوتے۔ تمام علاقوں کی زمین ایک جیسی زرخیز نہیں۔ اسی طرح موسم بھی مختلف مقامات پر مختلف ہوتے ہیں۔ ہر وجود اور ہر وجود کا ہر حصہ اپنی انفرادی خصوصیات رکھتا ہے۔ اس قدرتی عمل کی بنیاد پر اسلام ایک طرف تو بنیادی و فطری مساوات کا دعویٰ کرتا ہے جبکہ دوسری طرف افراد کی ایک دوسرے پر برتری کا بھی اعلان کرتا ہے۔ تمام مخلوق کی خالق ایک ہی ذات پاک ہے اور یہ مادی برتری نہیں جو رب ذوالجلال کی خوش و خوشنودی کے حصول کا باعث بنتی ہے بلکہ صرف نیکی و تقویٰ ہی کسی فرد کی عظمت کا واحد معیار ہے۔ بہر حال یہ دنیاوی زندگی عارضی اور چند روزہ ہے۔ چنانچہ انسان اور حیوان کے رویہ میں لازماً فرق ہونا چاہیے۔

## قومیت:

119) مقام پیدائش اور مشترک خاندان و خون کی بنیاد پر اتحاد کے عنصر کو اسلام مسترد کرتا ہے۔ اپنے خاندان یا مقام پیدائش سے لگاؤ اور وابستگی بلا شک و شبہ ایک فطری و قدرتی امر ہے تاہم نسل انسانی کے مفاد کا تقاضا یہی ہے کہ دوسرے گروہوں اور گروپوں کے ساتھ قدرے رواداری کا مظاہرہ کیا جائے۔ دنیا کے مختلف حصوں میں قدرتی وسائل و دولت کی مختلف مقدار میں تقسیم نے لوگوں کو ایک دوسرے پر انحصار کرنا سکھایا ہے

چند نچہ ہر کوئی ”جیواور جینے“ کی پالیسی پر لازماً عمل پیرا ہونے پر مجبور ہے۔ ورنہ خاندانوں میں مرنے والی جنگوں کے لاقتناہی سلسلے نے سب کچھ تہ و تبر باز کر دیا ہوتا اور زبان، نسل، رنگ یا مقام پیدائش کی بنیاد پر قائم قدیم ترین قومیت میں بھی اس قدر ہلاکت خیزی اور پھر ایسا قحط کہ انسان کے پاس کوئی دوسرا انتخاب ہی نہ رہتا۔ اسلامی نظریہ حیات ترقی پسندانہ ہے اور صرف فرد کے انتخاب کی بنیاد پر قائم ہے کیونکہ یہ نسل، زبان یا مقام پیدائش و رہائش کے امتیاز کے بغیر ان سب افراد کے اتحاد و اتفاق کو تجویز کرتا ہے جو ایک ہی نظریاتی نظام پر یقین رکھتے ہیں۔ چونکہ اس نظام میں دوسروں کا قلع قمع نہ کرنا یا انہیں مغلوب و زیر نگین کرنا خارج از امکان ہے اس لئے اس میں دوسروں کو اپنے اندر جذب و قبول کرنے اور سمونے کی قانونی گنجائش ہے۔ اور ایسے جذب و قبول کے لئے کون سا ذریعہ بہتر ہوگا اگر ایک ہی نظریاتی نظام پر یقین نہ کیا جائے؟ اس بات کا اعادہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی نظریہ قیامت نظام جسم اور روح دونوں کی ضروریات کا مرقع و مجموعہ ہے۔ مزید یہ کہ یہ رواداری کا قائل ہے۔ اسلام اعلان کرتا ہے کہ رب قادر و قدیر نے مختلف ادوار میں مختلف اقوام میں اپنے پیغمبر بھیجے۔ اسلام دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا کام محض رب ذوالجلال کے اُزلی و اُبدی پیغام کی تجدید و احیاء ہے اور یہ کام تسلسل و تواتر کے ساتھ پیغمبروں سے لیا جاتا رہا ہے۔ اسلام مذہبی اعتقادات کے حوالے سے ہمہ قسم کے زبرد و جبر اور زیادتی و زبردستی کو سختی سے منع کرتا ہے۔ یہ حقیقت چاہے کس قدر ہی ناقابل یقین محسوس ہو لیکن یہ ٹھوس سچائی ہے کہ اسلام اپنی اسلامی ریاست کی سر زمین میں رہائش پذیر غیر مسلموں کو خود مختاری دینا اپنی مذہبی و اعتقادی ذمہ داری سمجھتا ہے۔ قرآن، حدیث اور ہر دور کی روایت اس امر کا تقاضا کرتے ہیں کہ غیر مسلموں کے اپنے قوانین و ضوابط ہونے چاہئیں جنہیں ان کے اپنے بنیوں کے اپنے ٹریبونز کے ذریعے لاگو کیا جائے اور یہ کہ ان میں مسلمان ارباب اختیار و اقتدار کی کوئی مداخلت نہ ہو۔ جو ہے یہ مذہبی معاملات ہوں یا سماجی و معاشرتی روایت ہوں۔

## معاشی نقطہ نظر:

﴿120﴾ معاشیات کی سماجی و معاشرتی اہمیت مسلم ہے۔ قرآن یہ اعلان کرتے ہوئے قطعی مبالغہ نہیں کرتا کہ مادی اشیاء انسانیت کی ہوائ کے ذرائع تحلیل کرتی ہیں۔ ارشادِ ربّ علیم و مجید ہے کہ:

وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُهَاۗءَ اَمْوَٰلِکُمْ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَکُمْ قِیَٰۤاۗءَ اٰمَآرًا فَوُحْشٌ فِیْہَا  
وَ اَسْنُوْهُمۡ وَ قُوْلُوْا اِنَّہُمْ قَوْلًا فَعُرُوْۤقًا ۝۱

(سورۃ النساء، آیت: 5)

**ترجمہ** ”وہ اپنے دو مال جنہیں اللہ نے تمہاری زندگی کے قیام (ہذا) کا ذریعہ بنایا ہے  
نا سمجھوں کے حوالے نہ کرو لبتہ نہیں ان مالوں سے کھلاتے اور پہناتے رہو اور انہیں  
نصیحت کی بات کہتے رہو۔“

اگر ہر فرد محض اپنی ذات کے مفاد کے لئے سوچے اور کسی بھی دوسرے شخص کے مفاد کے لئے فکر کرنے کے لئے تیار نہ ہو تو معاشرہ خطرات و خطرات میں گھر جائے گا۔ اس کی سادہ سی وجہ یہ ہے کہ امراء ہمیشہ قلیل تعداد میں رہے ہیں جبکہ غرباء اُن گنت اور بے شمار ہوتے ہیں۔ اس طرح وجود کے بقاء کی جنگ اور جدوجہد میں فاقہ زدہ غرباء کی اکثریت بالآخر امراء کی اقلیت کو نیست و نابود کر دے گی۔ ایک شخص مفلوک الحالی، غربت اور افلاس تو برداشت کر سکتا ہے مگر فاقہ نشی برداشت نہیں کر سکتا۔ اس موضوع پر اسلامی نقطہ نظر بڑا واضح اور مشہور و معروف ہے۔ اسلام قومی دوست کی مستقل تقسیم و تقسیم اور گردش پر زور دیتا ہے چنانچہ غریبوں کو ٹیکس سے مستثنیٰ کر دیا جاتا ہے جبکہ امراء اس لئے ٹیکس ادا کرتے ہیں تاکہ ضرورت و حاجت مندوں کی امداد و اعانت کی جاسکے۔ مزید یہ کہ ایسے قوانین موجود ہیں جو ترکہ کی تقسیم کو فریضہ قرار دیتے ہیں اور چند باتھوں میں دولت کے ارتکاز کو ممنوع ٹھہرانے کے ساتھ ساتھ ورثہ و ترکہ کو قرابتی رشتہ داروں کی جانب سے ضرر پہنچانے سے منع کرتے ہیں۔ ایسے قوانین بھی ہیں جو ریاست، سلطنت کی آمدنی و محصولات کی مستحقین میں فائدہ مند تقسیم کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ ان مستحقین میں غرباء، سرفہرست ہیں۔ اگر اس اصول کو مد نظر رکھا جائے تو یہ علاقوں، زمانوں اور حالات کے مطابق ذرائع اور طریقہ ہائے کار کے اختلاف کی گوارا کرتا ہے۔ آزادانہ تجارت و کاروبار کے مقابلہ کو بھی گوارا کیا جاسکتا ہے اگر یہ تاہن استحصال کے ذریعے بگڑا اور خرابی پیدا نہ کرے اور ان افراد کی تباہی کا باعث نہ بنے جو معاشی طور پر کمزور ہیں۔ اجتماعی منصوبہ بندی بھی اسی طرح گوارا کی جاسکتی ہے اگر حالات یا معاشی ارتقاء لحاظ خصائص آبادی کے باعث ایسا کرنا ضروری دکھائی دے تاہم کسی بھی صورت حال میں مال و متاع اور توانائی کے ضیاع و زیاں سے اجتناب کیا جائے اور ایسے ذرائع اور طریقہ ہائے کار اختیار کیے جائیں کہ جو صحیحہ موجودگی ضروریات کے لئے بہتر، موزوں اور فائدہ مند ہوں۔

## آزادی اختیار اور تقدیر:

﴿121﴾ جہاں تک انسان کی آزادی اختیار کے فلسفیانہ سوال کا تعلق ہے تو یہ ابدی و دائمی مخصوصہ کبھی بھی منطق کے ذریعے س نہیں ہو سکتا۔ اگر انسان اپنے تمام اعمال و افعال کے حوالے سے آزادی اختیار رکھتا ہے تو پھر رب العالمین کے قادر مطلق ہونے پر اور اس کی قدرت کاملہ پر اثر پڑتا ہے۔ اسی طرح اگر رب قادر و قدیر انسان کی تقدیر کا مالک و خالق ہے تو پھر انسان کو اس کے اعمال کا ذمہ دار کیوں ٹھہرایا جاتا ہے؟ معلوم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ عظام رضی اللہ عنہم کو ہدایت و نصیحت کی کہ وہ اس موضوع (تقدیر) کے حوالے سے مباحث میں اپنے آپ کو نہ الجھائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”سپ سے پہلے کے لوگوں (اقوام) کو اس بحث نے راستہ سے بھٹکا دیا تھا۔“ (بخاری ابن فضال رحمۃ اللہ علیہ، ترمذی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ) سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دوسروں کو علیحدہ علیحدہ کر دیا ہے ①

رب العالمین کا قادر مطلق ہونا ② انسان کی ذمہ داری اور فرائض کی ادائیگی ..... اور اصل محبت میں کوئی مضائقہ نہیں ہوتی اور مسلمان اپنے خالق سے محبت کرتا ہے۔ وہ یہ بھی نہیں مان سکتا کہ رب ذوالجلال کی صفات میں کوئی نقصان ہو سکتا ہے (معاذ اللہ)۔ رب تعالیٰ نہ صرف حکیم و علیم اور قوی و قادر ہے بلکہ عادل و مقسط اور رؤف و رحیم بھی ہے۔ اسلام روحانی معاملات کو دنیاوی انسانہ فی معاملات سے یکسر جدا کرتا ہے۔ روحانیت کا تعلق رب تعالیٰ کی صفات سے ہے۔ اسلام اپنے پیروکاروں اور مساحان ایمان کو منزه اعمال و پاکیزہ افعال کی ہدایت و نصیحت کرتا ہے اور چونکہ رب تعالیٰ کی قدرت انسان سے خفیہ و پوشیدہ رہے گی اس لئے انسان پر لازم ہے کہ وہ ابتدائی ناکامی پر غم زد و افسردہ نہ ہو بلکہ اس وقت تک کوشش و کاوش اور جدوجہد کرتا رہے جب تک یا تو وہ اپنا مقصد حاصل نہیں کر لیتا یا پھر اس کے مقصد کا حصول قطعی ممکن اور خالصتاً قابل حصول نہیں ہو جاتا۔ تقدیر کا اسلامی تصور انسان کی ناکامی کی صورت میں اس کی تسلی و تسفی و دلجوئی کرتا ہے کیونکہ اس کے مطابق یہ رب تو در تقدیر کی مرضی و مشائت ہی اور یہ کہ اخروی نجات کے مقابلے میں دنیاوی کامیابی یا ناکامی کی کوئی حیثیت و اہمیت نہیں۔ دراصل قادر مطلق، انسان کو اس کے اردے و نیت اور کوشش و کاوش کی بنیاد پر پرکھتا ہے۔ دنیاوی کامیابی اور دنیاوی مقاصد کے حصول کی بنیاد پر نہیں پرکھتا۔

﴿122﴾ یہی دو حقیقت و سچائی ہے جو رب علیم و خبیر نے اپنے پیغمبروں پر ہمیشہ وحی کی ہے۔ قرآن الحکیم میں ارشاد رب العزت ہے کہ:

أَمْ لَمْ يَنْهَإِ يَاسَىٰ صُحُفٍ مُّوسَىٰ ۖ وَإِبْرَاهِيمَ إِذْ يَدْعُو ۖ وَلَا تَرْجُوا  
 ذُرِّيَّتَهُمْ وَأُخْرَىٰ ۖ وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ۖ وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ  
 يُرَىٰ ۖ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوَّلَىٰ ۖ وَأَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُسْتَهْجَىٰ ۖ  
 (سورۃ النجم، آیات: 36-42)

**ترجمہ** ”کیا اسے ان (باتوں) کی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کے جس نے (اپنا عہد) پورا کیا۔ وہ یہ کہ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جو وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ اس کی کوشش جلد دیکھی جائے گی۔ پھر اسے پورا بدلہ دیا جائے گا اور یہ کہ سب کو آپ کے رب ہی کی طرف پہنچنا ہے۔“

اگر انسان اپنے تمام جرائم و کرائم کا ذمہ دار اپنے آپ کو نہیں سمجھتا بلکہ اسے قوی و قادر رب مطلق کی طرف سے تقدیر و مقدر کے طور پر خیال کرتا ہے تو اسے اپنے اعمال و افعال حسنة کے حوالے سے انعام و اکرام اور اجر و ثواب کا مطالبہ و دعویٰ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس کے یہ اعمال و افعال حسنة بھی تو قدر مطلق کی طرف سے مفرد کیے گئے تھے چنانچہ یہ بلا راہ اور اس کی اپنی مرضی و مشاء سے نہیں ہوئے تھے بلکہ مکینہ کل و مشینی انداز سے اس سے کرائے گئے تھے۔ مختصر یہ کہ چونکہ اسلام آزادی اختیار اور تقدیر کو مکمل طور پر جداگانہ انداز میں دیکھتا ہے اس لئے

اس کے لئے یہ مشکل امر نہیں ہے کہ وہ انسان کے فرائض (کوشش و کوشش، احساس ذمہ داری) اور رب قادر و قدیر کے حقوق کو (اس کی تمام تر صفات کے ساتھ کہ جس میں اس کی تقدیر و مقدر لکھنے کی طاقت و صفت بھی شامل ہے) ایک ساتھ تسلیم کرے۔

﴿123﴾ رب قادر و قدیر کی جانب سے تقدیر لکھنے کی اسلام میں ایک اور اہمیت بھی ہے۔ یہ کہ رب مطلق ہی واحد ذات ہے جو کسی انسانی فعل و عمل کو نیکی یا بُرائی کا درجہ دیتی ہے۔ یہ رب العالمین ہی ہے جو تمام تر قوانین کا منبع و ماخذ ہے۔ یہ خدائی احکامات ہی ہیں جو ہمیں ہر حال میں اور ہر موقع پر بجالانا ہیں۔ رب علیم (خبریں ہم تک اپنے احکامات اپنے منتخب پیغمبروں کے ذریعے پہنچائے ہیں۔ دانی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ان پیغمبروں میں آخری پیغمبر ہیں اور یہ بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ واحد پیغمبر ہیں کہ جن کی تعلیمات مکمل طور پر محفوظ و مامون ہیں۔ ہمارے پاس قدیم پیغامات الہی اصل حالت میں موجود نہیں ہیں کیونکہ انہیں انسانی معاشرہ میں ہونے والی ناخوشگوار مہلک جنگوں میں نقصان پہنچا ہے۔ قرآن مجید فرقان حمید نہ صرف محفوظ ترین کام الہی ہے بلکہ یہ رب قادر و قدیر کے تازہ ترین احکامات و پیغامات کا مجموعہ ہے۔ یہ ایک عام سی حقیقت ہے کہ ایک ہی قانون ساز کا تازہ ترین قانون مابقیہ تمام قوانین کو منسوخ کر دیتا ہے۔

﴿124﴾ آئیے نتیجہ کے طور پر اسلامی زندگی کے ایک اور وصف کا حوالہ دیتے ہیں۔ ایک مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ دنیوی و روحانی معاملات میں انفرادی و جماعتی طور پر اپنی حیات پائیدار و مستعار کے روزمرہ کے تمام تر رویوں میں احکامات خداوندی پر عمل پیرا ہو۔ اس کا یہ بھی فرائض ہے کہ وہ نئی نوع انسان کی بھلائی اور فلاح و اصلاح کی خاطر اترنے والے احکامات الہی کی تبلیغ و اشاعت میں حتی الوسع اور مقدر و بھر کوشش و کوشش کرے اور اسلامی نظریہ حیات کو پھیلانے میں اپنا بھرپور کردار ادا کرے۔

﴿125﴾ اسلام جیسا کہ مکتب و مذہب انسان کی روحانی و دنیاوی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے اور یوں ایک شخص آخرت کی تیاری کی خاطر اس فانی دنیا میں لمحاتِ مستعار گزارتا ہے۔





## ایمان اور عقیدہ

﴿126﴾ انسان بہت سی اقسام کی اشیاء پر یقین دیکھتا ہے جن میں سچ اور اس سے متعلقہ اشیاء، قوتہات ورحمتی سے بعض اوقات ایسی چیزیں بھی شامل ہوتی ہیں جن کی بنیاد غلط فہمیوں پر استوار ہوتی ہے۔ دوسرے عناصر کے علاوہ عمر اور تجربے کے ساتھ ساتھ انسان کے ایمان و یقین میں بھی تبدیلی آ سکتی ہے لیکن کچھ مشترک نکات ایسے ہوتے ہیں جن پر پورا ایک گروہ یقین رکھتا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے اہم نکتہ انسان کا اپنے وجود سے متعلق تصور ہے۔ وہ کہاں سے آیا؟ وہ کہاں جاتا ہے؟ اسے کس نے پیدا کیا؟ اس کے وجود کا مقصد و مطلب کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ علم مابعد طبعیات و الہیات انسانی ذہن کے لئے حیرت و اذیت کا باعث بننے والے ان سوالوں کا جواب دینے کی کوشش کرتا ہے لیکن یہ ایک ایسے مذہب کا صرف ایک حصہ ہے جو کہ زیادہ بامع و مفصل ہے اور اس طرح کے تمام سوالوں کا جواب دیتا ہے۔ مذہب ہی وہ سائنس ہے جو اس طرح کے سوالوں کا جواب دیتی ہے۔ یقین و اعتقاد خالصتاً ذاتی معاملات ہوتے ہیں۔ پھر بھی اس معاملے میں تاریخ نسل انسانی برادر نشی کے عمل سے پیدا ہونے والی دہشت و وحشت سے جانی پہچانی جاتی ہے کہ جس پر فرخوار و درندے بھی شرمندہ ہوتے ہوں گے۔ اس معاملے میں قرآن پاک کی یہ آیت اسلام کے بنیادی اصول پر بخوبی روشنی ڈالتی ہے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الَّذِي قَدْ تَجَبَّيْنَا الرُّشْدَ مِنْ لَدُنْهِ فَنَحْنُ بِالْظَّالِمِينَ وَيُؤْمِنُ  
بِاللَّهِ فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ سَبِيحٌ عَلَيْهِمُ  
(سورۃ البقرہ، آیت: 256)

**ترجمہ** ”دین کے معاملہ میں زبردستی نہیں ہے۔ بے شک ہدایت یقیناً مگر اسی سے ممتاز ہو چکی ہے۔ پھر جو شخص شیطان کو نہ مانے اور اللہ پر ایمان لائے تو اس نے مضبوط حلقہ پکڑ لیا جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔“

دوسروں کو ہدایت دینے اور اپنے ساتھیوں کو کسی چیز پر ایمان لانے کی زور و زبردستی کے بغیر جہالت و تاریکی سے دور سیدھے و سچے راستے کی طرف لے جانے والے رہیے، اسلام میں مدد اور قربانی کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔

﴿127﴾ انسانی علم و فہم اور قابیلیت و صلاحیت ارتقاء کے مسلسل عمل سے گزرتے رہتے ہیں۔ گیلن (Galen) کو طبی و ریاضیاتی علم یونیکلڈ (Euclid) کا علم آج کل کے میٹرک کے امتحان کے لئے بھی بمشکل

کافی ہوتا ہے جامعہ کے طالب علموں کے لئے اس سے زیادہ علم کی ضرورت ہوتی ہے۔ قدیم انسان شاید مذہبی عقائد کے شعبے میں اس خدائے بزرگ و برتر اور قادر مطلق بارے سے سوچتا رہتا تھا کہ جس کی عبادت و پرستش کے لئے نہ ہی اشارات و علامات اور نہ ہی مادی مظاہر و اشیاء کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہاں تک کہ قدیم انسانی زبان بھی اس رب قادر و قدیر کے عظیم نظریات کو ان اصطلاحات کے سہارے کے بغیر اپنے الفاظ میں بیان کرنے سے قاصر تھی جو کہ رب قادر و قدیر کے پیغامات و نظریات کی صحیح طور پر تشریح کے لئے موزوں نہیں ہوں گی۔

128 اسلام اس حقیقت پر بہت زور دیتا ہے کہ انسان کو ایک ساتھ دو عناصر سے تشکیل دیا گیا ہے جن میں جسم اور روح شامل ہیں اور یہ کہ انسان کو ان میں سے صرف کسی ایک کے فائدے کے لئے دوسرے کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ کسی انسان کا اپنی ذات کو صرف روحانی ضروریات کے لئے وقف کر دینا فرشتہ بننے کی آرزو و تمنا کرنے کے مترادف ہو گا۔ (جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے علاوہ فرشتوں کو بھی تخلیق کیا ہے) کسی انسان کا اپنی ذات کو صرف مادی ضروریات کے لئے وقف کر دینا اگر شیطان بننے کے مترادف نہیں بھی ہو گا تو جانور (حیوانات) یا پود (نباتات) بننے کے مترادف تو ضروری ہو گا!! (جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کے لئے انسانوں کے علاوہ دوسری اشیاء بھی تخلیق کی ہیں) اگر انسان اپنے جسم اور اپنی روح کی ضروریات دونوں میں بہتر طور پر ہم آہنگ توازن پیدا نہیں کرتا تو انسان کو دھڑی سادھیت و قابلیت کے ساتھ تخلیق کرنے کا مقصد نامکمل ہی رہے گا۔

129 مسلمان داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے مذہب پر یقین و ایمان رکھتے ہیں۔ ایک دن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کے جواب میں کہ ایمان کیا ہے فرمایا کہ ”تمہارا ایک خدا پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی بھیجی ہوئی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر (جس دن تمام انسانوں کو زندہ کیا جائے گا اور ان کے اعمال کا حساب ہو گا) اور مالک روز جزا کی طرف سے اچھائی اور بُرائی کے تعین پر ایمان لانا۔“ اسی موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح کیا کہ خدائی بندگی کے لئے عملی عبادت کو کیا اہمیت حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کا بہترین طریقہ کیا ہے۔ یہ وہ نکات ہیں کہ جن کے بارے میں اگلے دو ابواب میں بیان کیا جائے گا۔

## اللہ تعالیٰ جل شانہ:

130 کنار و فہدین، مشرکین اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں ان کے اور مسلمانوں کے درمیان کوئی قدر مشترک نہیں ہے۔ ایک خدا کے لئے عربی زبان میں اللہ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جو کل کائنات کا خالق و مالک ہے۔

131 سادہ ترین، قدیم ترین اور غیر مبہد انسان بھی بہت اچھی طرح جانتا ہے کہ کوئی بھی شخص اپنے آپ کو خود تخلیق نہیں کر سکتا۔ ہم سب کا اور تمام کائنات کا کوئی نہ کوئی خالق ضرور ہو گا۔ کفر و الحاد اور ابدیت پرستی

انسان کی منطقی ضروریات کو پورا نہیں کرتی۔

132 اگر شرک پر یقین مختلف خداؤں کے مابین خانہ جنگی کا باعث نہ بھی بنے تو اس کے نتیجے میں خداؤں کے مابین اختیارات کی تقسیم کا مسئلہ ضرور پیدا ہوگا۔ کوئی بھی شخص آسانی سے یہ دیکھ اور پرکھ سکتا ہے کہ کائنات میں موجود تمام چیزیں ایک دوسرے پر انحصار کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر انسان کو نباتات، ہاتھوں، جانوروں اور ستاروں کی ضرورت پڑتی ہے یہاں تک کہ ان تمام چیزوں کو بھی کسی نہ کسی صورت میں ایک دوسرے کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ پس ان حالات میں خدائی اختیارات کی تقسیم ناقابل عمل بن جاتی ہے۔

133 خدا کے ساتھ بُرائی کو منسوب نہ کرنے کی اپنی قابل تعریف و تحسین تشلیش و جستجو کے باعث کچھ مفکرین اچھائی اور بُرائی کے دو مختلف خداؤں کا نظریہ رکھتے ہیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ دونوں خدا باہمی تعاون سے کام کر سکیں گے یا ان دونوں کے مابین کوئی تو زبرد جھگڑا کھڑا ہو جائے گا؟ پہلی قابل غور بات یہ ہے کہ دو خداؤں کا نظریہ غیر ضروری، فضول اور بے مقصد بن جاتا ہے اور اگر اچھائی کا خدا، بُرائی کے خدا کو تسلیم کر لیتا ہے تو وہ بُرائی کے خدا کا شریک و رفیق جرم بن جاتا ہے پس یہ چیز دو خداؤں کے مقصد کو بے اثر و بے مایہ کر دیتی ہے۔ دوسری بات جو غور کرنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ ہر شخص کو یہ ماننا پڑے گا کہ بُرائی کا خدا اکثر ہی فاحش قرار پائے گا اور اچھائی کے خدا کے مقابلے میں اس کا پڑا ہمیشہ بھاری بنی ہوگا۔ کیا اس صورت میں کسی بھی شخص کو اچھائی کے خدا کو ایک کمزور ذات کی حیثیت سے اپنے خدا تسلیم کرنا چاہیے؟ مزید یہ کہ بُرائی ایک متعلقات میں سے ہے اگر ایک شخص کے حوالے سے کوئی چیز بُری ہے تو وہی چیز دوسرے شخص کے حوالے سے اچھی ہوتی ہے اور چونکہ مکمل بُرائی کا وجود نہیں رہتا اس وجہ سے بُرائی، خدائی کے ساتھ منسوب نہیں کی جاسکتی۔ (مزید تفصیل کے لئے اسی کتاب کا پیرا گراف نمبر 155، 157، 228 ملاحظہ فرمائیے۔)

134 یہ توحید و وحدانیت ہی ہے جو خالص اور کسی قسم کی آلائش سے پاک ہے اور عقل و فہم کو مطمئن کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے بے تاہم و وہ تمام قسم کے کام سرانجام دینے کا اختیار رکھتا ہے۔ لہذا وہ اللہ تعالیٰ کا مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ صرف تمام چیزوں کا خالق ہے بلکہ مالک بھی ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین پر حکومت کرتا ہے کوئی بھی شے اس کے علم اور اس کی اجازت کے بغیر حرکت نہیں کرتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے بے حد خوب صورت اسماء ہیں جو اس کی ننانوے بنیادی صفات کے لئے مخصوص ہیں وہ خالق ہے، تمام موجودہ چیزوں کا لازمی و ناگزیر جزو ہے۔ وہ مہربان، منصف و عادل و رحیم و رؤف، حاضر و ناظر، قادر مطلق، علیم و بصیر، ہر چیز کا تعین کرنے والا ہے۔ زندگی، موت اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جانا وغیرہ سب اسی کی طرف سے ہے۔

135 اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر شخص کا خدا بارے نظریہ مختلف ہوتا ہے۔ ایک فلسفی اسے اس نظر سے نہیں دیکھتا جس نظر سے ایک عام آدمی دیکھتا ہے۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سادہ لوگوں کے جوش و جذبہ

ایمان کی تعریف کیا کرتے تھے اور اکثر اوقات ان بزرگمردوں کے ایمان کی مثال دیا کرتے تھے کہ جن کا ایمان کامل غیر متزلزل اور پُر خلوص ہوتا تھا۔ ہاتھی اور اندھے لوگوں کے گروہ کی چھوٹی سی خوب صورت کہانی بہت مشہور و معروف ہے۔ ان لوگوں نے پہلے کبھی ہاتھی کے ہارے نہیں سنا تھا اس لئے ہاتھی کی آمد پر وہ سب اس عجیب و غریب جانور کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے۔ ایک اندھے شخص نے ہاتھی کی سونڈھ پر ہاتھ رکھا۔ دوسرے نے اس کے کان پر، تیسرے نے اس کی ٹانگ پر، چوتھے نے اس کی دم پر اور پانچویں نے اس کے دانتوں وغیرہ پر ہاتھ رکھا۔ والپسی پر ہر ایک نے اپنے جذبات کا اظہار کیا اور ہاتھی کے بارے اپنے ذاتی تجربے کو اپنے انداز میں ایک دوسرے سے بیان کیا۔ جیسا کہ ”وہ ستون کی طرح“، ”پُر کی طرح“، ”پتھر جیسی کسی سخت چیز کی طرح“ یا ”نرم اور پتلی اور لمبی چیز کی طرح“ تھا۔ ہر ایک اپنی جگہ صحیح تھا۔ ہم کوئی بھی اس مکمل سچ تک رسائی حاصل نہ کر سکا جو کہ اس کے سوچنے کی صلاحیت سے باہر تھا۔ اگر ہم اس مثال میں موجود اندھے لوگوں کو ان لوگوں کی جگہ کھڑا کریں کہ جو دکھائی نہ دینے والے خدا کو تلاشتے پھر رہے ہیں تو ہم نہایت آسانی سے انفرادی تجربات کی صداقت و سچائی کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں۔ جیسا کہ ابتدائے اسلام کے کچھ صوفیائے کرام نے اپنی رائے کا اظہار کچھ اس طرح کیا کہ ”خدا کے بارے ایک سچ عام آدمی جانتا ہے۔ دوسرا سچ نو مسلم کو معلوم ہوتا ہے ایک اور سچ پیغمبران خدا کے علم میں ہوتا ہے اور آخر میں ایک سچ وہ ہوتا ہے جو خود خدا ہی جانتا ہے۔“ اس تفریح و وضاحت میں جو کہ پہلے بیان کی گئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی کہنا ہے کہ دین اسلام میں ہر طبقہ فکر کے لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کافی چلک موجود ہے اور ان میں پڑھے لکھے اور ان پڑھے، ذہین اور سادہ، ادیب و شاعر، آرتھٹ، قانون دان، صوفیائے کرام اور علمائے دین سمیت دوسرے کامل غیر متزلزل اور پُر خلوص ہوتا تھا۔ ہاتھی اور اندھے لوگوں کے گروہ کی چھوٹی سی خوب صورت کہانی بہت مشہور و معروف ہے۔ ان لوگوں نے پہلے کبھی ہاتھی کے ہارے نہیں سنا تھا اس لئے ہاتھی کی آمد پر وہ سب اس عجیب و غریب جانور کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے۔ ایک اندھے شخص نے ہاتھی کی سونڈھ پر ہاتھ رکھا۔ دوسرے نے اس کے کان پر، تیسرے نے اس کی ٹانگ پر، چوتھے نے اس کی دم پر اور پانچویں نے اس کے دانتوں وغیرہ پر ہاتھ رکھا۔ والپسی پر ہر ایک نے اپنے جذبات کا اظہار کیا اور ہاتھی کے بارے اپنے ذاتی تجربے کو اپنے انداز میں ایک دوسرے سے بیان کیا۔ جیسا کہ ”وہ ستون کی طرح“، ”پُر کی طرح“، ”پتھر جیسی کسی سخت چیز کی طرح“ یا ”نرم اور پتلی اور لمبی چیز کی طرح“ تھا۔ ہر ایک اپنی جگہ صحیح تھا۔ ہم کوئی بھی اس مکمل سچ تک رسائی حاصل نہ کر سکا جو کہ اس کے سوچنے کی صلاحیت سے باہر تھا۔ اگر ہم اس مثال میں موجود اندھے لوگوں کو ان لوگوں کی جگہ کھڑا کریں کہ جو دکھائی نہ دینے والے خدا کو تلاشتے پھر رہے ہیں تو ہم نہایت آسانی سے انفرادی تجربات کی صداقت و سچائی کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں۔ جیسا کہ ابتدائے اسلام کے کچھ صوفیائے کرام نے اپنی رائے کا اظہار کچھ اس طرح کیا کہ ”خدا کے بارے ایک سچ عام آدمی جانتا ہے۔ دوسرا سچ نو مسلم کو معلوم ہوتا ہے ایک اور سچ پیغمبران خدا کے علم میں ہوتا ہے اور آخر میں ایک سچ وہ ہوتا ہے جو خود خدا ہی جانتا ہے۔“ اس تفریح و وضاحت میں جو کہ پہلے بیان کی گئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی کہنا

ہماری قابلیتوں و صلاحیتوں کا بھی خالق ہے ایسی قابیلیتیں جو کہ مختلف ہیں اور ہر قابلیت و صلاحیت ترقی و نشو و نما اور تعمیر و تکمیل کا ہنر جانتی ہے۔ وہی ہے جس نے ہمیں وجدان، اخلاقی ضمیر اور بھلائی و سیدھے راستے کی طرف نشہ ندی کرنے والے ذرائع عطا کیے ہیں۔ انسانی روح پر اچھی اور بُری دونوں طرح کی ترغیبات اثر کرتی ہیں۔ عام لوگوں کے درمیان یہ ممکن ہے کہ اچھے لوگ بعض اوقات بُری ترغیبات اور بُرے لوگ اچھی ترغیبات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ترغیبات اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف سے بھی آ سکتی ہیں جیسا کہ بُری ترغیبات شیطان کی طرف سے آتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کی دلیل ہے کہ اس نے ہمیں اس قبل بنایا کہ ہم آسمانی چیزوں (جو کہ پیروی کرنے کے قابل ہیں) اور شیطانی (جو کہ ناقابل پیروی اور قابض گریز ہیں) کے درمیان تمیز کر سکیں۔

﴿138﴾ اللہ تعالیٰ اور انسان کے درمیان گفتگو و حکام و رابطہ قائم کرنے کے کئی طریقے ہیں۔ بہرہ یہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ جسم صورت میں انسان سے خود حکام کرتا لیکن اسلام نے اس کی نفی کی ہے۔ یہ رب خالق و مالک اور قادر مطلق کے لئے بہت ہی ہستی کا مقام ہو گا کہ وہ انسانی شکل اختیار کر لے اور انسانوں کی طرح کھائے، پیئے، اپنی مخلوق کا ظلم برداشت کرے اور یہاں تک کہ وفات پا جائے۔ انسان اللہ عز و جل کی طرف سفر کر کے چاہے اللہ سے بتنا بھی قریب ہو جائے یہاں تک کہ فناء فی اللہ کے درجے پر بھی پہنچ جائے انسان بہر حال انسان ہی رہے گا اور وہ اللہ عز و جل کا مقابلہ کسی صورت نہیں کر سکتا۔ صوفیائے کرام کے بقول انسان اللہ تعالیٰ کے احکامات کی بجا آوری کے لئے اپنے آپ کو ختم کر سکتا ہے اور اپنی ہستی تک کو مٹا سکتا ہے لیکن تب بھی..... اور آئیے اس بات کو دہرائیں کہ..... انسان اپنی تمام تر ضروریوں کو تاحیوں سمیت انسان ہی رہے گا اور اللہ تبارک و تعالیٰ ان تمام کمزوریوں کو تاحیوں سے پاک و بالاتر ہے۔

﴿139﴾ اللہ تبارک و تعالیٰ اور انسان کے درمیان گفتگو اور رابطے کے ایسے ذرائع جو کہ انسانی دسترس میں ہیں شاید ان میں سے سب سے کمزور ترین ذریعہ خواب ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اچھے خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں اور وہ لوگوں کی سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

﴿140﴾ دوسرا ذریعہ احاطہ ہے (اس کے لفظی معنی کوئی چیز کسی دوسرے کی طرف پھینکنے کے ہیں) یہ خود خیالی کی ایک قسم ہوتی ہے جو آنے والے خطرے کا احساس و جہن کے ذریعے دلاتی ہے اور غفلت شدہ، ناقابل حل یا مشکل مسائل کے حل کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

﴿141﴾ ایک ذریعہ الہام بھی ہے جسے 'خدائی ترغیب' کہا جاسکتا ہے۔ اس کے ذریعے ترغیبات ایسے انسان کے (ذہن) میں خیال کی صورت ڈالی جاتی ہیں کہ جس کی روح کی ترقی و نشو و نما کافی حد تک انصاف، انسانی ہمدردی، بے غرض و بے لوث پن اور دوسروں کو فیض پہنچانے کے جذبہ جمعی نیکیوں سے ہوئی ہوتی ہے۔ تمام ادوار میں تمام ملکوں کے اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم، خدا تعالیٰ کی اس نوازش و مہربانی سے لطف اندوز ہوتے رہے ہیں جب کوئی شخص اپنی ذات کو اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے وقف کر دیتا ہے اور اپنا آپ بھلائے کی کوشش کرتا ہے تو کچھ

محلات ایسے ہوتے ہیں جن کا دورانیہ بہت ہی قلیل ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا جلوہ بجلی کی طرح چمکتا ہے تو ایک شخص کسی کوشش کے بغیر ہی وہ سب کچھ جان و سمجھ لیتا ہے کہ جو اسے کوئی بھی دوسری کوشش و کاوش کسی طور بھی سمجھانے میں کامیاب نہیں ہو پائے گی۔ جیسا کہ پرانے و قدیم لوگ کہتے تھے کہ اس طرح انسانی روح یا انسانی دل روشن ہو جاتا ہے اور پھر اس میں یقین کامل کا جذبہ و احساس، طہانیت و سکون اور سچ کی پہچان پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اعلیٰ صفات ہی ہوتی ہے کہ جو اس کی رہنمائی کرتی ہے اور اس کی ذات اور اس کے خیالات کے ساتھ ساتھ اس کی حرکات و سکنات کی بھی نمائندگی کرتی ہے۔ حتیٰ کہ پیغمبروں کو بھی جو کہ اللہ تعالیٰ کے انسانی پیامبر ہوتے ہیں انہیں بھی دوسروں کی طرح اللہ کی طرف سے ہدایات دی جاتی ہیں۔ پھر بھی انسان کی طرف سے فیصلے یا سمجھنے میں غلطی کا امکان باقی رہتا ہے۔ صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اس بات کی تصدیق و توثیق کرتے ہیں کہ بعض اوقات بہت زیادہ متقی و پرہیزگار لوگ بھی اپنی غیر محسوس انا کے ہاتھوں سیدھی راہ سے بھٹک جاتے ہیں اور ان بنیادی ترغیبات کو نہیں پہچان سکتے کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش کی شکل میں آتی ہیں۔

142 ﴿اللہ تعالیٰ اور انسان کے درمیان اتلو و کلام کے لازمی و یقینی اور سب سے حتی و حکمی ذریعے اور رابطے کے سب سے بلند درجے کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے نام سے پکارا ہے۔ یہ کوئی عام ترغیب نہیں ہوتی بلکہ آسمانی کلام و پیغام ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندے پر حقیقی وحی کی صورت آتا رہا جاتا ہے۔ انسان مادے سے تخلیق کیا گیا ہے جبکہ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ روح سے بھی ماورا اور بالا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اور انسان کے مابین براہ راست جسمانی رابطہ ناممکن ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿۱۰۳﴾

(سورۃ الانعام، آیت: 103)

**ترجمہ** ”اے (اللہ کو) آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور وہ (اللہ) آنکھوں کو دیکھ سکتا ہے

اور وہ نہایت باریک بین خبردار ہے۔“

اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہے اور جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ۖ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ

مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ﴿۱۶﴾

(سورۃ ق، آیت: 16)

**ترجمہ** ”اور بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو وسوسہ اس کے دل

میں گزرتا ہے اور ہم اس سے اس کی شدت و گہرائی سے بھی زیادہ قریب ہیں۔“

تاہم کسی قسم کا جسمانی رابطہ ممکن نہیں ہے اس لئے وہ منسلک ہی ہے۔ جس کا لفظی مطلب پیغام رساں ہے جیسا کہ

ایک آسمانی پیغام لانے والا جسے عام طور پر ”فرشتہ“ کہا جاتا ہے۔۔۔۔۔ جو اللہ کے پیغام کی اس کے انسانی نمائندے یا پیامبر (پیغمبر) تک ترسیں والمبالغہ اور درمیانی رابطے کا کام سرانجام دیتا ہے۔ پیغمبر کے علاوہ کسی اور پر آسمانی پیغام رساں کے درمیانی رابطے کے ذریعے وحی نازل نہیں ہوتی۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اسلام میں پیغمبر سے مراد ایک ایسا شخص نہیں ہے کہ جو پیش گوئیوں کرے بلکہ وہ اللہ کا ایک نمائندہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچاتا ہے۔ بہن تک فرشتہ کا تعلق ہے یہ ہماری بحث کے دائرہ کار میں شامل نہیں ہے کہ آیا فرشتہ روحانی مخلوق ہوتا ہے؟ کائنات میں موجود مادی چیزوں سے الگ ہوتا ہے یا سمجھا اور ہوتا ہے؟

**143** قرآن پاک کے مطابق وہ آسمانی فرشتہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لاتا تھا اسے جبرائیل علیہ السلام کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ جس کے اشتقاقی معنی ”اللہ کی اطاعت“ کے ہیں قرآن پاک میں میکائیل علیہ السلام کا بھی ذکر آیا گیا ہے لیکن اس کے فرائض بارے کچھ نہیں بتایا گیا۔ دوزخ کے واروٹھ کو مملک کا نام دیا گیا ہے جس کے لفظی معنی ”مالک“ کے ہیں۔ قرآن پاک میں دوسرے فرشتوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے لیکن ان کے اسماء اور ان کی خوبیاں و فرائض بیان نہیں کیے گئے۔ البتہ وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل کرتے ہیں۔ اسلامی ایمان و یقین یہ ہے کہ قرآن پاک جبرائیل علیہ السلام کے لئے قابل بھروسہ روح (روح الامین) کی اصطلاح استعمال کرتا ہے اور انہیں دوسرے فرشتوں سے اعلیٰ درجہ دیا گیا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث جو کہ قرآن پاک کے الفاظ سے تھوڑی بہت مختلف ہیں ان میں ہم پڑھتے ہیں کہ یہ آسمانی پیغام رساں، حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ہمیشہ ایک ہی شکل میں حاضر و غاہر نہیں ہوتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ہوا میں معلق چیز کی شکل میں دیکھتے، بعض اوقات انسانی شکل میں اور بعض اوقات پروں والی شے وغیرہ کی شکل میں دیکھتے تھے۔ ابن حبیل رحمۃ اللہ علیہ کی محفوظ کردہ حدیث میں کسی شک و شبہ کے بغیر واضح طور پر بیان ہوتا ہے کہ ایک دن ایک انجینی آدی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں کئی افراد کی موجودگی میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سوالات پوچھے اور اس کے بعد چلا گیا۔ اس واقعہ کے کچھ دن بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام جن میں سے کوئی بھی یہ یقین کرنے کی ترغیب دی گئی ہے کہ وہ شخص جس نے اس دن مجھ سے سوالات پوچھے تھے وہ جبرائیل علیہ السلام کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ وہ تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔ اور میں نے کبھی بھی انہیں پہچانے میں اتنی دیر نہیں لی۔ ایسا اس وجہ سے ہوا کیونکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا کوئی پیغام دینے نہیں آئے تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تہذیب و خیالات کی غرض سے آئے تھے۔

**144** آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی نزولی طریقہ کار کا اندازہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا موقع پر موجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام جن میں سے درج ذیل بیانات سے لگایا جاسکتا ہے۔ البخاری رحمۃ اللہ علیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ ”بعض اوقات یہ میرے پاس بجتی ہوئی گھنٹی کی آواز کی طرح آتی

ہے اور یہ میرے لئے بہت ہی سخت ترین تجربہ ہوتا ہے اور جب وہ اختتام پذیر ہوتی ہے۔ میں اپنی یادداشت میں وہ سب کچھ یاد کرنے کی صورت میں نقش و محفوظ کریتا ہوں جو کہ نزول وحی کے دوران کہا گیا ہوتا ہے۔“ ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنے مجموعہ حدیث میں اسی بیان کو اس طرح لکھتے ہیں کہ ”میں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) دھڑکتی ہوئی آوازیں سنتا ہوں اور اس کے بعد میں خاموش ہو جاتا ہوں۔ مجھ پر نزول وحی کے دوران ایسا موقع کبھی نہیں آیا کہ جب میں اس بات سے خوفزدہ نہ ہوا ہوں کہ میری روح پرواز کر جائے گی۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نزول وحی سے متعلق اپنے مشاہدات و تجربات سمجھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ: ”جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی آتی، ایک قسم کی آرام و سکون کی کیفیت (نا قابلِ حُسن) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظہیر لیتی۔“ (ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ) یا یہ کہ ”پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر جب بھی وحی نازل ہوتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیم مدبوشی کی کیفیت میں گھر جاتے اور کچھ لمحے اسی کیفیت میں رہتے۔“ (ابن سعد) یا یہ کہ ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی سرور ترین دن میں آتی اور جب وہ اختتام پذیر ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک پر پسینہ موتیوں کی طرح چمک رہا ہوتا۔“ (البخاری) مزید یہ کہ ”ایک بار جب نزول وحی کی گھڑی آچکی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک (کسی کپڑے کے) اندر جھکا لیا اور نیچے لٹایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعد ازاں یہ حالت ختم ہو گئی۔“ (البخاری رحمۃ اللہ علیہ) اسی طرح ایک صحابی یہ مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ ”جب بھی وحی نازل ہوتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کیفیت کو برداشت کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کا رنگ بدل جاتا۔“ (ابن سعد) ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ابو نعیم کی روایت کے مطابق صحابہ رضی اللہ عنہم کا فرمان ہے کہ ”جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی، ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب شہد کی مکھیاؤں کی بھنبھناہٹ کی ”واڑ سننے۔“ یا البخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ درد برداشت کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہونٹوں کو حرکت دیتے۔“ ایک اور سلسلہ بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بہت زیادہ بھاری وزن و بوجھ محسوس کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ”میں نے دیکھا کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اونٹ پر سوار تھے، اونٹ نے غصے سے منہ سے بھاگ نکالنا شروع کر دیا اور اپنی ٹانگوں کو اس حد تک موڑا کہ مجھے اس بات کا ڈر و خوف محسوس ہونے لگا کہ اس کی ٹانگیں ایک دھم کے وزن کے ساتھ ٹوٹ جائیں گی۔ دراصل بعض اوقات اونٹ بیٹھ جاتا، لیکن بعض اوقات وہ زبردستی سختی کے ساتھ کھڑے رہنے کی کوشش کرتا۔ تاہم نزول وحی کے وقت ایسا لگتا کہ جیسے اس کی ٹانگیں مینوں کی طرح گڑی ہوئی ہوں اور ایسا تب تک رہتا جب تک وحی کی کیفیت اختتام پذیر نہ ہو جاتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے پسینہ موتیوں کی طرح بہہ رہا ہوتا۔“ (ابن سعد) ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی مرند کے مطابق ”وزن و بوجھ ایک زن کے



ساتھ اونٹ کی ٹانگوں کو تقریباً توڑ دیتا تھا۔“ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ایک خاص دن بارے اپنا ذاتی تجربہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ٹانگ مبارک میری ران پر رکھی ہوئی تھی اور اس کا اتنا زیادہ وزن پڑا کہ مجھے خوف محسوس ہونے لگا کہ میری ران ایک زمانے کے ساتھ ٹوٹ جائے گی۔“ (بحوالہ صحیح البخاری رحمۃ اللہ علیہ) ایک دوسری روایت میں یہ اضافہ کیا گیا ہے کہ ”اگر اس وحی کا نزول پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہ ہوتا تو میں ایک چیخ مار کر اپنی ٹانگ کھینچ لیتا۔“ ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ایک دوسری جگہ اسی طرح بیان کرتے ہیں کہ ”ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے منبر پر کھڑے تھے کہ اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے حس و حرکت کھڑے رہے۔“ یا ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ مزید روایت کرتے ہیں کہ ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانا تناول فرما رہے تھے اور گوشت کا ایک ٹکڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک میں تھا اسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی اور جب وحی کا نزول ختم ہوا تو گوشت کا ٹکڑا تب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک میں ہی تھا۔“ بعض اوقات ایسے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کمر کے سہارے لیٹ جاتے۔ بعض اوقات حالات کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا بہ کرام جنی اللہ علیہم بطور عزت و احترام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک کپڑے کے ایک ٹکڑے سے ڈھانپ دیتے۔ تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول وحی کے دوران کبھی بھی اپنے ہوش و حواس نہیں کھوئے نہ ہی کبھی ایسا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ پر قابو نہ رکھ پائے ہوں۔ تبلیغی مشن کے ابتدائی دنوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی کے دوران وہ سب کچھ اونچی آواز میں دہراتے جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی صورت نازل ہوتا لیکن جدی مکہ مکرمہ میں سکونت کے دوران ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس ساتھ ساتھ دہرانے والی عادت کو ترک کر دیا اور وحی کی کیفیت کے اختتام پذیر ہونے تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار کرنا شروع کر دی۔ اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا پیغام اپنے کاتبین کرام جنی اللہ علیہم تک پہنچاتے تاکہ وہ اسے لکھ کر محفوظ کر سکیں۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

لَا تَحْرُكَ بِهِ لِسَانُكَ لِتُحْثِثَ بِهِ ۖ

(سورۃ الطیۃ، آیت: 16)

**ترجمہ** ”آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) (وحی کے ختم ہونے سے پہلے) قرآن پر اپنی زبان نہ ہلایا کیجیے تاکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اسے جلدی جلدی لیں۔“

اسی طرح:

فَتَعَلَى اللَّهِ الْوَيْلُ الْمُسْمِيُّ ۖ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ ۚ وَ قُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ۝

(سورۃ طہ، آیت: 114)

**ترجمہ** ”سہ اللہ بادشاہ حقیقی بلند مرتبے والا ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن کے سینے میں جلدی نہ کریں جب تک اس کا اثر ناپورا نہ ہو جائے اور کہہ دیجیے کہ اے میرے رب مجھے اور زیادہ علم دے۔“

اور جب پیغمبر خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عام حالت میں واپس آتے تو قرآن پاک کا وہ حصہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی وقت وحی کی صورت نازل ہوا ہوتا اس کی املا اپنے کاتبین کرام رضی اللہ عنہم کو کرواتے تاکہ وہ اس حصے کی نشر و اشاعت مسلمانوں کے درمیان کر سکیں اور اس کی بہت سی نقول تیار کر سکیں۔ ابن اسحاق اپنے مخصوصہ ”المبعث و المفازی“ میں بیان کرتے ہیں کہ ”جب بھی قرآن پاک کا کوئی حصہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی صورت نازل ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اس کی مردوں کے درمیان اور پھر عورتوں کے درمیان تلاوت فرماتے۔“

## کتبِ الہی:

**145** ﴿اللہ تعالیٰ چونکہ آمانوں اور زمین کا ملک ہے اس لئے یہ انسان کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں کی ہدایت و ہجائی کے لئے پیغمبروں کو اس دنیا میں بھیجتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قادر و مطلق شہنشاہ ہے اور وہ روحانی کے ساتھ ساتھ ماضی و زنیادی قوانین کا سرچشمہ ہے۔ ہم نے انہی وحی کی شکل میں اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں کے لئے احکامات اور ان کے ابلاغ و ترسیل بارے بات کی ہے۔ ترمذی میں انہی وحیوں کی تالیف و تدوین اور مجموعیات پر مشتمل ہیں۔

**146** ﴿حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عقائد و مذاہب کا جو قانون و قاعدہ و مناسبت کے ساتھ بیان کیا ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس ایک کتاب کا ذکر نہیں کیا کہ جس میں قرآن پاک کا حوالہ دیا گیا تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ہی کتب کا ذکر کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی قوت برداشت و تحمل ہی بحیثیت معتمد کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) سب سے نمایاں وصف و خوبی ہے۔ قرآن پاک میں اس کا کئی بار تذکرہ کیا گیا ہے مثال کے طور پر:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۚ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ  
وَمَلٰئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ ۚ لَا تَقْرَفُ فِيْ بُيُوتٍ اٰخِيَارِهِمْ اَنْ يُّرْسِلَهُمْ ۚ وَقَالُوْا سُبْحٰنَا  
وَاَمْلٰنَا ۚ غُفِرَ لَكَ مَا تَابَا وَاِنَّكَ لَلْحَمِيْدُ ﴿٢٨٥﴾

(سورۃ البقرہ، آیت: 285)

**ترجمہ** ”رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایمان لیا جو کچھ اس پر اس کے رب کی طرف سے اُترے اور مسلمانوں نے بھی ایمان لیا۔ سب نے اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس

کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو مان لیا ہے۔ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسولوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور مان لیا۔ اے ہمارے رب! تیری بخشش پا جتے ہیں در تیری ہی حرف اوٹ کر بانا ہے۔“

ایک اور جگہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

إِنَّا أَمَرْنَا نَبِيَّكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ﴿٢٤﴾

(سورۃ فاطر، آیت: 24)

**ترجمہ** ”بے شک ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سچا دین دے کر خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور کوئی امت نہیں گزری مگر اس میں ایک ڈرانے والا گزر چکا ہے۔“

اور مزید فرمان نازل ہوتا ہے کہ:

وَأَرْسَلْنَا قَدْ خَلَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ تَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْوِيماً ﴿٢٥﴾

(سورۃ النساء، آیت: 164)

**ترجمہ** ”اور ایسے رسول بھیجے جن کا حال اس سے پہلے ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سناچے ہیں اور ایسے رسول جن کا ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بیان نہیں کیا اور اللہ نے موسیٰ (علیہ السلام) سے خاص طور پر کلام فرمایا۔“

اسی طرح:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَنْ قَسَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ فَإِذَا جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ فُتِحَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ ﴿٢٦﴾

(سورۃ المؤمن، آیت: 78)

**ترجمہ** ”اور ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے کئی رسول بھیجے تھے بعض ان میں سے وہ ہیں جن کا حال ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر بیان کر دیا اور بعض وہ ہیں کہ ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ان کا حال بیان نہیں کیا اور کسی رسول سے یہ نہ ہو سکا کہ کوئی معجزہ ذی الہی کے بغیر ظاہر کر سکے۔ پھر جس وقت اللہ کا حکم آئے گا نہیک ٹھیک

فیصلہ ہو جائے گا اور اس وقت باطل پرست نقصان اٹھائیں گے۔“

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کی دیگر کتب و صحائف کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں تسلیم بھی کیا گیا ہے ان کتب و صحائف میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحائف، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تورات، حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل شامل ہیں۔

﴿147﴾ یہ سچ ہے کہ آج کے دور میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل کردہ صحائف کا کوئی سراغ تک نہیں ملتا۔ ہر شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کردہ کتاب توریت کی افسوسناک داستان بارے علم رکھتا ہے کہ کس طرح کفار نے متعدد بار اسے ضائع کیا۔ یہی حال حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل کردہ کتاب زبور کا بھی ہوا۔ جہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعلق ہے ان کے پاس اپنی تعلیمات کی ترتیب و تدوین یا اس کی الما کردانے کا وقت نہیں تھا۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معتقدین اور ان معتقدین کے جانشین ہی تھے کہ جنہوں نے آپ علیہ السلام کے منتخب خطبات و تعلیمات کو جمع کیا اور پھر تصحیح شدہ نسخوں کی ایک تعداد اپنی آئندہ نسوں تک منتقل کی۔ جن میں سے تقریباً 70 تصحیح شدہ نسخے یا انجیلیں جانی و پہچانی جاتی ہیں جن میں سے چار کے علاوہ باقی سب کو کلیسا نے مسترد قرار دے دیا ہے۔ چاہے جو کچھ بھی ہو ہر مسلمان کے عقیدے کے لئے یہ ضروری و لازمی ہے کہ وہ نہ صرف قرآن پاک پر بلکہ اسلام سے پہلے نازل شدہ تمام تر آسمانی کتب و صحائف پر ایمان لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی گوتم بدھ، زرتشت یا ہندو برہمنیت کے بانیوں کا ذکر نہیں کیا۔ بس مسلمانوں کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی بھی محترم کلام جیسا کہ زرتشت کی اوستا، یا ہندوؤں کی ویدوں کی قطعی طور پر تصدیق و توثیق بیان کریں۔ تب ہم وہ اس امکان کا باضابطہ انکار بھی نہیں کر سکتے کہ اوستا یا ویدوں کے مذہب کی بنیاد مقدس تعلیمات پر نہیں رکھی گئی یا یہ کہ ان کی تعلیمات کو بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کردہ کتب تورات کی طرح بد قسمتی کا سامنا کرنا پڑا۔ چین، یونان اور دوسری جگہوں سے متعلق یہی بات سچ پر مبنی ہے۔

﴿148﴾ ایک فرشتہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا پیغام اس کے منتخب بندے تک پہنچاتا ہے اور اس پیغام کی ترسیل و ابلاغ اور ترویج و اشاعت کی ذمہ داری اس منتخب بندے کو سونپی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچانے والے انسانی نمائندے کے لئے قرآن پاک میں مختلف اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں جیسا کہ نبی (پیغمبر)، رسول (پیامبر)، مرسل (نمائندہ)، بشیر (خوشخبری دینے والا)، نذیر (ڈرانے والا) وغیرہ۔

﴿149﴾ پیغمبران خدا اللہ تعالیٰ کے نہایت متقی و پرہیزگار بندے ہوتے ہیں اور وہ روحانی کے ساتھ ساتھ عارضی و دنیاوی اور معاشرتی شعبہ جات زندگی میں اپنے بہترین و قابل تھلید طریق عمل کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ پیغمبروں کے لئے معجزے ضروری و لازمی نہیں ہوتے (تاہم تاریخ اسلام پیغمبران خدا کے ساتھ معجزوں کو منسوب کرتی ہے لیکن انہوں نے ہمیشہ اس بات کی تصدیق و توثیق کی ہے کہ ان کے پاس اتنی طاقت و قابلیت نہیں ہے کہ وہ یہ معجزے سرانجام دے سکیں بلکہ یہ تو رب قادر و قدیر ہی ہے جو یہ سب کرنے والا ہے) صرف ان کی

تعلیمات ہی ان کی صداقت اور راستبازی کو پرکھنے کا بہترین معیار و اصول بنتی ہیں۔

150 ﴿قرآن پاک کے مطابق، کچھ پیغمبروں پر سسانی کتب نازل کی گئیں اور کچھ پر نئی کتب نازل نہیں کی گئیں بلکہ انہوں نے اپنے سے پہلے آنے والے پیغمبروں پر نازل کردہ کتب کی پیروی کی۔ مقدس پیغامات کی بنیادی تعلیمات و سچائیاں ایک دوسرے سے مختلف نہیں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اچھائی کا تقاضا کرنا اور رُائی سے روکنا وغیرہ۔ تاہم وہ مقدس پیغامات معاشرتی ارتقاء کے مطابق لوگوں کے اپنائے گئے معاشرتی طریقہ عمل کے اصولوں میں ایک دوسرے سے مختلف ہو سکتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے مسلسل و متواتر پیغمبر اس دنیا میں بھیجے ہیں تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ پرانی تعلیمات، ہدایات کو منسوخ کر دیا گیا اور ان کی جگہ نئی تعلیمات و ہدایات نے لے لی اور ان نئی تعلیمات و ہدایات کے ساتھ ساتھ کچھ پرانے اصولوں کو بھی غلط فہمی و ذہانت کے ساتھ برقرار رکھا۔

151 ﴿کچھ پیغمبروں کا مقدس مقصد صرف ایک قبیلے یا خاندان یا ایک نسل یا ایک علاقے کے افراد کو سیدھے راستے کی تعلیم دینا تھا۔ کچھ دوسرے پیغمبر پوری انسانیت کی تبلیغ پر مشتمل اور تمام زمانوں پر محیط بڑے مقصد لے کر آئے تھے۔

152 ﴿قرآن پاک میں کچھ پیغمبرانِ خدا کا ذکر واضح الفاظ میں کیا گیا ہے جیسا کہ حضرت آدم، حضرت یونس، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت داؤد، حضرت موسیٰ، حضرت صالح، حضرت ہود، حضرت یوسف، حضرت شعیب، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لیکن قرآن پاک میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی پیغمبر اس دنیا میں آئے تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبروں کی آمد کے سلسلے پر اختتامی مہر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی یعنی خاتم النبیین ہیں۔

## عقیدہ آخرت یا جزا و سزا:

153 ﴿پیغمبرِ خدا، داعیِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیدہ آخرت پر ایمان لانے کا بھی تقاضا کیا ہے۔ انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ انسان کو اس کے دنیاوی اعمال کی بنیاد پر پرکھے گا تاکہ اسے اس کے جتنے کاموں کا صلہ اور بُرے کاموں کی سزا دے سکے۔ آئیے دن ہماری کائنات اللہ تعالیٰ کے حکم سے فناء ہو جائے گی اور پھر قبیل و قفے کے بعد اللہ تعالیٰ جس نے ہمیں موت سے پہلے زندگی دی تھی ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ جنت سے انعام کے طور پر نوازا جائے گا اور دوزخ میں سزا کے طور پر ڈالا جائے گا لیکن یہ صرف نقشی اصطلاحات ہیں جو ہمیں ان اشیاء بارے آگاہی و یقین ہیں کہ جو ہماری زندگی کے تمام دنیاوی نظریات کی دسترس سے باہر ہیں اس بارے بات کرتے ہوئے قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ ۚ جَزَاءُ مَن كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۵﴾

(سورۃ السجدہ، آیت: 17)

**ترجمہ** ”پھر کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کے عمل کے بدلہ میں ان کی آنکھوں کی کیا ٹھنڈک چھپا رکھی ہے۔“

مزید ارشاد داتا گدا:

وَعَدَ اللَّهُ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَمُسْكٍ صَبِيَّةٌ فِي جَنَّاتٍ عَدْنٍ وَمِنْ مَاضٍ اللَّهُ أَكْبَرُ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٧٢﴾

(سورۃ التوبہ، آیت: 72)

**ترجمہ** ”اللہ نے ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں کا وعدہ دیا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور عمدہ مکانوں اور بیشک کے باغوں میں اور اللہ کی رضا ان سب سے بڑی ہے۔ یہی وہ بڑی کامیابی ہے۔“

پس اللہ تعالیٰ کے پاس انسان کے لئے اس کے فکر و خیال سے بھی بڑھ کر نعمات موجود ہیں حتیٰ کہ جنت کے باغات سے بھی بڑھ کر ہیں۔ قرآن پاک میں ایک اور جگہ ہم پڑھتے ہیں کہ:

لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ﴿٣٥﴾

(سورۃ ق، آیت 35)

**ترجمہ** ”ان (پرہیزگاروں) کو جو کچھ وہ چاہیں گے وہاں (جنت) ملے گا اور ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے۔“

البخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات اس آیت کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے کہ ایک متقی و پرہیزگار انسان کے لئے جنت کے بعد اللہ تعالیٰ کا دیدار آخری انعام و نفع ہوگا۔ جہاں تک جنت کا تعلق ہے تو اس بارے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات یہ حدیث قدسی دہرایا کرتے تھے کہ ”اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے اپنے متقی و پرہیزگار غلاموں (بندوں) کے لئے جنت میں ایسی اشیاء کا اہتمام کیا ہے کہ بنہیں نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھا ہے۔ نہ ہی کسی کان نے سنا ہے حتیٰ کہ کسی انسان کے دل (اور دماغ) میں ان کا کبھی خیال تک نہیں آیا۔“ جہاں تک جنت سے بڑھ کر نعمات کا تعلق ہے تو اس بارے البخاری رحمۃ اللہ علیہ، مسلم رحمۃ اللہ علیہ، ترمذی بیہقیہ اور دوسرے مستند و معتبر ذرائع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اہم حدیث بیان کرتے ہیں۔ ”جب جنت کے حقدار لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا۔ مجھ سے مانگو میں تمہیں اس سے بڑھ کر کیا دے سکتا ہوں؟ لوگ عزت منے، جنت دینے جانے اور دوزخ سے بچائے جانے پر مسرت آفریں حیرت میں مبتلا ہوں گے اور نہیں یہ معلوم نہیں ہوگا کہ وہ کیا مانگیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ اپنے اوپر سے پردہ اٹھائے گا اور کوئی بھی منظر اللہ تبارک و تعالیٰ کے جلوے و دیدار سے بڑھ کر دکھائے

والغریب نہیں ہوگا۔“ (ایک اور روایت میں ’پرہیز‘، ’حجب‘ کی بجائے ’عظمت و کبریائی کی چادر‘، ’راء اکبریا‘ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔) دوسرے الفاظ میں ایک ایمان والے کے لئے اللہ تعالیٰ کا دیدار و جلوہ ہی دراصل حقیقی و اصلی انعام ہوگا۔ یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو دوسری دنیا کے تصوراتی و خیالی نظریے کو سمجھتے اور اس کی تعریف و تصنیف کرنے کی قابلیت و صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس مسئلہ و معتبر تفسیر و تشریح کی روشنی میں ہر شخص کو قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں موجود جنت کے انعامات اور دوزخ کے عذاب اور مصائب و آلام بارے بیانات کا مطالعہ کرنا چاہیے کہ جن کو عام آدمی کے لئے مسلسل و متواتر اصطلاحات کے ذریعے بیان کیا گیا ہے جو ہمیں ہمارے ارد گرد موجود چیزوں کی یاد دلاتی ہیں۔ جنت میں باغات، ندیاں یا نہریں، نوجوان عورتیں، قالین، مکلف لمبوسات، ہیرے جواہرات، قیمتی پتھر، پھل اور شراب طہور کے ساتھ ساتھ وہ سب کچھ ہوگا کہ جس کی انسان خواہش و آرزو کرے گا۔ اسی طرح دوزخ میں آگ، سنبھلے، اُباتا ہوا پانی اور دوسری اذیتیں ہوں گی اور ایسی جگہیں بھی ہوں گی جو بہت زیادہ سرد ہوں گی اور ان تمام مصائب و آلام کے باوجود ان سب سے چھٹکارا پانے کے لئے موت نہیں ہوگی۔ جب کوئی شخص انسانوں کی وسیع تعداد بارے سوچتا ہے یا مقدس پیغام تمام لوگوں تک پہنچانا مقصود ہوتا ہے تو یہ سب وضاحت کے ساتھ بیان کرنا آسان ہوتا ہے۔ ہر شخص سے اس کی سمجھنے کی صلاحیت و لیاقت اور اس کی ذہانت کے مطابق گفتگو کرنا ضروری و لازمی ہوتا ہے۔ ابن حنبلؒ اور ترمذیؒ بیحد بیان کرتے ہیں کہ ”ایک دن جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم صاحب ایمان لوگوں کے ایک گروہ سے جنت اور اس کی لذتوں سے متعلق بات کر رہے تھے (جنت میں موجود برائیاں سمیت) ایک بدوی کھڑا ہوا اور اس نے سوال اٹھایا ”کیا وہاں گھوڑے بھی ہوں گے؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور نرم لہجے میں فرمایا ”وہاں ہر چیز ہوگی جس کی کوئی شخص آرزو کرے گا۔“ قرآن پاک جنت اور دوزخ بارے صرف اس لئے بات کرتا ہے کہ اس کے ذریعے ایک اوسط انسان کو مصفاۃ زندگی گزارنے اور نجات کے راستے پر چنے کی ترغیب دے سکے۔ اس معاملے میں تفصیلات کی کوئی اہمیت نہیں چاہیے ان میں جگہ یا اشیاء کی حالت بارے ہی کیوں نہ بیان کیا گیا ہو۔ ہمیں ان میں سے کسی چیز میں دلچسپی نہیں لیننی چاہیے۔ ہر مسلمان جنت اور دوزخ پر ایمان رکھتا ہے یہ پوچھنے بغیر کہ ”کیسے؟“

﴿154﴾ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ جنت ابدی و دائمی ٹھکانہ ہوگی۔ جو ایک بار اس کا حقدار بن جائے گا پھر اسے وہاں سے نکالنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔ قرآن پاک اس بات کا یقین ان الفاظ میں دلاتا ہے کہ:

لَا يَسْتَنْبِئُ مِنْهَا نَاصِبٌ وَ مَا لَهُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ ﴿٥﴾

(سورۃ الحج، آیت: 48)

ترجمہ ”نہیں وہاں کوئی تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔“

کچھ لوگ جنت میں فوراً داخل ہو جائیں گے کچھ لوگ جنت میں داخل ہونے سے پہلے قید و بند کا طویل یا قلیل عرصہ دوزخ میں گزاریں گے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ایمان نہ لانے والوں کے لئے دوزخ ابدی و دائمی ٹھکانہ ہو

کا؟ اس نکتے پر مسلمان علمائے دین کی آراء ایک دوسرے سے مختلف ہیں تاہم ان میں سے کثیر تعداد اس بات کی قرآنی آیات کی بنیاد پر تصدیق کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سوائے کفر کے ہر گناہ اور ہر جرم معاف کر سکتا ہے اور یہ کہ کفر جیسا گناہ کرنے کی صورت میں جو سزا دی جائے گی وہ ابدی و دائمی ہوگی۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ  
وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا

(سورۃ النساء، آیت: 48)

**ترجمہ** ”بے شک اللہ اس کو نہیں بخشتا جو کسی کو اس کا شریک بنائے اور اس کے سوا جسے چاہے بخشتا ہے اور جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا اس نے بڑا ہی گناہ کیا۔“

اسی طرح ارشاد رب العزت ہے کہ:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ  
وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝

(سورۃ النساء، آیت: 116)

**ترجمہ** ”بے شک اللہ اس کو نہیں بخشتا جو کسی کو اس کا شریک بنائے اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دے اور جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا وہ بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا۔“

دوسرے علمائے کرام کی یہ رائے ہے کہ حتیٰ کہ ایک دن اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل و کرم سے کفر کی سزا بھی ختم ہو سکتی ہے۔ ان علمائے دین نے اپنی آراء قرآن پاک کی کچھ آیات سے بھی اخذ کی ہیں۔

حُلْدِیَّتٍ فِیْهَا قَاذِیَةُ السُّبُوتِ وَالْأَنْصَارُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ  
فَعَّالٌ لِّبَآئِرِ دُۢنَا ۝

(سورۃ حم، آیت: 107)

**ترجمہ** ”اس (دوزخ) میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان زمین قائم ہیں۔ ہاں اگر تیرے اللہ ہی کو منظور ہوا (تو دوسری بات ہے) بے شک تیرا رب جو چاہے اسے پورے طور سے کر سکتا ہے۔“

مزید ارشاد رب العزت ہے کہ:

لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا أَوْ يَجْزِيَ يَنْفَعُهُمْ بِأَحْسَنِ الَّذِي  
كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

(سورۃ الزمر، آیت: 35)



ترجمہ: ”تا کہ اللہ ان سے وہ بُرائیاں دور کرے جو انہوں نے کی تھیں اور اللہ ان کو

ان کا اجر دے ان نیک کاموں کے بدلہ میں جو وہ کیا کرتے تھے۔“

یہیں ہمیں اس بحث کو مزید باری رکتے کی ضرورت نہیں ہے لیکن ہم اللہ تعالیٰ کے لامحدود رحم و کرم کی امید کرتے ہیں۔

## تقدیر اور اختیار:

155 اپنے بیان میں سب سے آخر میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس ایمان و یقین کا تقاضا کرتے ہیں کہ اچھی اور بُری تقدیر سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ کیا ان الفاظ کا معنی منہبوم یہ ہے کہ انسان کے لئے ہر چیز پہلے سے لکھی ہوئی ہے یا اس بیان کا صرف یہ مفہوم ہے کہ انسان جو بھی اچھے اور بُرے کام کرتا ہے ان کا اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ دوسرے الفاظ میں کوئی بھی شے خود اچھی یا بُری نہیں ہوتی بلکہ ایسا صرف اس لئے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایسا بنایا ہے اور انسان کو سوائے مشاہدے کے اور کچھ نہیں کرنا پڑتا۔

156 دراصل یہاں عنائے دین کے لئے ایک مشکل ہے۔ اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ انسان اپنے اعمال کا خود مددگار ہے تو یہ بات انسان کے اعمال کی تقدیر کے برعکس ہوگی۔ اسی طرح اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے اعمال میں آزاد ہے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کو نہ تو انسان کے دنیاوی اعمال کا کوئی علم ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ انسان پر کوئی طاقت و اختیار رکھتا ہے۔ یہ دونوں متبادلات پریشانی و پیچیدگی کی کیفیت پیدا کرتے ہیں۔ ہر شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہ صرف منصف بلکہ قادر مطلق اور علم و بصیرت جیسی صفات منسوب کرنا چاہے گا۔ داعی کاسام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی بحث کو مضحکہ خیز قرار دیا ہے کہ جس کا کبھی بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروکاروں کو بانسابلہ طور پر یہ حکم دیا ہے کہ وہ اس قسم کی بحث میں نہ الجھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا کہ ”تم سے پہلے لوگ اس بے حقی و بے نتیجہ بحث کی وجہ سے اپنے راستے سے جھک گئے تھے۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر پہلو و زاویے اور تعظیم کو مد نظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ قادر مطلق اور علیم و بصیر جیسی صفات منسوب کی ہیں اور اس بات کی بھی تصدیق و وثیق کی ہے کہ انسان اپنے اعمال کا خود مددگار ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں چیزوں میں سے کسی ایک کو بھی دوسری کے ساتھ نہیں جوڑنا چاہا۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بحث کو اس طرح کی غیر سودمند اور فضول و بے فائدہ بحث بنا دیا ہے جیسے کہ یہ بحث کی جائے کہ ائمہ پہلے وجود میں آیا تھا یا سرغی؟

157 مزید یہ کہ اچھائی اور بُرائی واضح طور پر اصطلاحات متعلقہ ہیں۔ ایک چیتا، خرگوش کو اپنی خوراک کے لئے شکار کرتا ہے جو چیز ایک کے لئے اچھی (غذا) ہے وہی دوسرے کے لئے بُری (موت) ہے۔ اسی لئے جو بُرائی ہم تک پہنچتی ہے وہ ہماری اپنی فطرت کی وجہ سے ہوتی ہے جو کہ اس بُرائی کے قابل ہوتی ہے یا اس کا تقاضا کرتی ہے۔ یوں یہ اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے کہ وہ اس بات کا فیصلہ کرے کہ ایک عمل کس کے لئے اچھا ہے اور کس کے لئے بُرا ہے۔ مزید برآں یہ کہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ فرض و ممداری کا نظریہ ایک دنیاوی چیز ہے۔ جبکہ ”اللہ تعالیٰ

کی طرف سے سزا یا جزا کا تعلق روحانی معاملات سے ہے۔ ہمیں صرف تب دھچکا پہنچتا ہے یا پریشانی ہوتی ہے جب ہم ان دونوں کو ایک ہی درجہ دیتے ہیں۔ ایسا کرنا مغالطہ ہوگا۔

﴿158﴾ آئیے ہم یہ بات یاد رکھیں کہ رب قادر مطلق پر یہ دو ہر ایمان و یقین مکمل طور پر ہر شخص کی انفرادی ذمہ داری ہے۔ جو مسلمان کو کام کرنے پر آمادہ کرتا ہے یہاں تک کہ یہ اسے اپنی ناگزیر بد قسمتی سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ دیتا ہے۔ یہ انسان کو غیر متحرک پن سے دور لے جاتا ہے اور اسے چاق و چوبند و متحرک رکھتا ہے۔ اپنے آپ کو اس بیان کی سچائی باریت یقین دلانے کے لئے ہمیں ان ابتدائی نو مسموں کے اعمال و افعال کا حوالہ دینا پڑتا ہے جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے بہترین پیروکار تھے۔

نتیجہ:

﴿159﴾ یہ ان سب چیزوں کا عملی خلاصہ ہے جن پر ایک مسلمان کو یقین کرنا پڑتا ہے۔ عقیدے کے اس پورے طریقہ کار کا خلاصہ ان دو جملوں کے ذریعے مختصر بیان کیا گیا ہے۔ ”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول اور بندے ہیں۔“ یہ دو جملے ہمیں یہ یاد دلانے کا کام کریں گے کہ اسلام نہ صرف ایک عقیدہ ہے بلکہ یہ روحانی و دنیوی کے ساتھ ساتھ دنیاوی و دینی عمل بھی ہے۔ دراصل یہ ایک مکمل انسانی مضابطہ حیات ہے۔



## جاں نثارانہ حیات اور اسلامی عبادات

﴿160﴾ اسلام کا مقصد انسانی سرگرمی کے مختلف میدانوں میں سے کسی ایک کو بھی نظر انداز کیے بغیر ایک مکمل ضدِ بطل حیات فراہم کرنا ہے۔ اسلام کا مقصد تمام متعلقہ عناصر و پہلوؤں میں ربط و توازن پیدا کرنا ہے۔ مرکزیت پیدا کرنے میں اسلام کی دلچسپی اس حقیقت سے ظاہر ہوتی ہے کہ تمام اسلامی عبادات کا تعلق بیک وقت جسم اور روح سے ہے۔ نہ صرف عارضی و دنیاوی عبادات مقدس اخلاقی کردار کے حصول کا ذریعہ بنتی ہیں کہ جب ان پر مقدس ہدایات کے مطابق عمل کیا جائے بلکہ روحانی عبادات کی بھی اپنی ایک افادیت ہوتی ہے۔ اسلامی طرزِ عمل کے اصول خواہ وہ روحانی ہوں یا عارضی و دنیاوی، دونوں کے ظہور پذیر ہونے کا ایک ہی ذریعہ قرآن پاک ہے جو کہ کامِ الہی ہے۔ ناقابلِ تردید حقیقت یہ ہے کہ اسلامی اصلاح کے مطابق امام کے معنی و مفہوم نہ صرف مسجد میں نماز کی امامت و سربراہی کرنے کے ہیں بلکہ اس کے معنی مسلمان ریاست کے سربراہ کے بھی ہیں۔

﴿161﴾ ایک مشہور حدیث میں دینی اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یقین (ایمان) اطاعت (اسلام) اور عمل کرنے کا بہترین طریقہ (احسان) وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ زیرِ بحث مضمون کی وضاحت کے مقصد کے لئے یہ باعثِ تعریف و قابلِ ستائش ہوگا کہ ہم حضورِ ربی اللہ علیہ وسلم کی ایک دوسرے موقع پر کہی گئی حدیث کا حوالہ دیں اور اُس کے متعلق ظہارِ خیال کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت (اسلام) کا حریقہ یہ ہے کہ ہر شخص نماز قائم کرے، سانا نہ روزے رکھے، حج بیت اللہ ادا کرے اور زکوٰۃ (ٹیکس) ادا کرے۔

## نماز

﴿162﴾ حدیث محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ ”نماز دین کا ستون ہے“۔ قرآن پاک میں سو سے زائد بار نماز کا ذکر کیا گیا ہے اور اسے مختلف مواقع پر صلوٰۃ (رغبت، میاں)، دعا (مانگنا، التجا کرنا)، ذکر (یاد کرنا)، تسبیح (حمد و ثناء)، انا بے (لگاو، ہنگامی) وغیرہ جیسے ناموں سے پکارا گیا ہے۔

﴿163﴾ زمین پر قادرِ مطلق کے اقتدارِ اعلیٰ کا اقرار کرنے کے لئے اسلام روزانہ پانچ نمازیں ادا کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ ہر شخص کو صبح بیدار ہوتے ہی نماز ادا کرنی چاہیے۔ اور ہر شخص کو صبح سویرے بیدار ہونا چاہیے۔ پھر ابتدائی دوپہر میں، آخری دوپہر میں، غروبِ آفتاب کے فوراً بعد اور رات کو سونے سے پہلے نماز ادا کرنی

چاہیے۔ ہر شخص کو ہر نماز کی ادائیگی کے چند منٹوں کے دوران تمام مادی دلچسپیوں سے قطع تعلق کرنا پڑتا ہے تاکہ وہ رب خالق و مالک کے حضور اپنی اطاعت و فرمانبرداری اور شکرگزاری و ممنونیت کا ثبوت پیش کر سکے۔ نماز ہر بالغ مرد اور عورت پر فرض ہے۔

﴿164﴾ ابتدائی دو پہر کی نماز ہر جمعہ کو باضابطہ طور پر بختہ دار اجتماعی عبادت میں تبدیل ہو جاتی ہے جس میں نماز کے کا امام نماز جمعہ سے پہلے خطبہ دیتا ہے۔ سلام میں سالانہ دو عیدیں منائی جاتی ہیں۔ ایک ماہ رمضان کے انتقام پر اور دوسری حج مکہ مکرمہ کے موقع پر منائی جاتی ہے۔ ان دونوں عیدوں پر روزانہ کی نماز، گناہ کے علاوہ ایک خاص نماز عید کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ پس صبح سویرے لوگ عید کی اجتماعی نماز کے لئے اکٹھے ہوتے ہیں جس کے بعد امام خطبہ دیتا ہے۔ ایک اور نماز جو فرض کی گئی ہے وہ نماز جنازہ ہے جو کہ مرحوم شخص کی تدفین سے پہلے ادا کی جاتی ہے۔

﴿165﴾ نماز کے معنی و پوشیدہ معانی اور پُر سررا اثرات کے بارے بات کرتے ہوئے ایک عظیم صوفی شاعر ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ ”جان و کہ بعض اوقات وجد و کیف کی مقدس کیفیت بجلی کی سی تیزی سے کسی شخص کا احاطہ و گھیراؤ کر لیتی ہے اور وہ شخص اپنے آپ کو عظیم ترین ممکنہ وابستگی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی دہلیز سے منسلک پاتا ہے۔ تب اُس شخص پر مقدس تبدیلی (تخلی) اترتی ہے جو اُس کی روح پر غلبہ پالیتی ہے۔ وہ شخص ایسی چیزیں دیکھتا اور محسوس کرتا ہے جو کہ انسانی زبان بیان کرنے سے قاصر ہے۔ ایک دفعہ جب تخلی کی یہ کیفیت انتقام پذیر ہوتی ہے، وہ شخص اپنی اصلی حالت میں واپس آ جاتا ہے اور اپنے آپ کو اس وجد و کیف کی کیفیت کی محرومی کے احساس میں مبتلا پاتا ہے۔ اس کے بعد وہ اُسی کیفیت میں جانے کی کوشش کرتا ہے جو اُسے چھوڑ چکی ہوتی ہے۔ اور اس عاجز دنیا کی اُس حالت کو اپنا لیتا ہے جو کہ مالک ارض و سماء کے عشق میں جذب و محو ہونے کی حالت سے قریب تر ہوتی ہے۔ یہ عزت و احترام اور جاں نثاری و وفاداری کا ایک انداز ہے اور مناسب و موزوں اعمال و الفاظ کے ہر کام پر رب تعالیٰ سے تقریباً براہ راست گفتگو کا ایک انداز بھی ہے۔ عبادت تین ضروری و لازمی عناصر پر مشتمل ہوتی ہے۔ ① اللہ تعالیٰ کی عظمت و بزرگی اور شانہ جاہ و جلال کی موجودگی کے احساس کے نتیجے میں دل (روح) کی عاجزی و انکساری ② موزوں و مناسب الفاظ و کلمات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی بزرگی و برتری اور انسان کی عاجزی و انکساری ③ تعظیم کے ضروری و لازمی انداز کا جسمانی اعضاء کے ذریعے اظہار کرنا۔۔۔ کسی کی تعظیم و تکریم کے اظہار کے لئے ہم اپنی پوری توجہ مرکوز کرتے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے چہرے کو اس کی جانب موڑتے ہیں۔ حتیٰ کہ بہت عزت و احترام کرنے کی حالت وہ ہوتی ہے جب ہم اپنے سر کو کسی کی تعظیم میں موڑتے اور جھکا دیتے ہیں پھر بھی بہت زیادہ احترام کا اظہار اپنے چہرے کو نیچے رکھنے سے ہوتا ہے۔ ایک شخص قابل تعظیم ہستی کی بارگاہ میں اپنا سر جتنا نیچے زمین سے لگاتا ہے اتنا ہی اُس شخص کی عاجزی و انکساری کے بلند ترین درجے کا اظہار ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک انسان اپنے روحانی ارتقاء کے درجے پر صرف آہستہ آہستہ ہی پہنچ سکتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس طرح کی

166 قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

(سورۃ الحج، آیت: 18)

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

تَسِيحُ لَهُ السُّلُوكَ الْغَيْبِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ ۚ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يَسْبِغْ  
بِحَمْدِهِ ۚ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْيِيحَهُمْ ۚ إِنَّكَ كَانَ رِجَالًا مَعْفُورًا ۝

(سورة بني اسرائيل: آيت: 44)

**ترجمہ** ”ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے اس (اللہ) کی پاکی بیان کرتے ہیں اور ایسی کوئی چیز نہیں جو اس (اللہ) کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ بے شک وہ بردبار بخشنے والا ہے۔“

درحقیقت نماز تمام مخلوقات کی عبادت کے طریقوں کو اکٹھا کر دیتی ہے۔ آسمانی اجسام سورج، چاند، ستارے نماز کی رکعت کے بعد رکعت کی طرح اپنے ابھرنے اور ڈوبنے کا عمل دہراتے ہیں۔ پہلا نماز میں قیام کی طرح کھڑے رہتے ہیں۔ چنانچہ نماز میں رکوع کی طرح مڑے اور جھکے ہوئے رہتے ہیں۔ جہاں تک درختوں کا تعلق ہے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی خوراک اپنی جڑوں سے حاصل کرتے ہیں جو کہ اُن کے منہ ہوتے ہیں اور دوسرے الفاظ میں اس کا یہ مطلب و مفہوم ہے کہ درخت نماز میں سجدہ کرنے یا اللہ تعالیٰ کے حضور جھکنے کی طرح ہمیشہ جھکے رہتے ہیں۔ مزید یہ کہ قرآن پاک کے مطابق پانی کا بنیادی مقصد پاک صاف کرنا ہے۔

ادْعُ إِلَى سَبِيلِ اللَّهِ اسْأَلْهُ عَنْهُ وَيُنْزِلْ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِيُطَهِّرَ بِهِ  
وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيُبَيِّنَ لَكُمْ آيَاتِهِ وَيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۝

(سورۃ الانفال آیت 11)

**ترجمہ** ”جس وقت اس (اللہ) نے تم پر اپنی طرف سے تسکین کے لئے اونچا ال دی  
اور تم پر آسمان سے پانی اتار تا کہ اس سے تمہیں پاک کر دے اور شیطانی نجاست تم سے  
دور کر دے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور اس سے تمہارے قدم جمادے۔“

پانی کے بنیادی مقاصد میں سے ایک مقصد صاف کرنا ہے اور اس کا موازنہ نماز کی خاطر وضو کے لئے پانی کی  
ضرورت کے ساتھ کیا جاسکتا ہے۔ قرآن پاک میں ایک اور ہدایت ارشاد ہوتا ہے کہ بجلی کی گرج خدا کی حمد کرتی ہے۔

وَيَسْبِيحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالسَّابِقُ خِيفَتِهِ وَيُرْسِلُ الرِّسَالَاتِ فَتُصِيبُ بِهَا مَنْ  
يَشَاءُ وَهُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللَّهِ وَهُوَ شَدِيدُ الْحَالِ ۝

(سورۃ امرئ: آیت 13)

**ترجمہ** ”اور بعد اُس (اللہ) کی پاکی کے ساتھ اس کی تعریف کرتا ہے اور سب فرشتے  
اُس کے ڈر سے (اس کی تسبیح کرتے ہیں) اور (اللہ) بجلیاں بھیجتا ہے پھر انہیں جس پر  
چاہتا ہے گرا دیتا ہے اور یہ تو اللہ کے بارے میں بھگرتے ہیں حالانکہ وہ بڑی قوت والا  
(ختم کړ والا) ہے۔“

یہ آیت ہمیں اللہ کبر کو اونچی آواز میں پڑھنے کی یاد دلاتی ہے۔ جسے نماز کے دوران بہت بار دہرایا جاتا ہے۔ حتیٰ  
کہ اگر ہم نماز کے دوران اونچی آواز میں تلاوت کو نظر انداز بھی کر دیں جو کہ کچھ نمازوں کے دوران اونچی آواز  
میں کی جاتی ہے اور کچھ کے دوران نہیں کی جاتی۔ غول کی شکل میں اُڑتے ہوئے پرندے بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت  
کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْبِيحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْظَّيْفُ صَلَفٌ  
كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ۝

(سورۃ النور: آیت 41)

**ترجمہ** ”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ آسمانوں اور زمین کے رہنے والے پرندے جو پر  
پھیلائے اڑتے ہیں سب اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں۔ ہر ایک نے اپنی نماز اور تسبیح سمجھ رکھی  
ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔“

جیسا کہ مسلمان اپنی باجماعت نماز میں کرتے ہیں۔ اسی طرح روزہ روزہ زندگی میں سائے کا پھیلنا اور سکرنا بھی اللہ

تعالیٰ کی اطاعت و بندگی کا ایک خاص انداز ہے۔ ارشاد رب العزت ہے  
 وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَظَلَّلَتْ لَهُمْ بِالْغُدُوِّ  
 وَالْاَضْحٰلِ

(سورۃ امرعد: آیت 15)

**ترجمہ** ”اور چاروں اچار اللہ ہی کو آسمان والے اور زمین والے سجدہ کرتے ہیں اور ان کے سرے بھی صبح اور شام (سجدہ) کرتے ہیں۔“

اسی طرح:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ  
 وَالْجَبُورُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالْاَنْبَاۗءُ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ  
 (سورۃ الحج: آیت 18)

**ترجمہ** ”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور سورج اور چاند و ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے انسان اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔“

نمازی بھی نماز کے دوران قیام، رکوع، سجدہ اور تعدہ کی صورت میں پھیلتے اور سکتے ہیں۔

پہلے بیان کیے گئے مختلف تلوقات کے اعمال کو نماز میں مجتمع کیا گیا ہے۔ اس میں ان اعمال کا اضافہ کیا گیا ہے جو دوسری تلوقات میں نہیں پائے جاتے اور انسان کے لئے مخصوص ہیں۔ (آگے اسی کتاب کا پیرا گراف نمبر 167 دیکھئے)۔

166 (الف) یہ بات لائقِ غادر ہے کہ نماز کے لئے اسلامی لفظ ”عبادت“ ہے جو کہ ”عبد“ (غلام) سے اخذ کیا گیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں عبادت یہ ہے کہ غلام وہ کرے جو اس کا آقا اس سے چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پہاڑوں سے ٹکڑے رتبے اور ہانورہوں سے جھکے رہنا کا تقاضا کرتا ہے۔ اور یہی ان کی نماز اور ان کی عبادت ہے۔ ہر ایک کے لئے عبادت کو وہ طریقہ ہے جو اسے چاہتا ہے اور وہ جو اس کا مالک اس سے چاہتا ہے۔ یقیناً انسان کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہے جو اسے اقل، اشراف المخلوقات اور خلیفۃ اللہ بناتا ہے۔

166 (ب) وضو یا مذہبی رسم کے طور پر غسل اور جسمانی صفائی و ستھرائی قبولیت نماز کی بنیادی شرط ہے جسے بعد میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔ (اسی کتاب کا پیرا گراف نمبر 549 دیکھئے)۔ ایک مسلمان فلسفی نے بڑے بہترین انداز میں وضو کی ہمت بیان کی ہے۔ وضو کے لئے ایک شخص کو اپنے ہاتھ، منہ، ناک، چہرہ، بازو، سر، کان اور بازو دھونے پڑتے ہیں۔ ان تمام اعضاء کو دھونے سے نہ صرف بیرونی صفائی و پاکیزگی حاصل ہوتی ہے بلکہ یہ ماضی سے متعلق برے اعمال بارے پھتارے اور مستقبل سے متعلق عزم و ارادہ کرنے کا

ذریعہ بھی ہے۔ پچھتاوا ماضی کے گناہوں کو دھو دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کے ذریعہ مدد طلب کرتے ہوئے عزم و رادہ کرنے کا تعلق ہماری آئندہ زندگی سے ہوتا ہے اور اس کا تعلق ہمارے ایسے بنیادی اعضاء سے ہوتا ہے جن کے ذریعے غلطی سرزد ہوتی ہے۔ ہاتھ حمہ کرتے ہیں، منہ بولتا ہے، ناک سونگھتا ہے، چہرہ یا موضع قطع و قار کو نقصان پہنچانے کے ساتھ ساتھ اثر اور باؤ ڈالنے کا باعث بھی بنتے ہیں۔ ہاتھ تھانتے ہیں، دماغ سوچتا اور منصوبے بناتا ہے، کان سنتے ہیں، قدم برائی کے راستے پر چلتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ ہم انسانی گناہ بارے بات نہیں کرتے جس سے کوئی بھی شخص طہارت ماننے میں پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ پاکیزگی کا یہ عالمی اثر و صفویان پہلو دعاؤں کے اُن طریقہ ہائے کار کے ذریعے ثابت و ظاہر ہوتا ہے جو کہ ہم وضو کے دوران ہر عضو کو دھوتے وقت پڑھتے ہیں۔ طہارت خانے میں ہم کہتے ہیں کہ ”اے اللہ، میرے دل کو منافقت سے پاک کر دے اور میرے نفس کو شر و ناک اعمال اور زنا بالقصد سے بچا۔“ ایک شخص وضو کی نیت ان الفاظ میں باندھتا ہے: ”سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے پانی کو خالص اور پاک صاف کرنے والا بنایا ہے۔“ جب وہ اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اللہ سے دعا کرتا ہے کہ ”روز قیامت میرے چہرے کو روشن کرنا اور اسے تاریک نہ کرنا۔“ بازو دھوتے وقت دعا کرتا ہے کہ ”میرے بازوؤں کو برے کاموں کے لئے نہیں بلکہ اچھے کاموں کے لئے استعمال کرنا، قیامت کے دن نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں نہیں بلکہ دائیں ہاتھ میں دینا اور میرا حساب مجھ پر مشکل نہیں بلکہ آسان کر دینا۔“ صبح کرتے وقت دعا کرتا ہے کہ ”اے اللہ مجھے مفید علم سکھا۔“ کانوں کو دھوتے وقت دعا کرتا ہے کہ ”مجھے قرآن پاک اور احادیث مبارکہ سننے کی توفیق عطا فرما۔“ اور پاؤں دھوتے وقت دعا کرتا ہے کہ ”پل صراط سے گزرتے وقت میرے قدموں کو استحکام عطا کرنا اور میرے قدموں کو اُس دن ٹھوکریں کھانے سے بچانا جس دن تیرے دوستوں کے قدم مضبوط و جتے ہوئے ہوں گے اور تیرے دشمنوں کے قدم ڈگمگا رہے ہوں گے۔“

﴿167﴾ شب معراج کے موقع پر مسلمانوں کے لئے روزانہ کی پانچ نمازیں فرض کی گئیں۔ شفیع المذنبین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید ارشاد فرمایا کہ مومن کی نماز اس کے مرتبے کی بندی کا ذریعہ ہوتی ہے اور نماز سے اُس کا رتبہ اللہ تعالیٰ کے حضور بلند ہو جاتا ہے۔ یہ الفاظ بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ آئیے دیکھیں کہ ایک مسلمان اپنی نماز کس طریقے سے ادا کرتا ہے۔ سب سے پہلے وہ کھڑا ہوتا ہے، اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ ”اللہ سب سے بڑا ہے۔“ پس اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو معبود ماننے سے انکار کر دیتا ہے اور اپنے آپ کو صرف اللہ کی رضا و خوشنودی کے لئے وقف کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور صفات بیان کرنے کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کے شاہانہ جاہ و جلال اور شان و شوکت کے آگے اتنی عاجزی و انکساری محسوس کرتا ہے کہ خوئے نیچے جھکتا ہے اور اپنے سر کو تعظیماً بارگاہِ خداوندی میں جھکاتے ہوئے یہ اعلان کرتا



ہے کہ ”پاک ہے وہ رب جو بڑی عظمت والا ہے۔“ پھر وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے کہ اُس رب رحیم و کریم نے اُسے ہدایت بخشی اور اس کا ذہن رب تعالیٰ کی عظمت و بزرگی سے اس قدر متاثر ہوتا ہے کہ وہ اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے حضور جھکنے پر مائل محسوس کرتا ہے اور بڑی عجزی و انکساری کے ساتھ اپنا سر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدے میں رکھ دیتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ ”پاک ہے وہ رب جو سب سے بلند و برتر ہے۔“ وہ ان افعال کو بار بار دہراتا ہے یہاں تک کہ اُس کا جسم اس روحانی مشق کا مادی ہو جاتا ہے اور آہستہ آہستہ اس کا مرتبہ بلند سے بلند تر ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس مادی دنیا سے بے نیاز ہوتے ہوئے آسمانی فضا سے گزر کر اللہ تعالیٰ کے دربار میں داخل ہو جاتا ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ کے حضور سام کا نذرانہ پیش کرتا ہے اور اپنے سلام کا جواب وصول کرتا ہے۔ دراصل وہ اس مقصد کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس سنت پر عمل کرتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کے موقع پر قائم کی تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کے ساتھ آجھ اس انداز میں آداب و تسلیمات کا تبادلہ کیا تھا۔ ادب و تعظیم کے سب کلمات، تمام دعائیں و عبادات، تمام پاکیزہ باتیں اور عمل اللہ ہی کے لئے ہیں۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکتیں بھی ہوں۔ ہم سب پر اور اللہ تعالیٰ کے ہم پر بیہزار بندوں پر بھی سلام ہو۔“ مادی اور بتوں جیسی علامات کے بغیر ایک نمازی رب قادر مطلق کی جانب روحانی سفر کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے حضور سلام کا نذرانہ پیش کر سکے جس کے لئے کچھ لوگ ”رازد نیاز آ میز رابطہ“ کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔

﴿168﴾ یہ نماز کے روحانی فضائل ہیں۔ جہاں تک نماز کے مادی فضائل کا تعلق ہے نماز کے متعدد مادی فضائل ہیں۔ نماز ایک علاقے کے باشندوں کو روزانہ پانچ وقت جمع کرتی ہے اور انہیں ان کے یکسانیت آمیز پیشہ وارانہ انفرادی فرائض کے دوران کچھ مٹھوں کے لئے سکون و اطمینان کا موقع فراہم کرتی ہے اور اونچے طبقے سے نچلے طبقے تک کی شخصیات کو مکمل برابری کی سطح پر ایک ہی جگہ اکٹھا کرتی ہے (کیونکہ وہ علاقے کا سربراہ ہوتا ہے جسے امامت کا فریضہ سرانجام دینا ہوتا ہے اور دار الحکومت کی مرکزی مسجد میں یہ فریضہ ریاست کا سربراہ خود سرانجام دیتا ہے)۔ پس ایک شخص نہ صرف اپنے علاقے کے دوسرے باشندوں سے ملاقات کرتا ہے بلکہ اُس علاقے کے ذمہ دار اہلکاروں سے بھی ملاقات کرتا ہے اور بغیر کسی باضابطہ کارروائی یا رکاوٹ کے ان تک رسائی و پہنچ حاصل کر لیتا ہے۔ نماز کا معاشرتی پہلو یہ ہے کہ ایک صاحب ایمان اپنے گُرد اللہ تعالیٰ کی مطلق حکمرانی و حکومت محسوس کرتا ہے۔ اور فوجی اصول پسندی پر مبنی ریاست میں رہتا ہے۔ مؤذن کے بلائے پر تمام لوگ مسجد کی جانب دوڑتے ہیں۔ امام کے پیچھے ترتیب وار صفوں میں کھڑے ہوتے ہیں اور تمام لوگ مکمل یکسانیت اور ربط کے ساتھ ایک جیسے افعال اور حرکات و سکنات کرتے ہیں۔ مزید یہ کہ کربا ارض کے تمام حصوں میں نمازی اپنی نماز کے دوران اپنے چہرے ایک ہی مرکزی نقطہ، احبہ شریف یا مکہ مکرمہ میں موجود اللہ تعالیٰ کی

طرف موڑتے ہیں۔ یہ بات انہیں مرتبے، نسل یا علاقے کے امتیاز کے بغیر امت مسلمہ کے اتحاد و یکجہت کی یاد دلاتی ہے۔

﴿169﴾ عبادت کا سب سے افضل اور باضابطہ طریقہ باجماعت نماز ہے۔ اس طرح کے مکان یا مناسب و موزوں سہولت کی عدم دستیابی کی صورت میں مرد ہو یا عورت اکیلے اور انفرادی طور پر نماز ادا کرتے ہیں۔ دن میں پانچ نمازوں کا مطلب یہ نہیں ہے کہ 24 گھنٹوں کے دوران تقریباً 24 منٹ بارگاہِ خداوندی میں یا اللہ تعالیٰ کی یاد میں کم سے کم درجے کے فرض کی صورت میں گزارنے جائیں بلکہ دراصل ایک صہ حسب ایمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر لمحہ چاہے خوشی میں ہو یا غم و الم کی کیفیت میں، کام میں مصروف ہو یا بستر میں آرام کر رہا ہو یا کسی بھی شعبے میں مصروف ہو اللہ تعالیٰ کو یاد کرے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿١٦٩﴾  
الَّذِينَ يَذْكُرُونَ أَنَّهُ قِيَمًا وَقَعُودًا أَوْ عَلَ جُؤُومًا وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ  
وَالْأَرْضِ مِمَّا خَلَقَتْ هَذَانَا جُلًّا سُبْحَانَكَ قَدَّارُ الْعَذَابِ السَّارِ ﴿١٧٠﴾  
(سورۃ آل عمران: آیت 190 تا 191)

**ترجمہ** ”بے شک آسمان اور زمین کے بنانے اور رات اور دن کے آنے جانے میں عقل مندوں کے لئے نشانیاں ہیں وہ جو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کھڑے اور بیٹھے یاد کرتے ہیں اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں فکر کرتے ہیں (کہتے ہیں) اے ہمارے رب تو نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا۔ تو سب عیبوں سے پاک ہے ہمیں اور تجھ کے عذاب سے بچا۔“

اللہ تعالیٰ نے انسان کے فائدے اور استعمال کے لئے کائنات کو اس کے تابع کیا ہے لیکن کائنات میں موجود آسائشوں سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ انسان کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں و برکتوں کی قدر فزائی و شکرگزاری اور اللہ تعالیٰ کی فراموشی و اطاعت بھی کرنی چاہیے۔ اور اللہ تعالیٰ کے خلاف بغاوت اور اپنے ساتھی انسانوں کے ساتھ نا انصافی نہیں کرنی چاہیے۔

﴿170﴾ یہاں یہ بات لائقِ توجہ ہے کہ جس لمحے نماز فرض کی گئی اسی لمحے قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی:

لَا يَكْفُرُ اللَّهُ تَسْمًا إِلَّا لِسَعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا كَسَبَتْ رَبَّنَا لَا  
تُؤَاخِذْنَا إِنْ نُسِينَا عَنْ ذُنُوبِنَا رَبَّنَا وَلَا تُخِزْنَا عَلَيْنَا إِمْرًا كَسَبْتَهُ عَلَى  
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْنَا مَا لَا طَائِفَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا  
وَاعْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا إِنَّكَ أَنْتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٢٨٦﴾  
(سورۃ البقرہ: آیت 286)

**ترجمہ** ”اللہ کسی کو اس کی طاقت کے سوا تکلیف نہیں دیتا۔ نیکی کا فائدہ بھی اسی کو ہوگا اور برائی کی زد بھی اسی پر پڑے گی۔ اے رب ہمارے! اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کریں تو ہمیں نہ پکڑ۔ اے رب ہمارے! اور ہم پر بھاری بوجھ نہ رکھ جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر رکھا تھا۔ اے رب ہمارے! اور ہم سے وہ بوجھ نہ اٹھا جس کی ہم میں طاقت نہیں اور ہمیں معاف کر دے اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر۔ تو ہی ہمارا کارساز ہے۔ کافروں کے مقابلہ میں تو ہماری مدد کر۔“

لگاؤ خداوندی میں ایک چیز کی تعداد یا اس کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے استعمال کیے گئے طریقہ کار کی نہیں بلکہ اُس چیز بارے رضا و ارادے اور عزم و استقلال کی اہمیت ہوتی ہے۔ اگر ایک چھوٹا شخص انسان ایمان داری سے اُس بات پر ایمان و یقین رکھتا ہے کہ وہ روزانہ کی نماز پنجگانہ ادا کرنے کے قابل نہیں ہے تو اُسے اس کے مواقع اور حالات و واقعات اور رکاوٹ کے دورانیے کے مطابق روزانہ چار بار، تین بار، دو بار حتیٰ کہ ایک بار نماز ادا کرنا چاہیے۔ ضروری و لازمی نکتہ یہ ہے کہ کسی بھی شخص کو مادی اور دنیاوی سوچوں و فکروں کے درمیان اپنا روحانی فرض نہیں بھوانا چاہیے۔ نماز میں اس طرح کی رعایت و تخفیف کی اجازت غیر معمولی حالات میں دی جاتی ہے جیسا کہ جب کوئی شخص بیمار ہو اور اُسے بے ہوشی دورے پڑتے ہوں یا وہ ناگزیر فرائض سرانجام دینے میں مصروف ہو۔ اس بارے ہم خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔ دراصل یہ بیان کیا جاتا ہے کہ غزوہ خندق کے دوران ایسا ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح، عصر، مغرب اور عشاء یہ تمام چار نمازیں رات کو اکٹھی ادا کیں۔ کیونکہ دشمن نے تمام دن کے دوران ادائیگی نماز کے لئے آرام کی ایک گھڑی بھی مہیا نہیں کی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام نمازیں دو حصوں میں ادا کیں۔ ایک اور جگہ حضرت ابن عباسؓ جیسے معتبر صحابی یہ بیان کرتے ہیں کہ (بحوالہ بخاری و مسلم، ترمذی، ابن فضال، مالک اور خاص طور پر صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ باب النجم بن الصلوٰۃ فی النضر نمبر 49، 50، 54) ”بعض اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی ادا کرتے تھے جب کہ نہ ہی دشمن کا کوئی خوف ہوتا تھا اور نہ ہی سفر کی کوئی تکلیف ہوتی تھی۔“ مزید اضافہ کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ ”اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو کوئی تکلیف نہ ہونی چاہیے۔“ یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ یقیناً یہ سب کچھ ہر صاحب ایمان کے اپنے غمیر پر منحصر ہوتا ہے جو کہ ذاتی طور پر اللہ تعالیٰ کے آگے اپنے اعمال کا ذمہ دار ہوتا ہے وہ اللہ جسے نہ تو کوئی دھوکا دے سکتا ہے اور جس سے نہ ہی کوئی بھی چیز غلطی و پوشیدہ رکھی جاسکتی ہے۔ ایک بار پھر نماز کے اوقات بارے سوال پیدا ہوتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ عام ملکوں (استوائی۔ منطقہ حارہ) کے درمیان اور وہ علاقے جو دور ہیں اور قطبین تک پھیلے ہوئے ہیں سورج کے طلوع اور غروب ہونے کے اوقات میں بہت زیادہ فرق ہے۔ الہیرونی کے جائزے کے مطابق سورج چھ ماہ تک غروب رہتا ہے اور بھر مسلسل چھ ماہ

تک روشنی پھیلانے کے لئے طلوع رہتا ہے۔ (نقطہ اعتدال کے دنوں کے علاوہ)۔ اسلامی قانون دان اور ماہر علمائے دین اس بات کو متفقہ طور پر تسلیم کرتے ہیں کہ 45 ڈگری متوازی سے 90 ڈگری متوازی تک جو گھٹنے ہوتے ہیں ان میں نماز جائز ہوتی ہے۔ قطبین تک اور ان علاقوں میں جو کہ 45 ڈگری متوازی سے 90 ڈگری متوازی کے درمیان محیط ہیں ان علاقوں میں ہر شخص کو سورج کے حساب سے نہیں بلکہ گھڑی کے حساب سے نماز پڑھنی ہوتی ہے۔ یہ اصول نماز کے ساتھ ساتھ روزوں اور اس طرح کے دوسرے فرائض پر بھی لاگو ہوتا ہے۔

171 ماہواری اور زچگی کے دوران عورتوں کو نماز سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔

172 مومن کا دوسرا مذہبی فریضہ ہر سال ایک ماہ کے روزے رکھنا ہے۔ ہر شخص جو کہ استوائی اور منطقہ حارہ ملکوں میں بستا ہے اُس پر یہ پابندی عائد ہوتی ہے کہ وہ ماہ رمضان کے دوران ہر روز صبح سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے، پینے اور سنگریٹ نوشی سے پرہیز کرے۔ (اس میں دیکسین اور انجیشن بھی شامل ہیں)۔ اور اسی کے مساوی مدت اُن مسلمانوں کے لئے بھی ہے جو کہ اُن علاقوں میں رہتے ہیں جو کہ ارض کے مرکز سے بہت دور ہیں۔ وہ لوگ 45 ڈگری متوازی پر گھنٹوں کی تعداد کی بنیاد پر روزے رکھیں۔ جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔ بیمار افراد کے بارے ہم بعد میں اسی کتاب کے پیرا گراف نمبر 174 میں بات کریں گے۔ یہ کتنا غلط نہیں ہوگا کہ اسی طرح ایک مسلمان شخص کا نفسانی خیالات اور اس طرح کی دوسری لذتوں سے پرہیز کرنا ضروری ہے جو کہ روحانی طرز و اصولوں کے برعکس و متضاد ہیں۔ یہ بہت سخت گیر اصول ہے جو کہ دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کے لئے مشکل ثابت ہو سکتا ہے۔ تاہم اگر نو مسلم افراد بھی مضبوط قوت ارادی اور دین سے رغبت و میلان کا مظاہرہ کریں تو وہ بہت جلد اس اصول کے عادی ہو جاتے ہیں جیسا کہ صدیوں کے تجربات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔

173 روزے ایک ماہ پر محیط ہوتے ہیں اور جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ اسلام خالصتاً قمری مہینوں کو شمار کرتا ہے۔ نتیجتاً ماہ صیام یعنی رمضان باری باری سال کے تمام موسموں خزاں، سردی، بہار اور گرمی کے ہر حصے میں گردش کرتا ہے اور ہر شخص موسم گرم کی چٹپٹائی و جل دینے والی گرمی کے ساتھ ساتھ موسم سرما کی سخت سردی میں بھی روزے کی تمام سختیوں کا عادی ہو جاتا ہے اور ہر شخص یہ تمام تکالیف صرف اور صرف روحانی اصولوں کے تحت اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری و اطاعت کے باعث برداشت کرتا ہے۔ ایک ہی وقت میں ایک شخص دوسرے فوائد و ثمرات کے ساتھ ساتھ روزے کے دنیوی و مادی ثمرات و فوائد بھی حاصل کر لیتا ہے جن میں حفظانِ صحت، فوجی تربیت، قوتِ ارادی کی نشو و نما شامل ہیں یہاں تک کہ ان میں نماز کی ادائیگی کے نتیجے میں حاصل ہونے والے ثمرات و فوائد بھی شامل ہیں۔ یہ فوجی ہی ہیں جنہیں کسی بھی دوسرے شخص سے زیادہ محاصرے اور جنگ کے دوسرے مواقع کے دوران خوراک کی سختیوں سے نبرد آزما ہونا پڑتا ہے اور پھر بھی وہ اپنی حفاظت و عمرانی کے فرض کو جاری رکھتے ہیں۔ پس سب سے زیادہ احمق و بے وقوف حکمران یا سپہ سالار اعلیٰ وہ ہوگا جو اپنی فوج کو ماہ رمضان کے دوران روزے رکھنے سے روکے گا۔ لیکن یہ دہرانا ضروری و لازمی ہے کہ روزے کا خاص اور بنیادی

مقصد مذہبی عمل اور روحانی مشق ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا باعث بنتی ہے۔ اگر کوئی شخص صرف دنیاوی و مادی مقاصد کے لئے روزہ رکھتا ہے..... مثال کے طور پر ذاکر کی ہدایت پر..... تو وہ اپنے مذہبی فرض کی تکمیل سے بہت دور ہوگا اور اُسے روحانی طور پر بھی کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

﴿174﴾ ماہِ رجب کے دوران عورتوں کے لئے نماز کی طرح روزے رکھنا بھی ضروری نہیں ہوتا۔ تاہم اس فرق کے ساتھ کہ انہیں بعد میں چھوڑے گئے روزوں کی تعداد کے برابر دوسرے دنوں میں اُسی تعداد میں روزے رکھ کر چھوڑے گئے روزوں کو پورا کرنا پڑتا ہے۔ یہی اصول یہ رہا کہ ہوتا ہے جہاں تک بہت ضعیف و بزرگ انسان کا تعلق ہے اُس کے لئے رمضان کے روزے رکھنا ضروری نہیں ہوتا تاہم اگر اس کے پاس وسائل ہیں تو اسے چاہیے کہ ماہِ رمضان میں ہر روز ایک غریب کو کھانا کھلائے۔

﴿175﴾ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلسل کئی روز تک (مثال کے طور پر 48 گھنٹے یا 72 گھنٹے) پورے ایک سال تک، یا پوری زندگی کے دوران روزے رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ حتیٰ کہ یہ ممانعت ان لوگوں کے لئے بھی ہے جو کہ روحانی عبادات کے ذریعے ثواب و اجر حاصل کرنے کے لئے اپنے جوش و جذبے کے تحت ایسا کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”حتیٰ کہ تم پر اپنے آپ کو نحیف و کمزور کرنے سے متعلق بھی فرائض ہیں۔“ رمضان المبارک کے فرض روزے کے علاوہ ایک شخص فطری روزے رکھ سکتا ہے۔ اگر ایک شخص چاہتا ہے کہ وہ وقت بہ وقت روزے رکھے تو اس طرح کے رضا کارانہ یا فطری روزے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وقت میں دو دن روزہ رکھنے کی ہدایت کی ہے۔ طبی نکتہ نگار سے ایک شخص کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ لگاتار روزے رکھنے سے یہ ایک عادت و فطرت بن جاتی ہے اور اس کے وہ اثرات نہیں ہوتے جو اثرات و فتنوں کی صورت میں روزہ رکھنے سے ہوتے ہیں۔ ایک مہینے سے کم روزے رکھنے سے اچھے اثرات مرتب نہیں ہوتے اسی طرح 40 دن سے زیادہ روزے رکھنے سے یہ ایک عادت بن جاتی ہے۔

﴿175﴾ (الف) یہ انسانی معاشرے کا ایسا انوکھا و منفرد نظریہ ہے کہ انسان کو اپنی کمائی کا دسواں حصہ یعنی ”عشر“ اللہ تعالیٰ کو ادا کرنا ہوتا ہے۔ فصل کا عشر اس کی ایک مثال ہے۔ روزے کی صورت میں ہم اللہ تعالیٰ کو اپنی خوراک کا عشر ادا کرتے ہیں۔ اور پھر رب رحمن و رحیم ہمیں اس کا اجر بھی اسی طرح عطا فرماتا ہے۔ ارشاد رب العزت ہے کہ:

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرٌ مِّثَالِهَا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلُهَا  
وَهُمْ لَا يَظُنُّونَ ﴿۱۶۰﴾

(سورۃ النعام: آیت 160)

ترجمہ ”جو کوئی ایک نیکی کرے گا اس کے لئے دس گنا اجر ہے اور جو بدی کرے گا تو اسے اسی کے برابر سزا دی جائے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔“

یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ ایک اچھے کام کا دس گنا ثواب و انعام دیتا ہے۔ اس بات کی تصدیق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ ”ایک شخص کا ماہ رمضان المبارک کے روزے رکھنا اور اس کے بعد شوال کے مزید چھ روزے رکھنا ایسا ہے کہ جیسے اُس نے پورا سال روزے رکھے۔“ دراصل ایک اسلامی قمری سال کے 355 دن ہوتے ہیں اور ایک قمری مہینہ بعض اوقات 29 اور بعض اوقات 30 دن پر مشتمل ہوتا ہے۔ پس ایک مسلمان ہر سال 35 یا 36 دن روزے رکھتا ہے جن کا دس گنا ثواب ملتا ہے۔ 350 یا 360 دنوں کی اوسط 355 دن ہے جو کہ قمری سال کے کل دنوں کی تعداد ہے۔

176 ﴿صوفیائے کرام﴾ اپنے علم و تجربے کی بیاد پر بیان کرتے ہیں کہ شدت پسند حیوانی فطرت انسانی روح کی تکمیل میں رکاوٹ پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے۔ روح کے مقابلے میں جسم کو زیر و مغلوب کرنے کے لئے جسم کی طاقت کو ختم کرنا اور روح کی طاقت میں اضافہ کرنا از حد ضروری و لازمی ہے۔ تجربہ یہی بتاتا ہے کہ اس مقصد کے لئے بھوک، پیاس، نفسانی خواہشات سے قطع تعلقی، زبان، دل و دماغ کے ساتھ ساتھ دوسرے اعضاء پر مکمل کنٹرول کے علاوہ اور کوئی بھی چیز اتنی کارگر ثابت نہیں ہوتی جتنی کہ یہ سب ہوتی ہیں۔ انفرادی تکمیل کے دیگر نمایاں عناصر میں سے ایک بنیادی عنصر حیوانی فطرت کو عقل و فہم اور روح سے کمتر و ماتحت بنانا ہے۔ بعض اوقات فطرت بغاوت کرتی ہے جب کہ بعض اوقات اس کا رویہ اطاعت شعاری و فرہ نیرداری لئے ہوئے ہوتا ہے۔ اسی لئے ایک شخص کا روزے جیسی سخت مشقوں اور مشقتوں پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے تاکہ وہ حیوانیت سے خبردار رہ سکے۔ اگر ایک شخص گناہ کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ روزے کی صورت میں جہنم لینے وان نفس کشی اور توبہ و پشیمانی کے ذریعے اپنی روح کو تسکین پہنچانے کے ساتھ ساتھ اُسے پاکیزہ و مطہر کر سکتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ اعمال انسان کی قوت ارادی کو مضبوط و مستحکم کرنے کا باعث بھی بنتے ہیں تاکہ وہ دوبارہ برائیوں کی طرف راغب نہ ہونے پائے۔ صوفیائے کرام یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ کھانا، پینا فرشتوں کا وصف و خصوصیت نہیں ہے اور فرشتوں کا یہی طور طریقہ اپنے سے انسان فرشتوں کے ساتھ اپنی ذات کی زیادہ سے زیادہ مماثلت پیدا کرتا ہے اور پھر تب سے ہی اُس کے اعمال کا مقصد رب قادر و قدیر کے احکامات پر عمل کرنا ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا و خوشنودی حاصل کر لیتا ہے جو کہ انسان کا اولین مقصد ہے۔

## ج

177 ﴿جج﴾ کے لفظی معنی سفر کرنے یا دوسرے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی جانب سفر کرنے اور کسی چیز کو کفویت دینے اور نمایاں کرنے کی کوشش و کاوش کرنے کے ہیں۔ یہی طور پر اس اصطلاح کو زیارت کے معنی دینے جاتے ہیں حالانکہ یہ معنی و مفہوم لفظ جج کی صحیح اہمیت و افادیت کو اجاگر کرنے سے کوسوں دور ہے۔ حج مسلمانوں کا تیسرا مذہبی فریضہ ہے۔ ہر بالغ مرد اور عورت پر اپنی زندگی میں ایک مرتبہ تک مکہ مکرمہ جانا فرض ہے تاکہ وہ وہاں اپنی اتاو

خود پسندی کو فنا کرنے کی عظیم و بھرپور کوشش کر سکے یا دوسرے الفاظ میں یہ کہ وہ اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے تابع کر سکے۔ وہ لوگ جن کے پاس اس سفر پر جانے کے لئے مادی ذرائع موجود نہیں ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ لیکن کون سا مسلمان ہوگا جو ضروری رقم تھوڑی تھوڑی کر کے جمع نہیں کرے گا تاکہ وہ ایک دن مذہب اسلام کے مرکز کعبہ یعنی اللہ تعالیٰ سے گھر جانے کے قابل ہو جائے؟ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ ﴿٩٦﴾

(سورۃ آل عمران: آیت 96)

**ترجمہ** ”بے شک لوگوں کے واسطے جو سب سے پہلا گھر مقرر ہوا۔ یہی ہے جو بکہ

(مکہ) میں ہے۔ برکت والا ہے اور سب جہانوں کے لئے رہنما ہے۔“

قرآن پاک مبالغہ آرائی سے کام نہیں لیتا جب کہ وہ کہتا ہے کہ کعبہ اللہ دنیا کا سب سے قدیم ترین گھر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانیت کے لئے رہبر و رہنما اور توحید سے متعلق مذہبی رسوم ادا کرنے کی جگہ ہے۔ اگر کوئی شخص شخص حضرت ابراہیم کے بارے میں سوچے جنہوں نے حضرت آدم کی تعمیر کردہ شاندار عمارت کو دوبارہ تعمیر کیا۔ پھر بھی کعبہ اللہ حضرت سلیمان کے تعمیر کیے گئے یہ وہ خلم کے عبادت گاہ سے زیادہ قدیم ہوگا۔ کوئی بھی دوسری عبادت گاہ کعبہ اللہ سے زیادہ قدیم نہیں ہے جو ابھی تک عبادت گاہ کے طور پر استعمال کی جا رہی ہو۔

**178** حج کی رسومات کا مختصر ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے مکہ مکرمہ کے گرد ایک مقدس علاقے کی سرحد پر ایک حاجی اپنا عام لباس اتار دیتا ہے اور کپڑے کی دو چادریں مذہبی دروی کے طور پر ڈھلے لیتا ہے۔ ایک کپڑا نچلے حصے کو اور ایک سبندھوں کو ڈھانپنے کے لئے۔ یہ لباس جو کہ عورتوں کے لئے نہیں بلکہ مردوں کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ مرد ننگے سر ہوتا ہے اور ایک شخص حج کے سات دنوں کے دوران اپنے آپ کو بھوننے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ مکہ مکرمہ کے مضافات میں واقع عرفات کے میدان میں جاتا ہے اور وہاں ایک دن مراقبہ میں گزارتا ہے شام کے وقت وہ وہاں سے عزوفہ جاتا ہے اور وہاں ایک رات گزارتا ہے اور پھر اگلی صبح مکہ کے در افتادہ علاقے منی پہنچتا ہے۔ منی میں وہ تین دن قیام کرتا ہے اور ان تین دنوں کے دوران ہر روز شیطان کو کنکریاں مارتا ہے۔ بکرے وغیرہ کی قربانی دیتا ہے، کعبہ کے سردسات دفعہ طواف کی رسم پوری کرنے کے لئے کعبہ میں مختصر قیام کرتا ہے۔ اور کعبہ کے سامنے واقع صفا اور مرہ کی پہاڑیوں کے درمیان دوڑتا ہے یہاں علاقہ منی میں مظہر بھی بیان کیا جاسکتا ہے۔

**179** حضرت آدم اور اماں ۱۰ اجنت سے نکالے جانے کے بعد ایک دوسرے سے جدا ہو گئے اور زمین میں کھو گئے۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کو تلاش کیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے عرفات کے مقام پر ایک دوسرے سے ملے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی شکر گزاری و ممنونیت کے اظہار کے لئے حضرت آدم اور اماں حوائج پیر و کار اللہ تعالیٰ کی جانب رخ کرتے ہیں اپنے آپ کو فراموش کرنے کی کوشش کرتے ہیں

اور اپنے آپ کو اس نظر سے کہ تحت اللہ تعالیٰ کے تابع رہتے ہیں کہ التجا والتماس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے اپنے بچنے گناہوں کو تائبوں کی مغفرت طلب کریں اور مستقبل کے لئے رب رحیم و کریم کی مدد کے خواستگار بنوں۔

﴿180﴾ جہاں تک شیطان کو کنکریاں مارنے کا تعلق ہے تو اس بات کا ذکر کیا جاسکتا ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے کسی بھی دوسری شے سے بڑھ کر محبت کرنے کا دعویٰ کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اُن سے ثبوت کے طور پر اُن کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی قربانی دینے کو کہا تھا۔ اِس زمانہ میں انسانی کی غرض سے شیطان پہلے حضرت ابراہیمؑ کے پاس گیا تاکہ انہیں ان کے عزم و ارادے سے باز رکھے۔ اور یہ کہا جاتا ہے کہ یہ سب منیٰ کے مقام پر وقوع پذیر ہوا۔ لیکن حضرت ابراہیمؑ نے ہر دفعہ شیطان پر پتھر پھینکتے ہوئے اُس کا دور تک پیچھا کیا۔ پھر وہ حضرت نبی جابرؑ کے پاس گیا اور سب سے آخر میں حضرت اسماعیلؑ کے پاس گیا لیکن ان دونوں نے بھی اُس کے ساتھ وہی ہی سلوک کیا۔ پس ایک حاجی عامی طور پر یہ عمل دہراتا ہے اور شیطانی ترغیبات سے لڑنے کا مصمم و پکا ارادہ کرتا ہے۔

﴿181﴾ ”اللہ تعالیٰ کے گھر“ جانا ایک تشریح و وضاحت طلب موضوع ہے۔ ایک شخص غزت و تکبر اور عجز و انکسار کے مرکب اپنی فرمانبرداری و اطاعت شعاری کا ثبوت پیش کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے گھر جاتا ہے۔ ایک شخص کافیت و محبت، کسی کی فکر یا پروا کرنے اور جاں نثاری و وفاداری کے جذبے کے تحت اپنی کسی چیز کی قربانی دینے پر آمادگی کا اظہار کرنے کے لئے کسی چیز کے گرد طواف سنا بہت ہی پرانا و قدیم رواج و دستور ہے۔

﴿181﴾ (الف) حجرِ اسود کے متعلق بہت سی غلط فہمیوں کی وجہ سے اس کا خاص طور پر ذکر کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ شہاب ثاقب نہیں بلکہ ایک کالا پتھر ہے اِس کی عملی اہمیت یہ ہے کہ طواف کے مقام آغاز کی نشاندہی کرتا ہے۔ اور اس کا رنگ اسے عمارت میں واضح نمایاں کرتا ہے۔ دوسرا یہ کہ اِس پتھر کی پوجا و عبادت نہیں کی جاتی نہ ہی مسلمان اِس کی جانب رخ کر کے سجدہ کرتے ہیں۔ سجدہ تو کعبہ کی عمارت کے کسی بھی حصے کی جانب رخ کر کے کیا جاتا ہے۔ پس اس بات کا ذکر کیا جاسکتا ہے کہ جب ایک دفعہ قرامطیوں نے مکہ مکرمہ پر حملہ کیا تھا اور وہ حجرِ اسود کو اپنے ساتھ مالِ غنیمت کے طور پر اٹھالے گئے تھے اور حجرِ اسود کئی سال تک وہیں رہا تھا۔ حجرِ اسود کی اِس غیر حاضری کے دوران کسی بھی مسلمان نے اُس جانب رخ نہیں کیا کہ عمان میں جس جانب حجرِ اسود رکھا گیا تھا۔ بلکہ مسلمانوں نے مکہ مکرمہ میں واقع کعبہ شریف کی جانب ہی رخ کرنا جاری رکھا۔ حتیٰ کہ کعبہ کی عمارت بھی ضروری و لازمی نہیں ہے مثلاً کے طور پر اگر کعبہ کی عمارت کو مرمت کرنے یا دوبارہ تعمیر کرنے کے مقصد کے تحت مسمار کیا جاتا ہے پھر بھی مسلمان کعبہ کی جانب رخ کریں گے چاہے کعبہ کی عمارت مع حجرِ اسود وہاں موجود ہو یا نہ ہو۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ حجرِ اسود کی عملی اہمیت یہ ہے کہ یہ اُس جگہ کی نشاندہی کرتا ہے جہاں سے طواف شروع ہوتا ہے اور جہاں اختتام پذیر ہوتا ہے۔ لیکن اِس کی علامتی اہمیت بھی ہے۔ ایک حدیث



شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اللہ تعالیٰ کے دائیں ہاتھ (یمین اللہ) کا نام دیا ہے۔ دراصل ایک شخص وہاں اپنا ہاتھ معاہدہ طے کرنے والے انداز میں اٹھاتا ہے اور وہاں اللہ تعالیٰ ہم سے ہماری فرمانبرداری اور اطاعت کا عہد لیتا ہے۔ قرآنی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ شہنشاہ ہے اور وہ نہ صرف خزانوں کا مالک ہے اور اُس کی اپنی فوجیں ہیں بلکہ اس کی اپنی ایک سلطنت ہے اور اس سلطنت میں ایک اور حکومت (ام القریٰ) ہے۔ اور قدرتی بات ہے کہ دارالحکومت میں ایک بادشاہی محل ہے (بیت اللہ، اللہ کا گھر)۔ اگر اس سلطنت کا کوئی باشندہ اپنی وفاداری کا ثبوت دینا چاہتا ہے تو اُسے بادشاہی محل میں جانا پڑے گا اور ذاتی طور پر اطاعت و فرمانبرداری کا عہد کرنا پڑے گا۔ ایک دکھائی نہ دینے والے خدا کے داہنے ہاتھ کو عوامی طور پر ضرور دکھائی دینا چاہیے اور وہ جبر اسود ہے۔ ایک کالا پتھر جو عہد میں نصب ہے۔

182 جہاں تک صفا اور مرہ کے درمیان سات دفعہ دوڑنے کا تعلق ہے۔ یہ اس سے متعلق ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ اپنی شریک و رفیق حیات حضرت بی بی حاجرہؑ اور اپنے شیر خواہ بیچے حضرت اسماعیلؑ کو مکہ مکرمہ کے اجازت و بیابان اور غیر آباد علاقے میں چھوڑ گئے تھے تو پانی کی فراہمی جلد ہی منقطع ہو گئی۔ پس حضرت حاجرہؑ مادری الفت و محبت سے مجبور ہو کر اپنے بیات بیچے حضرت اسماعیلؑ کی پیاس بجھانے کے لئے پانی کی تلاش میں ادھر ادھر دوریں۔ اور تب آپ زم زم کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ پس ایک حاجی حضرت حاجرہؑ کی مادری الفت و محبت کو خراج تحسین پیش کرنے اور اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم پر شکر گزاری اور منونیت کے اظہار کے لئے حضرت حاجرہؑ کے اُس عمل کو ٹھیک اسی جگہ دہراتا ہے۔

183 حج کا معاشرتی پہلو بھی ذہن پر خد طر خواہ اثر ڈالتا ہے۔ حج کے موقع پر مسلمانی بھاری چارہ و اخوات کا بڑے صاف و واضح انداز میں اظہار ہوتا ہے۔ مسلمان نسل، زبان، جائے پیدائش اور حتیٰ کہ طبقے کے فرق و تضاد کے بغیر حج کے فرض کو ادا کرنے کی غرض سے مکہ مکرمہ جاتے ہیں اور اخوت و بھائی چارے اور برابری کے جذبہ و احساس کے ساتھ ایک دوسرے میں گھل مل جاتے ہیں۔ وہ صحرائیں اکٹھے خیمہ زن ہوتے ہیں اور ایک ہی انداز میں اپنے مذہبی فرائض ادا کرتے ہیں۔ کچھ دنوں کے لئے مقررہ گھنٹوں تک طواف کرتے ہیں، پڑاؤ ڈالتے ہیں، خیموں میں یا کھلے آسمان تلے رات گزارتے ہیں۔ کسی حد تک یہ سب مناسک حج روزانہ کی نماز و ہجگاہ سے بھی عظیم تر ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے سپاہیوں کو اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تربیت دیتے ہیں۔

183 (الف) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے چند ہجری سال قبل حج ادا کیا تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبل الرحمہ کی پہاڑی سے ایک خطبہ دیا جو کہ بشرق انسانیت پر مشتمل تھا۔ اُس سال تقریباً ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمان عرب کے تمام حصوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت سننے آئے تھے۔ جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے بنیادی عناصر یا دلائل یعنی کسی قسم کے نشانیاں یا مادی

علامات کے مکھاوے کے بغیر ایک خدا پر یقین، نسل اور طبقے کے تضاد کے بغیر مسلمانوں کی برابری و اخوت اور سوائے تقویٰ و پرہیزگاری کے کسی ایک کو کسی دوسرے پر برتری و فوقیت حاصل نہیں۔ ہر انسان کے اپنی شخصیت و کردار کے ساتھ ساتھ بائیداد و اہمال اور عزت و وقار سے متعلق بنیادی و مرکزی حقوق کا مقدس کردار، سودی کاروبار کی ممانعت، قتل پر خاندانی لڑائیوں اور غیر سرکاری و نجی انصاف کی ممانعت، عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے بارے تاکید، وراثت کے لازمی قانون، وصیتوں پر پابندیوں اور سود کی ممانعت وغیرہ کے ذریعے نئی دوات کو صرف چند ہاتھوں میں ذخیرہ ہونے سے روکنے کے لئے مستحق بنیادوں پر اُس کی دوبارہ تقسیم اور گردش اور پُر زور تاکید کی انداز میں اس بات کا دوبارہ بیان کہ تمام شعبہ ہائے زندگی میں ہمارے طرز عمل بارے قوانین کے حصول کا ذریعہ صرف اور صرف مقدس وحی ہی ہونی چاہیے۔ حاجی ہر سال عرفات کے مقام پر یہی خطبہ سنتے ہیں جو کہ جبل الرحمہ کی پہاڑی سے دیا گیا تھا۔

﴿184﴾ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ کم از کم مسلمانوں کی ابتدائی نسلوں میں حج کی تہریبات کے دوران قبل از اسلام رائج رسوم جاری دساری تھیں جیسا کہ حج کے وسیع جم غفیر و اجتماع کے موقع سے فائدہ اٹھانا۔ ایک سالانہ ادبی مجلس کا انعقاد کیا جاتا تھا جس میں شعراء اپنے نئے کلام ”پچھڑاتے“، مقرر مسحور و مبہوت لوگوں کے سامنے اپنی لیاقت و قابلیت کے اظہار کے لئے زور دار تقریریں کرتے، پیشہ ور پہلوان لوگوں کے دل موہ لینے اور تاجر برہمن کا تجارتی مال لاتے تھے۔ غلیظہ روم حضرت عمر فاروقؓ نے اس موقع کو ایک مفید و سودمند انتظامی کردار عطا کیا۔ کیونکہ یہ حضرت عمر فاروقؓ کے لئے ایک ایسا موقع ہوتا تھا کہ جب آپؓ اپنے گورنروں اور فوجی افسروں کے خلاف اپیل کورٹ کے اجلاس بلائے اسی طرح انہم ذمہ نظر منصوبوں پر عوامی مشاورت کے سلسلے میں بھی اجلاس بلائے۔ آئیے ہم ایک دفعہ پھر اس بات کا ذکر کریں کہ اسلام میں دینی اور دنیوی، روحانی اور زہنی دونوں مل جل کر ہم آہنگ اشتراک کے ساتھ رہتے ہیں۔

## زکوٰۃ۔ محصول

﴿185﴾ جدید دور میں ایک عام آدمی کے نزدیک زکوٰۃ سے مراد اُس کی جمع شدہ رقم کا صدقہ کچھ فیصد حصہ ہے جو کہ ہر سال غریبوں کو دیا جاتا ہے لیکن قرآن پاک، حدیث مبارکہ اور اسلام کی ابتدائی صدیوں کے طرز عمل کے مطابق زکوٰۃ (جو کہ صدقات یا حق بھی کہلاتی ہے) سے مراد وہ تمام خصوصیات ہیں جو ایک مسم ریاست اپنے مسلمان شہریوں پر لاگو کرتی ہے۔ جن میں زرعی مصنوعات پر، کاشتکاری کے ذریعے ناجائز منافع کمانے پر، تجارتی سرمائے پر، پالتو جانوروں کے گلوں پر جو کہ عوامی چرگاہوں کی خوراک پر زندہ ہوں اور جمع شدہ رقم وغیرہ پر محصول شامل ہیں۔ ابتداء میں یہ تمام ٹیکس براہ راست سرکار کو دیے جاتے تھے لیکن بعد میں حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں آپؓ نے فیصلہ کیا کہ مسلمان اپنی جمع شدہ رقم پر عائد ہونے والا محصول سرکار

کے درمیان راستے کے بغیر ہی قرآن پاک کے بتائے گئے مستحقین کو براہ راست دے سکتے ہیں۔ (بخوالہ سورۃ التوبہ: آیت 60)

﴿185﴾ (الف) قرآن پاک اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ دعات انسانیّت کی بقاء و وجود کا بنیادی اور ضروری ذریعہ ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَلَا تُؤْثِرُوا السُّفَهَاءَ اَفَاُولَٰئِكَ الَّتِي جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيَمًا وَّانْمَاُ قُوَّتُهُمْ فِيْهَا وَاَسْوَفُھُمْ  
وَقَوْلُوْا لَھُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۵﴾

(سورۃ النساء: آیت 5)

**ترجمہ** ”اور اپنے وہ مال جنہیں اللہ نے تمہاری زندگی کے قیام کا ذریعہ بنایا ہے بے سمجھوں کے حوالہ نہ کرو البتہ انہیں ان مالوں سے نکھالتے اور پہناتے رہو اور انہیں نصیحت کی بات کہتے رہو۔“

اسی لئے یہ بات حیران کن نہیں ہونی چاہیے کہ محصول کی ادائیگی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جزا و ایمان کی عظمت جتنا بند کر دیا اور نماز، روزہ اور حج کی طرح زکوٰۃ اسلام کے پار بنیادی ارکان میں سے ایک ہے۔ اسلام میں کوئی فرد ریاست کے سربراہ یا اُس کی آسائش اور جھوٹی شان کے لئے زکوٰۃ ادا نہیں کرتا بلکہ ہر شخص زکوٰۃ کے واجبات اجتماعی و انفرادی کے حق کے طور پر اور خاص طور پر ضرورت مندوں کے فائدے کے لئے ادا کرتا ہے۔ اور اس کے ذریعے ایک شخص اپنی نشوونما کرتا ہے اور اپنے آپ کو پاک و صاف کرنے کا مقصد پورا کرتا ہے۔ اصطلاح زکوٰۃ کا اشتقاقی مفہوم بھی یہی ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”در اصل ایک قوم کا سربراہ اُس قوم کا خادم ہوتا ہے۔“ اپنے اس فرمان کی صداقت کے اظہار اور ریاست کے سربراہ کی مکمل بے لوثی و بے غرضی کے اظہار کے لئے (جس کے ذریعے ایک سربراہ اپنے لوگوں کے لئے راستے کا تعین کرتا ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باضابطہ طور پر اعلان کیا کہ مسلمان ریاست کی درآمدی جو کہ مسلمانوں کے محصول ادا کرنے کی صورت میں اکٹھی ہوتی ہے وہ ریاست کے سربراہ اور اس کے قبیلے کے تمام افراد کے لئے مذہبی طور پر ممنوع قرار دی گئی ہے۔ اگر ریاست کا سربراہ اپنے لوگوں کے اعتماد کا جائزہ فائدہ نہیں اٹھاتا تو اس کے نتیجے میں اُس کے ماتحت بھی اپنے فرائض محتاط طریقے سے ادا کرتے ہیں۔

﴿186﴾ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قدیم خلفائے راشدین کے زمانے میں مسلمانوں پر زکوٰۃ کے علاوہ اور کوئی محصول لگو نہیں تھا۔ خیراتی مقصد سے ہٹ کر زکوٰۃ ایک ریاستی محصول کا درجہ رکھتی تھی ایک لازمی چندہ جس کا زمانہ اور تعداد مقرر تھی اور اس سے متعلقہ اسامی قانون کے تحت ہی لاگو کیا گیا تھا۔ ایک صاحب ایمان کے ذہن میں ان محصولات کی اہمیت کو بیان کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زکوٰۃ ایک مذہبی فرض اور مقدس ہدایت ہے جو کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے، نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور حج

ادا کرنے کے مساوی و برابر ہے۔ اگر ایمان و یقین روحانی فرض ہے اور نماز، روزہ اور حج بدنی فرائض ہیں تو زکوٰۃ کی ادائیگی مالی فرض ہے۔ فقہائے کرام اسے مالی عبادت کہتے ہیں (یعنی مال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی عبادت) مگر کسی شخص کو ثبوت کی ضرورت ہے تو اس حقیقت کا ایک اور ثبوت یہ ہے کہ اسلام انسانی تفکیم کے عناصر جسم اور روح میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی جانبدارانہ یا حقارت آمیز سلوک کیے بغیر ان دونوں کے مابین ہم آہنگ توازن پیدا کرنے کے لئے پوری انسانی زندگی کو ایک ہی مجموعے کی شکل میں مربوط کر دیتا ہے۔

﴿187﴾ قرآن پاک میں محصول کے تعین و تقرر کے لئے غیر جانبدارانہ طور پر متعدد اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں۔ متعدد آیات میں لفظ زکوٰۃ استعمال کیا گیا ہے جس کے دو معانی نشوونما اور پاکیزگی و صفائی ہیں۔ زکوٰۃ کا پوشیدہ داخلی مطلب و مقبوم یہ ہے کہ ایک شخص کو اپنی بڑھتی ہوئی دولت میں سے کچھ حصہ ”صدقت“ یعنی دولت کی پاکیزگی کے لئے ضرور ادا کرنا چاہیے۔ (بحوالہ سورۃ التوبہ: آیت 60) جس سے مرد صدق اور صدقہ دونوں میں جو یہ لاگو کرتے ہیں۔ انسانیت کے ساتھ صدق کے اعتبار کے لئے ایک شخص کو اپنے سے کم حیثیت شخص کی امداد کرنی چاہیے اور قرآن پاک میں حق بارے ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَالَّذِينَ آمَنُوا جَاءَتْهُمْ مَعْرُوفٌ وَيُغْفَرُ لَهُمْ وَالَّذِينَ آمَنُوا جَاءَتْهُمْ مَعْرُوفٌ وَيُغْفَرُ لَهُمْ وَالَّذِينَ آمَنُوا جَاءَتْهُمْ مَعْرُوفٌ وَيُغْفَرُ لَهُمْ  
الْمُتَّقِينَ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُتَّقِينَ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُتَّقِينَ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُتَّقِينَ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُتَّقِينَ وَالْمُؤْمِنِينَ  
وَالْمُتَّقِينَ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُتَّقِينَ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُتَّقِينَ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُتَّقِينَ وَالْمُؤْمِنِينَ

(سورۃ الانعام: آیت 141)

**ترجمہ** ”اور اسی نے وہ بان پیدا کیے جو چھتوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور جو نہیں چڑھائے جاتے اور کھجور کے درخت اور کھیتی جن کے پھل مختلف ہیں اور زمینوں اور امارت پیدا کیے جو ایک دوسرے سے مشابہ اور جدا جدا بھی ہیں ان کے پھل کھاؤ جب وہ پھل لائیں اور جس دن اسے کاٹو اس کا حق ادا کر دو اور بے با خرچ نہ کرو بے شک وہ بے با خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

اگر یہ کہ حیثیت شخص کا حق ہے تو جو صاحب حیثیت ہے یہ لازمی طور پر اس کا فرض ہے۔ حقوق اور فرائض متعلقہ اصطلاحات ہیں اور معاشرے کی تمام تر کارکردگی کی بنیاد اشتراک پر ہوتی ہے۔

﴿188﴾ بچت پر، فصلوں پر، پالتو جانوروں کے گلوں پر جو کہ عوامی چراگاہوں پہ پلتے ہیں۔ کانوں پر اور بحری مصنوعات وغیرہ پر محصول نامد ہوتے ہیں۔ محصولات کے شرح نامے مختلف ہوتے ہیں تاہم سب کو زکوٰۃ، صدقت اور اسی طرح کے مترادف ناموں سے غیر جانبدارانہ طور پر پکارا جاتا ہے۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے شرح نامے سخت و بے چلک اور تہذیبی و ترمیم سے مزین کھائی نہیں دیتے۔ ہم نے پہلے اسی کتاب کے پیرا گراف نمبر 88 میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود طائف کے لوگوں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا۔ (دوسرے علاقوں کے لئے کچھ دوسری مثالوں کے ساتھ)۔ ابو عبیدہ کے مطابق عظیم المرتبت خلیفہ حضرت عمر فاروقؓ نے مدینہ میں کھانے پینے کے درآمدی سامان پر محصول میں کمی کی تھی۔ حیات رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کچھ ایسے مواقع بھی آئے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اضافی چندے کی ہدایت کرنے پر مجبور کیا گیا۔ مثال کے طور پر اُن میں ہیر دنی خطرے کے خلاف ملک کی حفاظت کے لئے چندے کی ہدایت شامل ہے۔ یہ بات فقہائے کرام کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ یہ نتیجہ اخذ کریں کہ حکومت مصیبت کے دوران نئے عارضی و عبوری محصول لاگو کر سکتی ہے۔ جنہیں شرح فی صد میں اضافہ کرنا کہتے ہیں۔ قرآن پاک کی قابل حصول اشیاء اور محصور کے شرح نامے بارے خاموشی فقہائے کرام کے اخذ کیے گئے نتائج کی تصدیق کرتی ہے۔

لیکن قرآن پاک میں ریاست کے اخراجات اور سرکاری میزائیے کے بنیادی نکات بارے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

إِنَّا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْعَلِيلِينَ عَلَيْهِمَا ذَا السُّؤْفَةِ قُلُوبُهُنَّ  
وَفِي الرِّقَابِ وَالْغُرَبَاءِ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ  
وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٦٠﴾

(سورۃ التوبہ: آیت 60)

**ترجمہ** ”زکوٰۃ مفلسوں اور محتاجوں اور اس کا کام کرنے والوں کا حق ہے اور جن کی دلجوئی کرنی ہے اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں و قرض واردوں کے قرض میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کو دی جائے۔ یہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔“

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ صدقات اور زکوٰۃ کے ایک ہی معنی ہیں یعنی جو مسلمان ہاشموں پر مائد کی جاتی ہے۔ غیر مسلموں پر خراج، جزیہ، غنیمہ وغیرہ عائد کیے جاتے ہیں۔ یہ سب زکوٰۃ میں شامل نہیں ہیں اور مسلمان پر عائد ہونے والی زکوٰۃ اور غیر مسلموں پر عائد ہونے والے جزیہ، خراج اور غنیمہ سے مستفید ہونے والے افراد بھی کافی حد تک مختلف ہیں۔

جہاں دوسرے قانون ساز، آمدنی کے اصولوں بارے ہدایت دیں گے وہاں قرآن پاک اُن کے برخلاف ریاستی اخراجات بارے اصول وضع کرتا ہے۔ زکوٰۃ سے مستفید ہونے والی آٹھ اقسام میں کہ جن کے بارے آیت میں بیان کیا گیا ہے یہ بات غور طلب ہوگی کہ اس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا کہیں ذکر نہیں کیا گیا۔

اس آیت کے وسیع تر منہبوم اور حدود و قیود کو بہتر انداز میں سمجھنے کے لئے کچھ آراء مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔ جن میں خاص طور پر وصول کنندگان بارے بیان کیا گیا ہے۔

﴿192﴾ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے عظیم اور مستند و معتبر رہبر و رہنما کے مطابق (بحوالہ ابو یوسف، "خراج") مسلمانوں کے ضرورت مند (فقراء) اور غریب (مساکین) لوگ تقریباً غریب غیر مسم باشندوں کے مساوی و برابر ضرورت مند ہوتے ہیں (ایسے لوگ جن کی حفاظت کی جاتی ہے) یہ بات قاض غورو قابل توجہ ہے کہ "صدقت" میں غیر مسلموں کی آمدنی شامل نہیں ہوتی تاہم اسلام انہیں مسلمانوں کے ادا کردہ مصدقات سے مستفید ہونے والوں میں ضرور شامل کرتا ہے۔

﴿193﴾ وہ لوگ جو زکوٰۃ سے ہونے والی آمدنی اکٹھی کرتے ہیں وہ محصول لے اور محاسب کہلاتے ہیں اور جن کی ذمہ داریاں ریاست کے اخراجات سے متعلق ہوتی ہیں انہیں ناظمین اور پڑائے کہا جاتا ہے۔ اس حقیقت کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ اس آمدنی سے مستفید ہونے والوں میں عملی طور پر انتظامیہ کے تمام شعبوں و اداروں کے افراد شامل ہوتے ہیں سی لئے عملاً یہ پوری انتظامی فہرست ریاست کے شہری اور فوجی افراد پر مشتمل ہوتی ہے۔

﴿194﴾ وہ لوگ جن کی دلجوئی و دلہاری مقصود ہے ان کی مختلف اقسام ہوتی ہیں۔ عظیم فقیہ ابو یعلیٰ الفراء اپنی کتاب "الاحکام السلطانیہ" کے صفحہ نمبر 116 پر اس بارے اشارہ کرتے ہیں کہ "جہاں تک اُن لوگوں کا تعلق ہے جن کی دلجوئی و دلہاری مقصود ہے وہ چار اقسام کے ہوتے ہیں۔ ① وہ لوگ جن سے مسلمانوں کو امداد و معاونت مل سکے۔ ② وہ لوگ جو مسلمانوں کو نقصان پہنچانے سے باز رہیں۔ ③ وہ لوگ جو اسلام سے متاثر ہوں۔ ④ وہ سرداران قبائل جن کے توسط سے ان کے قبیلے کے لوگ مشرف بہ اسلام ہو سکیں۔ ان تمام اقسام میں سے ہر ایک کو فائدہ پہنچانا (چاہے اس کا تعلق مسلمانوں سے ہو یا کافروں سے) شرعاً جائز ہے۔"

﴿195﴾ "گردنیں آزاد کرانے" کی اصطلاح سے ایک شخص ہمیشہ غلاموں کی آزادی اور جنگ کے بعد دشمن کے پاس قیدی بنائے گئے افراد کی ضمانت کرانے کے معنی اخذ کرتا ہے۔ غلاموں سے متعلق ایک لفظ موقع و محل کے مطابق ہے۔ قبل از اسلام کوئی بھی مذہب، غلاموں کی حالت زار کی اصلاح و بہبود بارے توجہ دیتا دکھائی نہیں دیتا۔ سرحدی کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کو غلام بنانے سے قطعی طور پر منع فرمایا ہے۔ جہاں تک دوسرے لوگوں کا تعلق ہے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ حکم نازل فرماتا ہے کہ:

وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ يَّجِدُوْنَ نِكَاحًا سَاحِئًا لِّمَنْ يُّعِيْبُهُمُ اللّٰهُ مِنْ قُصُلِهِمْ ۚ وَالَّذِيْنَ  
يَتَّبِعُوْنَ الْكِتٰبَ وَهُمَا مَلَائِكَةٌ اٰتٰیٰنَاكُمْ وَكَانَ بَيْنَهُمْ اَنْ عَلِمْتُمْ فِیْهِمْ خَيْرًا ۗ وَالَّذِيْنَ  
فِیْهِمْ مَّالٌ اَللّٰهُ الَّذِیْ جِئْتُكُمْ

(سورۃ النور: آیت 33 ابتدائی حصہ)

**ترجمہ** ”اور چاہیے کہ پاک، امن رہیں جنہیں نکاح کی توفیق نہیں یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے اور تمہارے غلاموں میں سے جو لوگ مال دے کر آزادی کی تحریر پائیں تو انہیں لکھ دو بشرطیکہ ان میں بہتری کے آثار پاؤ اور انہیں اللہ کے مال میں سے دو جو اس نے تمہیں دیا ہے۔“

اگر ایک حسن خلق رکھنے والا غلام اپنے مالک کو اپنی قیمت ادا کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے تو اس کا مالک اس کی اس پیشکش کو رد نہیں کر سکتا۔ دراصل اس صورت سال میں مالک اپنے نوکر کو ان مواقع کی اجازت دینے پر عادت کی طرف سے مجبور ہوگا کہ جن کے ذریعے وہ اپنے مالک سے آزادی حاصل کرنے کے لئے ضروری رقم کمانے کے ساتھ ساتھ جمع بھی کرے۔ اور اس دوران اسے اپنے مالک کی غلامی کرنے سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ مزید یہ کہ جیسا کہ ہم نے ابھی دیکھا کہ ایک مسلمان حکومت سالانہ میزانیے میں ان غلاموں کی مدد کے لئے ایک خاص رقم مختص و متعین کرتی ہے جو کہ آزادی کی خواہش رکھتے ہیں۔ اسلام میں غلامی کی اجازت دینے کا مقصد کسی بد نصیب شخص سے ناجائز فائدہ اٹھانا نہیں ہے جو کہ ہماری ہی طرح ایک انسان ہے۔ بلکہ اس کے برخلاف اسلام کا پہلا مقصد ان جتنی قیدیوں کو پناہ گاہ مہیا کرنا ہوتا ہے جو اپنا سب کچھ کھو چکے ہوتے ہیں اور کسی بھی وجہ سے انہیں ان کے وطن و پس نہیں بھیجا جاتا۔ اور دوسرا مقصد ان کی تعلیم و تربیت کرنا اور انہیں اسلامی ماحول میں اللہ تعالیٰ کی حکومت کے زیر سایہ اسلامی ثقافت کو اپنانے کا موقع دیا جاتا ہے۔ غلام صرف اس قانونی جنگ میں حاصل کیے جاتے ہیں جو کہ حکومت کی طرف سے لڑی جاتی ہے۔ غلاموں کو جس بے جا میں رکھنا، اغوا، والدین کو اپنے شیرخوار بچے کی شریعت میں کسی بھی صورت اجازت نہیں ہے۔

**196** ان لوگوں کی امداد کرنا جن پر بھاری قرضہ ہو یا جن کے ذمے جرمانہ ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ خلیفہ حضرت عمر فاروقؓ نے اس قسم کے لوگوں کی خدمت کے لئے سود سے پاک قرضوں کا بھی انتظام کیا۔

**197** بر خیراتی مقصد کا حصول اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے میں ہوتا ہے۔ اور فقہائے کرام اسلام کی حفاظت کے مقصد کے حصول کی ابتدا فوجی ساز و سامان کی خرید کے ذریعے کرنے سے نہیں ہچکچاتے کیونکہ اسلام صرف اور صرف زمین پر اللہ تعالیٰ کی سلطنت و حکمرانی کے لئے و شش کرتا ہے۔

**198** جہاں تک مسافروں کا تعلق ہے۔ کوئی بھی شخص نہ صرف میزبانی کے ذریعے مسافروں کی امداد کر سکتا ہے بلکہ انہیں ان کی صحت اور آرام، راستوں کی حفاظت کا یقین دلانے کے ساتھ ساتھ ایسے سفر فر جنہیں کسی اور کی جگہ سے گزر کر جانا پڑے (چہ ہے وہ ہلکی ہوں یا غیر ہلکی، مسلم ہوں یا غیر مسلم) ان کی خوشحالی و بہبود کے لئے مختلف طریقہ ہائے کار اختیار کرنے سے بھی ان کی امداد کی جاسکتی ہے۔

﴿198﴾ (الف) مذہبی رسومات سے متعلق حقائق کی تفصیلات جاننے کے بعد موقع محل کی مناسبت سے یہ بات دہرانا چاہیے کہ تمام مذہبی رسوم کی نشوونما اور اُن کے تمام حصوں کا آپس میں ربط و توازن ہی وہ بنیادی اصول ہے جو اسلامی طرز حیات پر اثر انداز ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں متعدد بار دہرایا گیا ہے کہ ”نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔“ جسم اور روح کے اتحاد، یگانگت کا اس حقیقت سے زیادہ بہتر مظاہرہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و پرستش اور معاشرے سے متعلق اپنے فرائض کو ایک ساتھ ادا کیا جائے۔ روحانی فرائض مادی فوائد سے خالی نہیں ہوتے اور دنیاوی و مارضی فرائض کی بھی اپنی روحانی اہمیت و افادیت ہوتی ہے۔ ایک بار پھر یہی کہیں گے کہ تمام مذہبی فرائض کا انحصار انسان کے عزم و ارادے اور مقاصد پر ہوتا ہے اور یہ عناصر انسان کے فرائض کی کارگردگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔





## اسلام اور نظریہ تصوف

199 ﴿اسلام مادی و روحانی دونوں میدانوں میں انسانی طرزِ حیات بارے اصول و قوانین وضع کرتا ہے۔ لیکن اس مسلمہ حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مختلف انسان مختلف مزاجوں اور رویوں کے حامل ہونے کے باعث زندگی کے مختلف شعبوں میں مہارت حاصل کرتے ہیں۔ اگر ایک شخص اپنی زندگی کے روحانی پہلو پر توجہ مرکوز کرتا ہے تو تب بھی وہ اپنی بقہ و نشوونما کے لئے معاشرے کے ایک فرد کی حیثیت سے ذمہ داریاں پوری کرتے ہوئے یا کسی اور طریقے سے زندگی کے مختلف شعبوں سے ہم پیش منسلک رہتا ہے۔﴾

200 ﴿رابعاً اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ پر ایمان و یقین، اس کی اطاعت و فرمانبرداری اور عبادت کے بہتر و برتر طریقہ کار پر مشتمل اپنی تعلیمات کے مشہور و معروف بیان میں از حد مبلغ اور جامع اصطلاحات کے ذریعے وضاحت و تشریح کی ہے ”جہاں تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری (احصان) کے بہترین طریقہ و سلیقہ کا تعلق ہے تم اللہ جل شانہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اُسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اُسے نہیں بھی دیکھ رہے تو وہ تمہیں ضرور دیکھ رہا ہے۔“ اللہ کی عبادت کے اس بہترین و افضل طریقہ کار کی خوبصورتی و لہجہ بینی ہی اسلام کی روحانی تہذیب و ثقافت ہے۔“ اللہ تعالیٰ کی عبادت“ ایک بہت جامع اصطلاح ہے اور اس اصطلاح کا تعلق مذہبی عبادات کے ساتھ ساتھ مکمل انسانی ضابطہ حیات سے بھی ہے۔ روحانی نقطہ نگاہ سے سب سے قیمتی و پرہیزگار لبگ وہ ہوتے ہیں جو اپنے اعمال و افعال میں اللہ تعالیٰ کی مرضی و منشا کو مقدم رکھتے ہوئے اُس کے وضع کردہ اصولوں کی مکمل پابندی کرتے ہیں۔﴾

201 ﴿موضوع تصوف کے تحت ”اللہ کی عبادت“ کے بہترین طریقہ کار بارے متعدد سوالات جنم لیتے ہیں۔ اسلام میں تصوف کے لئے متعدد اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں: احصان (جس کا ذکر ہمیں اوپر بیان کیے گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں بھی ملتا ہے)۔ قرب (اللہ تک رسائی و پہنچ) طریقت (اللہ کی جانب سفر کرنے کا راستہ)، سلوک (اللہ کی جانب سفر) تصوف (بس کے اشتقاقی معنی ہیں صاف ادنی کپڑا اور حنا) آخری اصطلاح ”تصوف“ جو کہ آج کل عموماً استعمال کی جاتی ہے انتہائی انوکھی و زالی ہے۔﴾

202 ﴿سچ ہے کہ مسلمان صوفیاء کرام اپنی عبادات و خصوصیات کو اپنے ارادت و عقیدت مندوں پر مبنی مخصوص دائرے کے علاوہ دوسرے لوگوں پر ظاہر نہ کرنا پسند نہیں کرتے یہی حال دوسرے مذاہب میں صوفیاء کرام کے ہم منصب لوگوں کا بھی ہے۔ وہ ایسا اس لئے ہرگز نہیں کرتے کہ اُن کے پاس کوئی رسوا کن و شرمناک راز

ہوتے ہیں جو وہ لوگوں پر عیاں نہیں کر سکتے بلکہ شاید وہ ایسا اس لئے کرتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ عام آدمی یہ بات نہیں سمجھ سکتا کہ وہ زندگی کی آسائشوں و آسانیوں سے قطع تعلقی و دستبرداری کے نتیجے میں پیدا ہونے والی مشکلات و مصائب کیوں بھیلے ہیں اور اس لئے بھی کیونکہ ایک عام شخص صوفیہ کرام کے ذاتی تجربات پر یقین نہیں کرتا۔ اسی لئے صوفیاء کرام نے سوچا کہ ان کا اپنے ذاتی تجربات کو ان لوگوں سے مخفی و پوشیدہ رکھنا ہی بہتر ہے جو ان کے تجربات کو سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔ عام طور پر ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر ایک چیز کو رازداری کے پردے میں چھپا دیا جائے تو وہ لوگ جو ظاہری طور پر اس چیز سے گریز و پرہیز کرتے نظر آتے ہیں اُس چیز کو جاننے کے لئے اُن کی باطنی خواہشات شدید سے شدید تر ہوتی جاتی ہیں۔

﴿203﴾ انفرادی مزاجوں اور رویوں میں تضاد ہر زمانے میں موجود رہا ہے لیکن اس بات کا سہرا اسلام کے سر ہے کہ اُس نے کچھ ایسی چیزیں دریافت کیں جو وہ ہر قسم کے مزاج و رویے سے تعلق رکھنے والے افراد پر لاگو کر سکتا ہے یعنی ایسے کم سے کم ضروری افعال و اعمال جن پر مختلف مزاج کے حامل تمام افراد ایک ساتھ عمل کرتے ہیں اور ان کم سے کم ضروری اعمال و افعال کا تعلق روحانی کے ساتھ ساتھ مادی ضروریات سے بھی ہے۔ تمام مکتبہ فکر کی متفقہ رائے یہ ہے کہ اس بات کو بہتر انداز میں سمجھنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی صحابہ کرامؓ کی زندگیاں بہترین مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان صحابہ کرامؓ کی سوانح حیات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام صحابہ کرامؓ شروع ہی سے مختلف حرا جوں کے حامل تھے۔ ان میں سے ایک حضرت خالدؓ تھے جو ایک مذہب و خوف۔ پسائی تھے اور جن سے خوش ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ”اللہ کی تواضع“ کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ دوسرے صحابہ کرامؓ حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ تھے یہ دونوں دولت مند تاجر تھے اور ان کے بارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یہ دونوں جنت میں داخل ہوں گے۔ ایک اور صحابی جن کو نام حضرت ابوذرؓ تھا، انہوں نے اپنی ساری جائیداد چھوڑ کر زہد و ریاضت اور روحانی محنت و مشقت والی زندگی کو ترجیح دی۔ ہم ایک بدوی صحابی کا ذکر بھی کر سکتے ہیں جو ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اندک میں پیش ہوئے تاکہ یہ جان سکیں کہ جنت کے حصول کے لئے کم سے کم ضروری فرائض کیا ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ایک شخص کا اللہ تعالیٰ پر یقین، روزانہ کی نماز، حج گمانہ، رمضان المبارک کے روزے، کعبہ اللہ کا حج اور صاحبِ نصاب ہونے کی صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی شامل ہیں۔“ وہ بدوی مشرف بہ اسلام ہو گئے اور زوردار آواز میں کہا: ”اللہ کی قسم! میں اس سے زیادہ یا اس سے کم کچھ نہیں کروں گا۔“ جب وہ رخصت ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: ”جو کوئی بھی اپنے دل میں جنتی آدمی کو دیکھنے کی خواہش رکھتا ہو وہ سے دیکھ لے۔“ (بخاری و بخاری اور مسلم) چاہے وہ بہادر و نڈر یا پسائی حضرت خالدؓ ہوں یا امیر و دولت مند تاجر حضرت عثمان غنیؓ، ان دونوں نے کبھی بھی اسلام کے بنیادی فرائض و ذمہ داریوں اور اس کی روح کو نظر انداز نہیں کیا۔ اسی طرح حضرت ابوذرؓ، حضرت سلمانؓ، حضرت ابوذرؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ جو زہد و ریاضت کو پسند کرتے تھے

انھوں نے کبھی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نفس کشی کی زندگیاں گزارنے، انٹی روزے رکھنے اور تارک الدنیا ہونے جیسے افعال کی اجازت طلب نہیں کی۔ اس کے برعکس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں شادی کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ”تم پر تمہاری ذات سے متعلق بھی کچھ ذمہ داریاں ہیں۔“ (بحوالہ ابن ضبل) اسلام کے مطابق انسان اپنی ذات پر حق نہیں رکھتا بلکہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کی ذات پر حق رکھتا ہے۔ اور اس بات کی اجازت نہیں دی جاتی کہ اللہ تعالیٰ ہم پر ہماری ذات کے حوالے سے جو بھروسہ و اعتماد رکھتا ہے اس کا غلط و ناجائز استعمال کیا جائے۔

## اہل صفہ

204 دور رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں مدینہ کی ایک عظیم الشان مسجد میں ایک خاص جگہ تھی جو مقام اداہنگی نماز سے ذرا ہٹ کر تھی اُسے صفہ کہا جاتا تھا۔ یہ تعلیم و تربیت کا ایک مرکز تھا جو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر نگرانی فرائض سرانجام دیتا تھا۔ صحابہ کرام کی ایک معقول تعداد وہاں رہائش پذیر تھی۔ وہ صحابہ کرام دن کے اوقات میں اپنا تمام وقت اسلامی طرز زندگی کے اصول و قوانین سیکھنے میں صرف کرتے تھے۔ ان اصول و قوانین کا تعلق نہ صرف بندے کے اپنے رب کے ساتھ تعلقات سے ہوتا تھا بلکہ اُن میں معاشرے کے دوسرے لوگوں کے ساتھ برتاؤ کے اصول بھی شامل ہوتے تھے۔ اور یہ صحابہ کرام اپنی بقاء و نشو و نما کے لئے لازمی ضروری ضروریات زندگی کے حصول کے سبب کام بھی کرتے تھے کہ وہ ٹھیلے اور دوسروں پر بوجھ نہ بنیں۔ یہ صحابہ کرام، عظیم صوفیاء کرام کی طرح اپنی راتیں، نوافل کی اداہنگی اور اللہ تعالیٰ بارے غور و فکر کرنے میں گزارتے تھے۔ چاہے اس ادارے کو خلیفہ کبھی، عبادت گاہ کبھی یا کسی اور نام سے پکاریں اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ اہل صفہ اپنا بیشتر وقت مادی و دنیاوی مشاغل کی بجائے روحانی عبادات میں گزارتے تھے۔ شاید کوئی بھی شخص اُن عبادات کی تفصیلات نہیں جان پائے گا جن پر عمل کرنے کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن ابتدائی صوفیاء کرام کو صادر فرمایا تھا اور یقیناً وہ عبادات ہر صبح بڑے مزاج اور ذہنی صلاحیت و قابلیت کے مطابق مختلف ہوں گی۔ لیکن چونکہ متعدد ایک ہی تھیں اسی لئے اُس مقصد کے لئے کوئی بھی شرعی راستہ و ذریعہ چننے کی آزادی دی گئی تھی۔ برہیل تذکرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک موقع پر ارشاد فرمائی گئی حدیث مبارکہ کا حوالہ دیا جاسکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اِنَّا کِی مَبْسُورِیْن کِی مَشْدِیْ مِیْرَاثِ ہِیْ جِبْ کِبْہِیْ وَہِ اُسے پائے اُسے چاہیے کہ اُسے حاصل کر لے۔“ (بحوالہ ترمذی، ابن ماجہ)۔

## تصوف کا لب لباب

205 تصوف سے اسلام کی مراد ایمان و عقیدے کی ایمان داری و دین داری، اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بہترین طریقہ کار کا استعمال، زندگی کے تمام شعبوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ضابطہ حیات کو بطور نمونہ و مثال

اپنانا، نجی و ذاتی اعمال و افعال کی اصلاح اور اسام کے عائد کردہ فرائض کی تکمیل ہے۔

206 ﴿تصوف کا ماورائی اشیاء بارے جسے کی طاقت و قوت، جادو کرنے یا نفسانی ذرائع کے استعمال سے اپنی مرضی و منشاء و مسروں پر زبردستی تھوپنے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ترک دنیا، بخشش، رہبانیت اور مراقبہ، غور و فکر یا اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے محسوسات تصوف کے حصول کے ذرائع تو ہو سکتے ہیں لیکن ان کا تصوف کے مقاصد سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہو سکتا۔ تصوف کو ذاتِ خداوندی سے متعلق مختلف مقامات و نظریات مثلاً کفر و غیرہ سے بھی کوئی نسبت نہیں ہے اور جموع لوگوں کے اس پُر زور دعوے سے بھی تصوف کا کوئی سروکار نہیں ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ایک صوفی اسلامی قانون اور اسام کے عائد کردہ کم سے کم ضروری فرائض سے بالاتر ہوتا ہے۔

207 ﴿کسی بہتر اصطلاح کی عدم دستیابی کی صورت میں کوئی بھی شخص ”تصوف“ کا لفظ استعمال کر سکتا ہے اسلام میں اس کے معنی بہترین انفرادی رویے کے طریقہ کار کے ہیں یعنی ایسے ذرائع جن کے ذریعے ایک شخص اپنی ذات میں اپنے نفس پر قابو پانے، خلوص نیت، اپنے تمام امدل و افکار میں اللہ تعالیٰ کی مستقل موجودگی کے احساس اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ سے زیادہ محبت کرنے کی کوشش و کاوش کرنے جیسی خصوصیات پیدا کرنا ہے۔

208 ﴿اسلامی تعلیمات میں نماز اور روزہ کی ادائیگی و پابندی نیز مستحقین کی مدد و معاونت کے ساتھ فسق و فجور اور برائی سے باز رہنے وغیرہ جیسے کچھ ظاہری فرائض کے ساتھ ساتھ درست ایمان و عقیدہ، اللہ جل شانہ کی شکرگزاری، خلوص نیت کے علاوہ جھوٹی انا سے آزادی حاصل کرنے جیسے باطنی فرائض بھی شامل ہیں۔ تصوف باطنی فرائض کی ادائیگی کے لئے ایک تربیت کا درجہ رکھتا ہے۔ تاہم ظاہری فرائض بھی روح کی پاکیزگی میں مددگار ثابت ہوتے ہیں جو کہ ابدی و اخروی نجات و بخشش کا واحد ذریعہ ہے۔ عام طور پر ایک صوفی اپنی روحانی عبادات کے ذریعے اپنے اندر ایسی سلاحتیں و قوتیں پیدا کر لیتا ہے کہ جو عاقل لوگوں کے لئے حیرت انگیز و عجب خیر ثابت ہوتی ہیں۔ لیکن ایک صوفی کو ان سب چیزوں کی خواہش و تمنائیں ہوتی بلکہ وہ تو انہیں نفرت و تہارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اگرچہ کچھ لوگ خاص امدل کے ذریعے ماورائی اشیاء بارے جان سکتے ہیں پھر بھی ایک صوفی اس کی تمنا نہیں کرتا کیونکہ یہ ماورائی اشیاء اللہ تعالیٰ کے رازوں و مجیدوں پر مشتمل ہوتی ہیں اور ان کو قبل از وقت اظہار انسان کے لئے قصاص دہ اور باعثِ ضرر ہوتا ہے۔ اسی لئے اگر ایک صوفی ماورائی اشیاء بارے جاننے کی قوت و طاقت حاصل بھی کر لے تو بھی وہ اسے استعمال میں نہیں لاتا۔ ایک صوفی کا اولین مقصد ہمیشہ روح کی پاکیزگی ہی ہوتا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ترین بندہ بن سکے۔ صوفیہ کرام کے مطابق ایک کامل انسان وہ ہوتا ہے جو اپنے ظاہر کے ساتھ ساتھ اپنے باطن کو بھی سنوارتا ہے۔ فقہ یا اسلامی قانون انسان کی کم کم ظاہری زندگی جیسے کہ مذہبی عبادات، ازدواجی زندگی اور تعزیرات وغیرہ سے متعلق اصول و قوانین پر مشتمل ہوتا ہے۔ جبکہ اس کے برعکس تصوف کا حقیقی تعلق انسانی زندگی کے باطنی پہلو سے ہے۔ نماز کے بنیادی ارکان (مثلاً قیام، رکوع، سجدہ وغیرہ) کو تعلق فقہ کے شعبے سے ہے جبکہ نماز کے دوران انسان کا خلوص نیت و عمل اور اللہ سے محبت و جاں نثاری کا جذبہ باطنی محسوسات میں اسی لئے ان کا

تعلق تصوف کے شعبے سے ہے۔ ہم اس سلسلے میں قرآن پاک کے وہ ارشادات کا ذکر کر سکتے ہیں، پہلا یہ کہ:

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١﴾ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ﴿٢﴾

(سورۃ المؤمنون، آیات 1-2)

**ترجمہ** ”بے شک ایمان والے کامیاب ہو گئے جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے

ہیں۔“

دوسرا یہ کہ:

إِنَّا أَنشِئُكُمْ نِجَابًا مُّبِينًا ﴿١﴾ وَاللَّهُ وَهُوَ سَادُّهُمْ رَوْحًا ﴿٢﴾ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالًا ﴿٣﴾ يُدَّخِرُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٤﴾

(سورۃ النساء، آیت: 142)

**ترجمہ** ”مزا فیق اللہ کو فریب دیتے ہیں اور وہی ان کو فریب دے گا اور جب وہ نماز

میں کھڑے ہوتے ہیں تو سُست بن کر کھڑے ہوتے ہیں۔ لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ

کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔“

نماز کے ارکان کی صحیح یا غلط ادائیگی جن کی طرف ان آیات میں اشارہ کیا گیا ہے ہمارے لئے یہ بات سمجھنے میں مددگار ثابت ہوتی ہیں کہ اسلام اپنے پیروکاروں سے زندگی کی تمام سرگرمیوں میں کس قسم کے افعال و اعمال کا تقاضا کرتا ہے۔

﴿208﴾ (الف) اسلامی عقیدہ ایک نیفہ یاریاست کے سربراہ کو نہ صرف سیاسی امور (جن میں انتظام انصاف بھی شامل ہے) بلکہ مذہبی رسوم کو بھی احسن طریقے سے سرانجام دینے کا پابند کرتا ہے۔ مذہبی رسوم سے مراد اسلامی ظاہری عبادات ہیں مثلاً نماز، روزہ، حج وغیرہ۔ یہ تمام ظاہری عبادات مختلف مکتبہ فکر کے تجویز کردہ فقہ یعنی اسلامی قانون کے وضع کردہ قوانین کے مطابق سرانجام دی جاتی ہیں۔ (آگے اسی کتاب کے پیرا گراف نمبر 563 (الف) میں دیکھئے)۔ فقہ کے شعبے میں ریاستی و مذہبی طاقت کی اجارہ داری متنازعہ انداز میں لاگو کی جاتی رہی ہے حالانکہ اسے ہماری زندگی میں نہ ہونے کے برابر اہمیت حاصل ہے۔ مسلمانوں کے درمیان اس بارے میں مسلکی تضادات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے زمانے سے چلے آ رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین کی حیثیت سے کس فرقے کو ریاست کے ذریعے حکومت کرنے اور مذہبی رسوم کی دائیگی بارے میں قوانین تجویز کرنے کا حق حاصل ہے۔ لیکن ہم اس بات کا فیصلہ رب قادر و قدیر اور علیہم وغیرہ پر قیامت کے دن تک کے لئے چھوڑتے ہیں۔ آئیے ہم اپنے مستقبل کو سنوارنے کے لئے ذرا راہ کا انتظام کریں اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے جنگ کریں۔ جہاں تک باطنی زندگی کا تعلق ہے صرف باطنی زندگی ہی آخرت کی ابدی و دائمی زندگی میں نجات کا ذریعہ بنے گی۔ باطنی زندگی کے اس سلسلے میں کوئی بغض و حسد نہیں پایا جاتا۔ باطنی زندگی میں بہت

سے لوگ ایک ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین بن سکتے ہیں اور بہت سے لوگوں نے ایسا مقام و مرتبہ حاصل بھی کیا۔ اگر صوفیاء کرام کے سلسلہ نقشبندیہ کی لڑی حضرت ابو بکر صدیقؓ سے ہوتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے باطنی ہے تو اسی طرح قادریہ اور سہروردیہ سلسلے سے تعلق رکھنے والے صوفیاء کرامؓ حضرت علیؓ کی نسبت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا سلسلہ نسب جوڑتے ہیں۔ صوفیاء کرام کے یہ تمام سلسلے اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتے ہیں جو حضرت ابو بکر صدیقؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فوری سیاسی جانشین مانتے ہیں۔ تصوف کی منزل ابدال اور اتاد کے وجود بارے ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے۔ جن کا مطالعہ ہم ابن سعد ہی سے ابتدائی محدث کی تالیف میں کرتے ہیں۔ سیوطیؒ کے تحقیقی مقالے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قطب، ابدال اور اتاد کے موضوعات پر مبنی احادیث جمع کی گئی ہیں۔ ہمیں یہاں تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

## رب تعالیٰ کی رضا و خوشنودی

﴿209﴾ عوام الناس کی یہ خواہش و تمنا ہوتی ہے کہ چاہے وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کریں یا نہ کریں اللہ بل شانہ ان سے یکطرفہ محبت کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کو ان کی غلامی و ہیود اور خوشحالی کا خیال ان کی اللہ تعالیٰ کی حکم مدولی کی صورت میں بھی رکھنا چاہیے۔ قرآن پاک تعظیم و دیتا ہے کہ:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِذَا هُوَ فِي حَيْثُ يَخْبُؤُهُمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالَّذِينَ يَبْتِغُونَ  
الْحَبْلَ الْمُوتَ ۚ وَكَذَلِكَ يَوْمَئِذٍ الْكَافِرِينَ أَعْرَضُوا عَنْ آلِهَتِهِمْ كَمَا عَصَوْا  
وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ﴿٢٠٩﴾

(سورۃ البقرہ، آیت: 165)

**ترجمہ** ”اور ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ کے سوا اور شریک بنارکھے ہیں جن سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی کہ اللہ سے رکھنی چاہیے اور ایمان والوں کو تو اللہ ہی سے زیادہ محبت ہوتی ہے اور کاش وہ دیکھتے وہ لوگ۔ جو ظالم ہیں جب عذاب دیکھیں گے کہ سب قوت اللہ ہی کے لئے ہے اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔“

بہترین انسانوں کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے قرآن پاک میں مزید ارشاد ہوتا ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ  
وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ  
وَلَا يَخَافُونَ كَيْفَ لَا يَمُوتُ ۚ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٠٩﴾

(سورۃ المائدہ، آیت: 54)

**ترجمہ** ”اے ایمان والو جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا تو عنقریب اللہ ایسی قوم کو لائے گا کہ اللہ ان کو چاہتا ہے اور وہ اللہ کو چاہتے ہیں۔ مسلمانوں پر نرم دل ہوں گے اور کافروں پر زبردست، اللہ کی راہ میں لڑیں گے اور کسی کی ملامت سے نہیں ڈریں گے اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے، دیتا ہے اور اللہ کشاکش والا جاننے والا ہے۔“

**210** اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا حصول مادی تہیشات کے مماثل و مشابہ نہیں ہوتا کیونکہ رب رازق و رزاق مادی آسائشوں کے ذریعے انسان کی اپنی بارگاہ میں شکر گزاری و مذونیت کو آزما رہا ہے۔ بعض اوقات ایک انسان کو ان آسائشوں سے محروم کر کے اس کے صبر و برداشت اور استقامت و ثابت قدمی کو بھی آزمایا جاتا ہے۔ ان دونوں معاملات میں انسان کو اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت والہ اور وابستگی کا اظہار ضرور کرنا چاہیے۔ ایک طرف یہ ضروریات زندگی انسان کے اللہ کی رضا میں راضی ہونے کے ذریعے اُس کی امان کو ختم کرتی ہیں تو دوسری طرف یہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی مستقل و متاثر موجودگی کا احساس بھی دلاتی ہیں۔

**211** وحدت الوجود کے فلسفیانہ نظریے کی اساس ”فنائی اللہ“ کے احساس پر مبنی ہے۔ ایک صوفی کے نزدیک وحدت الوجود کے عقیدے کا محض زبانی و لسانی اظہار و اقرار کوئی قیمت نہیں رکھتا۔ بلکہ وہ تو اُس عقیدے میں ضم و غم ہونے اور اُسے حقیقت کے روپ میں ڈھالنے کی آرزو و جستجو کرتا ہے۔ اسی لئے ایک بچے و صحرے صوفی کے لئے صرف ”الہ“ باقی سب ”لا“ کے نظریے کے تحت جنم لینے والی وحدت الوجود و وحدت الشہود اور ان جیسی دوسری علمی اصطلاحات محض الفاظ پر مشتمل نظریات ہیں جن کا عمل سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ غیر متحرک و غیر متموج نظریات تصوف کے راہی کو اس کے راستے سے بھٹکا دیتے ہیں اور منزل کے حصول کی جانب اُس کے سفر کی رفتار میں کمی کا باعث بنتے ہیں۔

**212** یہاں اس بات کا ذکر کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی طریقہ وحدت الوجود سے مراد بندے کا اللہ میں مدغم ہونا بالکل بھی نہیں ہے۔ ایک انسان اللہ کے جتنے بھی قریب ہو جائے پھر بھی خالق اور مخلوق یعنی اللہ اور بندے کے درمیان فرق و امتیاز اور فاصلہ قائم و برقرار رہتا ہے۔ ایک شخص اپنی انا و خود داری کو تو فنا کر سکتا ہے لیکن اپنی ذات و شخصیت کو نہیں۔ ہم تصوف کے جتنے بلند درجے پر پہنچتے ہیں اتنا زیادہ اللہ تعالیٰ ہماری زبان سے ہوتا ہے، ہمارے ہاتھ سے نکل کر رہتا ہے اور ہمارے دل سے خواہش و تمنا کرتا ہے (بحوالہ بخاری) انسان اللہ تک پہنچ و رسائی حاصل کرتا ہے اور اللہ کی جانب سفر کرتا ہے لیکن اللہ اور بندے میں فرق ہمیشہ قائم و دائم رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مسلمان روحانی سفر کے لئے ”رفعت و شریعت“ کی اصطلاح استعمال نہیں کرتا جس کا مطلب و مفہوم ملاپ ہو سکتا ہے اور یہ مفہوم غلط فہمی پیدا کر سکتا ہے۔ مسلمانوں نے روحانی سفر کو اصطلاح ”معراج“ سے تخصیص کیا ہے جس کے معنی سیرِ حجاز و عروج اور رفعت و فوقیت کے ہیں اور جس کا مفہوم مختلف افراد کے مختلف رویوں کے مطابق مختلف ہوتا ہے۔ سب سے بلند ترین رتبہ جو ایک بنی نوع انسان حاصل کر سکتا ہے وہ وہی ہے جو حضرت محمد

صہی اللہ علیہ وسلم نے حاصل کیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تجربہ بھی ”معراج“ ہی کہلاتا ہے۔ پس داعی اسلام صہی اللہ علیہ وسلم نے ہوشمندی اور حالت بیداری میں عالم قافی سے عالم بالک سفر کرنے کا خوب (رویا) دیکھا اور اس سفر کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل جلالہ سے ملاقات کا شرف بخشا گیا۔ یہاں تک کہ آپ صہی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی حالت بارے (جو کہ وقت اور فاصلے سے مبرا ہے) قرآن پاک باضابطہ اشارہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اتنا فاصلہ تھا۔

فَكَانَ قَبْ قَبَّ سَيْنٍ اِذَا اَذْنَبَ (سورة النجم، آیت: 9)

**ترجمہ** ”پھر فاصد دو کمان کے برابر تھا یا اس سے بھی کم۔“

اور اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان فاصلے کا یہ نقشہ ناکہ جو قرآن پاک میں بیان کیا گیا ہے نہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کے درمیان قرب و نزدیکی کو ظاہر کرتا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان فرق بارے نشاندہی بھی کرتا ہے۔ خود آپ صہی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک حدیث مبارکہ میں ایک مومن کے لئے ”معراج“ کی اصطلاح استعمال کی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”نماز مومن کی معراج ہے۔“ ظاہر ہے کہ ہر شخص کو اس کی روحانی صداہیت و قابلیت اور علمی و عملی خصوصیات کے مطابق ہی معراج کا درجہ دیا جاتا ہے۔

213 روحانی سفر یعنی تصوف کی منازل کا پورا ایک سلسلہ ہے اور ایک شخص آہستہ آہستہ ہی یہ تمام منازل عبور کرتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کی ابتداء غار حرا میں پیش آنے والی مشکلات سے کی۔ اور پھر جب داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا کلی دور شروع ہوا تو اُس میں بھی آپ صہی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا۔ جن میں خدائے واحد کی جانب دعوت و تبلیغ کے لئے اپنے وجود تک کی فنی بھی شامل تھی۔ ہجرت مدینہ منورہ کے بعد ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب رحمن و رحیم کے حکم پر دشمنان اسلام کے خلاف جنگ کا آغاز کیا۔ یہ ممکن ہے کہ ایک شخص ظاہری طور پر درویشی کا لبادہ اوڑھ لے جبکہ باطنی لحاظ سے وہ بھیڑ کی شکل میں ایک بھیڑیا ہو۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ ایک بادشاہ اپنے تمام تر اختیارات و وسائل کی موجودگی میں انھیں بروئے کار لائے بغیر ایک درویشانہ و صوفیانہ زندگی بسر کرے اور اپنے روحانی و باطنی فرائض کی تکمیل کے لئے زندگی کی تمام تر آسائشوں سے قطع تعلقی اختیار کرتے ہوئے ایک عظیم قربانی پیش کرے۔

214 عاجزی و انکساری کا احساس انا کی قید سے آزادی حاصل کرنے کی اولین شرط ہے۔ جس پر عمل کیا جانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک غرور و تکبر سب سے بڑا گناہ ہے۔ الغرض اے مطابق دکھاوا اپنی ذات کی پرستش کے مترادف ہے اسی لئے یہ شرک کی ایک قسم ہے۔



215

چونکہ مختلف افراد مختلف مزاجوں کے حامل ہوتے ہیں اسی لئے تقوٰف کی منازل کے حصول کے راستے بھی مختلف لوگوں کے لئے مختلف ہوتے ہیں۔ ایک شخص زہرور ہنما اور استاد کی ضرورت پر اصرار کرتا ہے۔ ایک شخص جس نے طبی تعلیم گھر پر اپنے طور پر حاصل کی ہے اور وہ کارآمد موزی کے دور سے بھی نہیں گزرا۔ اُس نے ماہر ڈاکٹروں کی زیر نگرانی طب کی کتابیں نہیں پڑھیں تو اُسے دوسرے افراد پر ڈاکٹری کی نشق کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ ایسے واقعات شاذ و نادر ہوتے ہیں کہ جن میں ایک شخص اپنی کمزوریوں کو کمائیوں کو پہچان لیتا ہے۔ ایسے لوگ بہت ہی کم ہوتے ہیں جو اپنی غلطیوں کو فوراً سدھار لیتے ہیں۔ سب سے پہلے ہمیں ایک استاد کی ضرورت ہوتی ہے جو ہمیں ہماری غلطیوں و خامیوں سے آگاہ کرے اور انھیں سدھارنے کا طریقہ بھی بتائے۔ ایک فرد کا مستقل نشو و نما اور دائمی ارتقاء سے گزرنا لازمی امر ہے اور اس دوران ایک استاد ہمیں بہت ساری غیر ضروری کوششوں سے باز رکھتا ہے۔ اگر ایک فرد ارتقاء کے عمل سے گزرتے وقت رضی کے تجربات سے استفادہ نہیں کرتا اور اگر ہر شیر خوار بچہ ارتقاء و نشو و نما کے مقصد کے حصول کے لئے از سر نو کوشش کرتا ہے اور اس کے لئے اپنے آباء و اجداد کے تجربے سے فائدہ اٹھانے کی بجائے اپنی ذات پر ہی اتکا کرتا ہے تو ایسی صورت میں ثقافت اور تہذیب ترقی نہیں کرے گی جبکہ تہذیب اور ثقافت کی تشریح اُس بارے ذریعہ علم اور ہمارے آباء و اجداد کے ذہن درمل عمل کے الفاظ میں کی جاتی ہے۔ ایک شاگرد اپنے استاد کے فیصلے و مشورے کے لئے جو عزت و احترام اپنے دل میں رکھتا ہے وہ عزت و احترام وہ اپنے ساتھیوں یا اپنے برابر عمر رکھنے والے لوگوں کے لئے نہیں رکھتا۔ کسی بھی چیز بارے نظریاتی علم حاصل کرنے کے بعد ایک شخص اُن نظریات کو عملی طور پر سمجھنے و یکینے کے لئے ان آزمائشوں سے گزرتا ہے۔ یہ بات روحانی سائنس کی طرح مادی سائنس سے متعلق بھی صحیح و درست ہے۔ ایسی بہت سی چیزیں ہیں جنہیں کوئی بھی شخص محض پڑھنے یا سننے سے نہیں کچھ سکتا کسی ماہر استاد کے زیر نگرانی اُن چیزوں کا عملی استعمال لازمی و ناگزیر نہ ہوتے ہوئے بھی ہمیشہ فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ صرف علم حاصل کر لینا کافی نہیں ہوتا۔ علم کے اندر ضم و غم ہونا اور اُسے اپنی ثانوی فطرت بنانا از حد ضروری ہوتا ہے۔

216

صوفیاء کرام چار اعمال بارے نصیحت کرتے ہیں ① کم کھاؤ ② کم سوؤ ③ کم بولو ④ لوگوں سے کم میل ملاقات رکھو۔ ”کم“ سے مراد ان اعمال سے مکمل انکار ہرگز نہیں ہے جو کہ بعض اوقات ناممکن و تکلیف دہ جبکہ ہمیشہ ناپسندیدہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ کھانے اور سونے سے انکار ناممکن ہے۔ ہر چیز میں اعتدال پسندی ہمیشہ ضروری ہوتی ہے۔ ہر شخص کو کھانے کے لئے زندہ رہنے کی بجائے زندہ رہنے کے لئے کھانا چاہیے۔ انسان کا اللہ تعالیٰ کی مرضی و مشاء اور اس کے احکامات کی تکمیل کے مقصد کے تحت کھانا ایک عبادت ہے جبکہ اس کے برعکس انسان کا اپنی خوراک کم کرنا اور اس حد تک کم کرنا کہ اُس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی جسمانی کمزوری کے باعث وہ اپنی روحانی عبادت سرانجام نہ دے سکے تو یہ گنہہ کے زمرے میں آتا ہے۔ نیند صحت کے لئے ضروری ہے اور

انسان پر فرض کی صورت الگو ہے لیکن سستی و کاہلی جو کہ ہمارے زیرِ دہرِ آرام کا باعث بنتی ہے اس کی وجہ سے ہماری روحانی نشوونما متاثر ہوتی ہے۔ کم سونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم اپنا وقت مادی ضروریات حاصل کرنے میں گزاریں بلکہ اس سے مراد اپنا زیادہ سے زیادہ وقت عبادت اور تقویٰ میں گزارنا ہے۔ کم بولنے سے مراد غیر اہم وغیرہ سنجیدہ گفتگو میں تخفیف و تحلیل سے کام لینا اور اگر ممکن ہو تو تمام بری و بے ہودہ باتوں سے احتراز کرنا ہے۔ ہماری یہ عادت ہوتی ہے کہ ہم اکثر و بیشتر دوسروں کو اچھے و مفید مشوروں سے نوازتے ہیں جبکہ خود اُن مفید و کارآمد مشوروں پر عمل کرنا بھول جاتے ہیں۔ لوگوں سے کم میل جول رکھنے کا مطلب ہے کہ ہم غیر ضروری گفتگو اور بے سود و بے فائدہ ملاقاتوں سے باز رہیں۔ دوسروں کے کام آنا اور ایسی چیزوں کے حصول میں مشغول رہنا جن سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو سکے اکثر ہونے والی بے فائدہ و بے معنی ملاقاتوں سے بہتر افعال ہیں۔ تاہم یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ مختلف افراد کی اُن کی منزل ارتقاء کے مطابق مختلف ضروریات ہوتی ہیں۔ کوئی بھی شخص ایک ماہر استاد اور ایک نوآموز شاگرد کو یک وقت ایک ہی نصیحت نہیں کر سکتا۔ دنیاوی ملاقاتیں اکثر اوقات وقتی ترغیبات، ہر رے وقت کے بے جا فیصلے اور ہماری بہت اہم ذمہ داریوں ہمارے ہمارے غفلت برتنے کا باعث بنتی ہیں۔ صوفیہ کرام کی تجویز کردہ ان چار نصیحتوں میں ایک اور نصیحت کا اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ وہ نصیحت ہے کم خرچ کرنا۔ اس سے مراد آسائشوں پر، عشوہ گری پر اور ذاتی خوشی پر خرچ کرنا ہے۔ کم خرچ کرنے سے جو رقم بچے گی وہ ہم اپنے ان دیرینہ مقاصد پر خرچ کر سکتے ہیں جن کے لئے ہمارے پاس ہماری فضول خرچی کی عادت کی وجہ سے اتنی بھی رقم نہیں بچتی کہ ہم اس مقصد کے لئے اپنا تھوڑا سا حصہ ادا کر سکیں۔ یہ پانچ نصیحتیں اسلام کے پانچ معاشی اصولوں پر مشتمل ہو سکتی ہیں جن میں روحانی اور مادی دونوں اصول شامل ہیں۔

## خصوصی عبادات

﴿217﴾ ہر شخص کو ہر لحاظ و ہر لمحہ رب قاور و قدیر کو یاد رکھنا چاہیے۔ ضروری و لازمی پہلو یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو دل سے یاد کرے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کے بارے میں ارشاد کی تا پائیداری کی صورت میں ایک شخص روح کی موجودگی کو مضبوط و مستحکم کرنے اور اپنے فکر و خیال کو ذاتِ خداوندی پر مرکوز و مرکوز کرنے کے لئے جسمانی طریقہ کار استعمال کرتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۖ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿٤١﴾

(سورۃ الاحزاب: آیات: 41، 42)

ترجمہ ”اے ایمان والو! اللہ کو بہت یاد کیا کرو اور اس کی صبح و شام پاکی بیان کرو۔“

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرْ ذِكْرَ اللّٰهِ قَلِيْبًا وَقُوْعَةً اَوْ عَلٰى جُنْحٍ يَّهْمُهُ وَيَتَفَكَّرُ ذِكْرَ نَفْسِ السَّلٰتِ  
وَاِذَا مَرَضَ تَرٰ نَفْسًا مَّا خَلَقَتْ هٰذَا اَبَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِيْثًا عَادَبَ النَّاسُ ۝  
(سورۃ آل عمران، آیت: 191)

**ترجمہ** ”وہ جو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کھڑے پر لیٹے یاد کرتے ہیں اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں فکر کرتے ہیں۔ (کہتے ہیں) اے ہمارے رب! تو نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا۔ تو سب عیبوں سے پاک ہے۔ سو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔“

کچھ اجتماعی دماغیں ایسی ہیں جن میں کچھ تراکیب متعدد بار دہرائی گئی ہیں۔ کچھ دماغیں ایسی ہیں جنہیں ایک شخص عام طور پر پڑھتا ہے۔ ایسا دماغی یا فنی یا فنی آواز میں کیا جاتا ہے لیکن اللہ کی براہِ عا کا تعلق ہمیشہ اللہ کی تخلیق کردہ اشیاء کی بجائے بغیر کسی تبدیلی کے اللہ، اللہ کی ذات یا اس کی صفات سے ہونا چاہیے۔ یہاں تک کہ اگر انسان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ممنون و متفکر ہوتا ہے اور ان کی تعریف و توصیف بیان کرتا ہے تو اس صورت میں بھی منہج و ماخذ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہونی چاہیے۔ ورنہ جس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے کچھ نہیں مانگنا چاہیے کہ وہ بذات خود اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر ہر افعال کا کام کر دیں۔ مثال کے طور پر ہمیں کہنا پڑے کہ ”اے اللہ، تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ، فضیلت اور بلند درجہ عطا فرما“ یا ”اے اللہ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مقام محمود پر پہنچا دے جس کا تو نے اُن سے وعدہ فرمایا ہے اور ہمیں قیامت کے دن اُن کی شفاعت سے بہرہ مند فرما“ وغیرہ۔ صوفیاء کرام پیچھے بعض اوقات ذاتِ خداوندی بارے فکر و خیال کے ارتکاز کی پختگی کے لئے گوشہ نشینی اختیار کرنے، یا خلوت میں رہنے، کچھ لمحوں کے لئے سانس روکنے، آنکھیں بند کرنے اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہوئے دل کی دھڑکن پر توجہ مرکوز کرنے وغیرہ جیسے افعال و اعمال کرتے ہیں۔ صوفیاء کرام پیچھے کے مطابق اللہ جل شانہ کو یاد رکھنے کے تین درجات ہیں ① صرف اللہ کا نام یاد رکھنا ② اُس کے نام کے ذریعے اُس کی ذات کو یاد رکھنا ③ اللہ کے نام یا کسی بھی طرح کے دیگر ذرائع کی امداد کے بغیر ذاتِ خداوندی کو یاد رکھنا۔ صوفیاء کرام کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان اعمال بارے نصیحت فرمائی۔ اور ان اعمال کا کسی اور پس منظر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس بات کا ذکر کیا جاسکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس دھگے کی بنی ہوئی ایک تہیج تھی اُس دھگے میں دو ہزار گریں تھیں جو تہیج کے دالوں کا کام دیتی تھیں اور حضرت ابو ہریرہؓ ہر شب اُس پر ایک خاص دعا دہراتے تھے۔

218 صوفیاء کرام پیچھے کے دیگر اعمال کے حوالے سے ہم ترک دنیا، انسانی وجود سے انکار اور موت اور مزاجِ ابارے خصوصی غور و فکر پر مشتمل زندگی کا ذکر کر سکتے ہیں۔ اسلام میں یہ تمام اعمال تصوف کی آخری حد

نہیں سمجھے جاتے بلکہ یہ دراصل انا و خوداری کے خاتمے میں مہارت کے حصول کے لئے عارضی و وقتی ذرائع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہر وہ عمل (خیر) جس کی ایک انسان اپنے آپ کو اجازت دیتا ہے وہ دو اقسام پر مشتمل ہوتا ہے ① ضروریات ② تعیشات۔ کوئی بھی شخص ضروریات سے قطع تعلق نہیں کر سکتا کیونکہ یہ خود کشی ہوگی۔ اسلام میں خود کشی کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ ہم اپنے آپ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے منک کیے جاتے ہیں اور کسی چیز کو جس کے مکمل حصول سے پہلے تباہ و برباد و نیست و نابود کر دینا اللہ تعالیٰ کی مرضی و منشاء کے خلاف عمل کرنے کے مترادف ہے۔ جہاں تک تعیشات و آسائشات کا تعلق ہے اگر ہم انہیں اپنی اس دنیا میں رہنے کا مقصد نہ بنائیں تو یہ چیزیں شرعاً حلال ہیں۔ ایک شخص ان تعیشات و آسائشات کو اپنی حیوانیت پر غلبہ پانے کے لئے ترک کر سکتا ہے اور ایک شخص ان لوگوں کی مدد کے لئے بھی ان آسائشات سے قطع تعلق کر سکتا ہے جو زندگی کی بنیادی ضروریات تک سے محروم ہیں۔ شاید ایک شخص اپنی غلطیوں و کوتاہیوں کے جرمائے کی ادائیگی کے طور پر بھی دنیاوی آسائشات کو ترک کر سکتا ہے۔ لیکن اس بات کی اجازت نہیں دی جاتی کہ یہ عمل مبالغہ آرائی اور انداز میں یا تمام حدود کو بالائے طاق رکھ کر کیا جائے۔ ایک گناہگار انسان جو پاکیزہ زندگی گزارنے کے لئے جدوجہد اور تک و دو کرتا ہے اُس انسان سے بہتر ہے جو اپنی خواہشات کے خاتمے کے لئے کسی بھی قسم کے ذرائع کا سہارا لیتا ہے مثلاً عملِ جراحی کے ذریعے۔ ایک شخص جس کے پاس گناہ کرنے کی طاقت و قوت ہی نہیں ہے اُس شخص کے مقابلے میں کوئی اہمیت و حیثیت نہیں رکھتا جو گناہ کا ارتکاب کرنے کی پوری طاقت و قوت اور اختیار رکھتا ہے لیکن پھر بھی اللہ کے خوف کے باعث رضا کارانہ طور پر گناہ کا ارتکاب کرنے سے اجتناب کرتا ہے۔

﴿219﴾ انسانی وجود سے انکار، عیاشی سے احتراز و پرہیز اور دیگر روحانی اعمال کچھ انسانی عملیاتوں و قابلیتوں میں اضافے کا باعث بنتے ہیں۔ پھر بھی ایسی صلاحیتیں و قابلیتیں چاہے کتنی ہی حیرت انگیز و معجزہ خیز کیوں نہ ہوں اللہ کی جانب سفر کرنے والا انسان کبھی بھی ان کے حصول کی خواہش نہیں رکھتا۔ ایک صوفی اعمال کی ادائیگی کے دوران پیدا ہونے والے خودکار احساسات کی بجائے اعمال کے حصول کی تلاش میں رہتا ہے۔ ایک کافر بھی اپنے اندر صوفیانہ و کرام جیسی کچھ خصوصیات پیدا کر سکتا ہے لیکن پھر بھی یہ خصوصیات اس کی ابدی و دائمی نجات و بخشش کا ذریعہ نہیں بن سکتیں۔ ایک صوفی صوفیانہ سفر کے دوران پیش آنے والے واقعات سے متعلق نفع و نقصان کی پروا کیے بغیر اپنی منزل کی جانب سفرِ مسلسل جاری رکھتا ہے۔

﴿220﴾ ایک صوفی یا درویش کی زندگی ماضی کے گناہوں کے پچھتاوے اور جس حد تک ممکن ہو سکے دوسرے لوگوں کو پہنچائی گئی تکالیف کے ازالے سے شروع ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ حقوق اللہ تو معاف فرمادیتا ہے لیکن حقوق العباد معاف نہیں کرتا اسی لئے حقوق العباد صرف بندوں سے ہی معاف کرائے جاسکتے ہیں۔ ایسا صرف اُس صورت میں ہو سکتا ہے جب ایک شخص اللہ کے راستے پر چلے۔ اللہ سے گناہوں کی معافی طلب کرنے پر کسی شخص، طبقے یا ذات کی اجارہ داری نہیں ہے بلکہ یہ ہر شخص کی پہنچ میں ہے اور ہر فرد پر فرض ہے کہ وہ

اس راستے کا انتخاب کرے۔ اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے کی دو شرائط ہیں ① اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری ② اللہ تعالیٰ کی مسلسل یاد۔ اطاعت و فرمانبرداری اس حوالے سے آسان ہے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ اُسے کیا کرنا چاہیے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کس بات میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا و خوشنودی کے لئے اپنی ہدایات و احکامات اپنے مقرر کردہ پیغمبروں کے ذریعے عوام الناس تک پہنچائے۔

221 ﴿﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام اپنے بندوں تک پہنچانے کے لئے لاتعداد پیغمبر بھیجے۔ اگر ایک پیغمبر کی تعلیمات کی تفصیلات دوسرے پیغمبر سے مختلف تھیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے اپنی رائے بدل لی تھی بلکہ انسانی صلاحیتوں کی تہدیبی و تنزلی کی وجہ سے رب رحمن و رحیم اور حکیم و علیم کی رحمت و حکمت اس امر کی متقاضی تھی کہ انسانی ضابطہ کثبات کے اصولوں اور ان کی تفصیلات کو تبدیل کیا جائے۔ حالانکہ پیغمبروں کی بنیادی تعلیمات اور خاص طور پر وہ تعلیمات جن کا تعلق اللہ اور اس کے بندے کے درمیان رشتہ و تعلق سے تھا وہ سب پیغمبروں کی ایک جیسی ہی تھیں۔۔۔۔۔ قرآن پاک میں اس نکتے پر بہت زور دیا گیا ہے۔۔۔۔۔ یہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی بجائے آوری میں شامل ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے تازہ ترین احکامات کی پابندی کرے۔ مثال کے طور پر یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انسان کو حضرت ابراہیمؑ کے ذریعے کچھ چیزیں سکھائی ہیں تو ان چیزوں کو حضرت موسیٰؑ کی تعلیمات کی پیروی کے لئے ترک کرنا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے زمرے میں نہیں آئے گا۔ کیونکہ حضرت موسیٰؑ اپنے وقت میں اسی قانون ساز و مقنن یعنی اللہ تعالیٰ کے نئے قوانین کو لے کر آئے تھے۔ مزید یہ کہ حضرت موسیٰؑ کی تعلیمات کو نظر انداز کرنا اور حضرت ابراہیمؑ کی تعلیمات کی پیروی جاری رکھنا اللہ تبارک و تعالیٰ کی ہار کا دھندہ اقدس میں سنگین نافرمانی ہوگی۔ اس لئے انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اُن احکامات پر باری باری عمل کرے جو اُس نے اپنے یکے بعد دیگرے بھیجے گئے پیغمبروں کے ذریعے انسان تک پہنچائے ہیں۔ جن میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سب سے جدید ترین ہیں۔ اسی لئے انسان اپنے دل میں اللہ کے پہلے پیغمبروں کے لئے عزت و احترام رکھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے تازہ ترین احکامات و قوانین پر عمل کرتا ہے جو اُس نے انسان تک پہنچائے ہیں۔ ایک مسلمان تورات، زبور اور انجیل کو اللہ تعالیٰ کے کلام کی حیثیت سے مقدس سمجھتا ہے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے تازہ اور جدید ترین کلام و احکام پر عمل کرتا ہے جسے قرآن پاک کہتے ہیں۔ جو کوئی بھی پرانے و پچھلے قوانین کی پیروی کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نافرمان تصور کیا جاتا ہے۔

نتیجہ

222 ﴿﴾ انسان کو اندرونی اور بیرونی وجود یعنی روح اور جسم کے ملاپ سے تخلیق کیا گیا ہے۔ اسی لئے انسان کی ہم آہنگ ترقی اور تکمیل کی جانب متوازن نشو و نما سہت کی متقاضی ہیں کہ انسان کی روح اور اس کے جسم کو یکساں توجہ دی جانی چاہیے۔ اسلام میں تصوف یا روحانی ثقافت سے مراد انا و خود غرضی کا خاتمہ اور وجود باری

تعالیٰ کا ہمیشہ بڑھنے والا احساس ہے۔ اللہ کی رضا میں راضی ہونے کا مطلب غیر متحرک ہونا بالکل بھی نہیں ہے۔ قرآن پاک میں لاتعداد آیات میں انسان کو آگاہ کیا گیا ہے کہ حرکت میں برکت ہے اور یہاں تک کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے لئے اچھے اعمال کے ذریعے بڑی خواہشات کا مقابلہ کرنا چاہیے اپنی بڑی خواہشات کو عملی جامہ پہنانے کی بجائے اللہ کے احکامات پر عمل کرنا انسان کو غیر متحرک پن کی طرف نہیں لے جاتا اور انسان اللہ کے احکامات پر حب عمل کرتا ہے جب اُسے اللہ کی رضا معلوم ہوتی ہے۔ البتہ اللہ کی اُس رضا بارے نہ بانٹے ہوئے بھی جو انسان سے مخفی و پوشیدہ رکھی گئی ہے انسان کو اپنے اُس مقصد کے حصول کے لئے جسے وہ اپنے ضمیر کے مطابق صحیح و درست اور اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کے عین مطابق سمجھتا ہے پے درپے ناکامیوں کے بعد بھی اپنی کوشش و کوش میں ہمیشہ جاری و ساری رکھنی چاہیے۔ متحرک و متوجہ قسمت و تقدیر کا یہ نظریہ جو ایک شخص کو حرکت کرنے اور اللہ کی رضا میں راضی ہونے پر ابھارتا و اکساتا ہے، قرآن پاک کی ان آیات میں بڑے واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے:

مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِی الْأَرْضِ وَلَا فِی أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِی كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّزِيلَهَا ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝ لِّكَيْ لَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُم ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ۝

(سورۃ الحديد، آیت: 22، 23)

**ترجمہ** ”جو کوئی مصیبت زمین پر یا خود تم پر پڑتی ہے وہ اس سے پیشتر کہ ہم اُسے پیدا کریں کتاب میں لکھی ہوتی ہے۔ بے شک یہ اللہ کے نزائے آسان بات ہے تاکہ جو چیز تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے اس پر رنج نہ کرو اور جو تمہیں (اللہ) دے اُس پر اترنا نہیں اور اللہ کسی اترانے والے شے خور سے کو پسند نہیں کرتا۔“

انسان کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی شان و شوکت اور عظمت کے ساتھ ساتھ اپنی عاجزی و انکساری اور روزِ آخرت و روزِ سزا و جزا کو بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اُسی روز اللہ تعالیٰ ہر فرد سے اُس کے اعمال و افعال کا حساب کتاب طلب فرمائے گا۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهَبَنَّ لَهُمْ شُبُلَنَا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ لِّخَيْرٍ ۝

(سورۃ النکبت، آیت 69)

**ترجمہ** ”اور جنہوں نے ہمارے لئے کوشش کی ہم انہیں ضرور اپنی راہیں بھادیں گے اور بے شک اللہ نیکو کاروں کے ساتھ ہے۔“

## اسلام کا اخلاقی نظام

﴿223﴾ بنی نوح انسان کو تین بنیادی اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے ① وہ افراد جو فطرتاً نیک ہوتے ہیں۔ حرص و طمع اور لالچ و مفاد پرستی کے جال میں کسی صورت نہیں چھنتے اور ان کی بہلت و بصیرت اچھے بُرے کی تمیز میں ان کی معاونت کرتی ہے۔ ② وہ افراد جو پہلی قسم کے افراد کی خصوصیات سے قطعی متفاد اور بالکل برعکس کردار کے حامل ہوتے ہیں۔ ③ وہ افراد جو پہلی اور دوسری قسم کے افراد کی نسبت درمیانی جگہ و درجہ و مقام پر فائز ہوتے ہیں اور اگر ان پر کوئی پابندی لگائی جائے یا ان کی نگرانی کی جائے تو وہ اس کا مثبت جواب دیتے ہیں ورنہ وہ غیر متاثر اور ناموزوں و نامناسب رویہ اختیار کر لیتے ہیں یا دوسروں کے ساتھ نا انصافی کرتے ہیں۔

﴿224﴾ تیسری قسم کے درمیانہ درجہ کے افراد کی از حد کثرت ہے۔ پہلی اور دوسری دو انتہا پسند اقسام کے افراد محض چند ہی ہوتے ہیں۔ پہلی قسم (انسانی فرشتے) کے افراد کو کسی طرح کی ہدایت و نصیحت یا رہبری و رہنمائی کی قطعی ضرورت نہیں ہوتی جبکہ دوسری قسم (انسانی شیطان) کے افراد کو انتہائی سختی کے ساتھ کنٹرول کرنا چاہیے ورنہ انہیں برائیوں سے روکنا چاہیے البتہ تیسری قسم (انسان) کے افراد کو سب سے زیادہ توجہ دینا پڑتی ہے۔

﴿225﴾ تیسری قسم کے افراد کوئی حوالوں سے میا لوں سے مشابہت رکھتے ہیں۔ وہ پُر سکون ہوتے ہیں اور جو کچھ اُن کے پاس ہوتا ہے اس پر اس وقت تک قانع رہتے ہیں جب تک انہیں یہ علم نہ ہو جائے کہ دوسرے ان سے زیادہ بہتر حیثیت کے مالک ہیں یا یہ کہ انہیں دوسروں کی شرارت و شرانگیزی بارے شک و شبہ نہ ہو جائے۔ خواہشات و مفادات اور حرص و طمع جیسی برائیوں کی جانب رجحان و میلان ہر دور میں انسانی معاشرے کی فکر و سوچ کا مرکز و محور رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ والد اپنے بچوں کو کنٹرول کرتا ہے۔ خاندان، قبیلہ، شہری ریاست یا افراد کے کسی بھی گروہ کا سربراہ پوری کوشش و کاوش کرتا ہے کہ جو افراد اُس کے حلقہ اثر میں ہیں وہ دوسروں کی دہانتداری اور قانونی طریقے سے حاصل کی گئی کمائی کو ہڑپ و غصب کرنے کی بجائے صرف اسی پر صد بروشا کر رہیں کہ جو کچھ ان کے پاس ایسا ہے۔ شاید انسانی معاشرے کا مقصد اور نصب العین ہی یہی ہے کہ حرص و طمع کو قابو میں لایا جائے اور اس نقصان کا ازالہ و تلافی کی جائے جو پیسے ہی ہو چکا ہے۔ تمام انسانوں حتیٰ کہ ایک ہی قوم کے تمام افراد کی شخصیت کی تعمیر کبھی بھی ایک جیسی نہیں ہوتی۔ ایک نیک صفت روح ہمیشہ

دوسروں کے لئے قربانی، یعنی اور فلاح و اعانت کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کے لئے تیار ہوتی ہے۔ ایک ذہین و فطین روح بہت دیر اندیش ہوتی ہے اور فوری بُرے و ہشامک نتائج کا خوف اُسے برائی کرنے سے روکتا ہے اور وہ کسی کی ترغیب و تحریص کے بغیر اپنی مرضی و مشیت سے دوسروں کی ذات کی بھلائی کے لئے قربانی، یعنی کو تیار رہتی ہے۔ جہاں تک عام انسانی روح کا تعلق ہے وہ اپنی مرضی و مشیت سے کسی دوسرے کے لئے قربانی دینے کی بجائے دوسروں کے مفادات قربان کر کے ترقی کرنے سے گریز نہیں کرتی جب تک کہ اُسے متاثرہ فرد یا معاشرے یا کسی اور زبردست قوت کے فوری اور شدید رد عمل کا خوف و خطرہ نہ ہو۔ مگر غبی و کند ذہن روح اس قسم کے خوف و خطرہ کے باوجود بھی آخر دم تک اپنے نجرمانہ ارادے پر مصر و جھد رہتی ہے اور اپنے مخالفین کے خلاف اس وقت تک زور آزمائی کرتی رہتی ہے جب تک کہ معاشرہ اُسے دوسروں کو ایذا پہنچانے کے بدلے موت یا قید کی سزا نہیں دے دیتا۔

﴿226﴾ تمام قوانین، تمام مذاہب اور تمام فلسفے عام انسانوں یعنی درمیانہ درجہ کی قسم کے افراد کو اس بات کی تاکید و تلقین کرتے ہیں کہ وہ حوزوں و مناسبات رو بہ اور طور طریقہ کا مظاہرہ کریں اور حتیٰ کہ غرباء، قلاش اور محروم افراد کے لئے رضا کارانہ قربانی دیں اور ان لوگوں کی مدد کریں جو اگرچہ اپنی ضرورتیں پوری کرنے سے قاصر ہیں مگر اس میں ان کی کسی غلطی کا عمل دخل نہیں۔

## اسلام کے امتیازی اوصاف

﴿227﴾ اسلام تمام شعبہ ہائے حیات کے لئے ضابطہ اور سلیقہ و طریقہ کا حامل ہے۔ اسلام نہ صرف اعتقادات بیان کرتا ہے بلکہ سماجی و معاشرتی رویے کے قوانین بھی فراہم کرتا ہے۔ مزید یہ کہ اسلام اپنے ضابطوں کے استعمال اور ان کی عمدہ مثال سے بھی منور و مزین ہے۔ ہم اس امر سے بخوبی آگاہ و آشنا ہیں کہ اسلام انسانی زندگی کو محض اس دنیا میں ہی اختتام تک محدود نہیں سمجھتا۔ اسلام یہ نہیں مانتا کہ جسم اور روں کا آپس میں کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کے برعکس اسلام آخرت کی زندگی کے عقیدہ کی تعلیم دیتا ہے۔ قرآن کے اہلان کے مطابق اسلام کا نصب العین اور نشان امتیاز ”یہ دنیا بھی بہترین اور وہ دنیا بھی بہترین“ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نہ صرف نیکی کی توصیف اور برائی کی مذمت کرتا ہے بلکہ مادی و روحانی جزا و سزا ملنے کا اعلان بھی کرتا ہے۔ جہاں تک اس کے اوامر و نواہی کا تعلق ہے اسلام روح، خوف خدا، دوبارہ زندہ کیے جانے کے بعد آخری روز حساب اور دوزخ کی آگ کی سزا کے اعتقاد و یقین پر زور دیتا ہے۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں اسلام مادی دنیا میں ہر ممکن احتیاطی تدابیر اختیار کرتا ہے تاکہ انسان کو نا انصافی اور دوسروں کے حقوق غصب کرنے سے روکا جاسکے۔ یہی وجہ ہے کہ مومن و مسلمان کسی دباؤ یا پریشی کے بغیر نمازیں پڑھتا ہے اور روزے رکھتا ہے۔ وہ پھر بھی ٹیکس اور زکوٰۃ ادا کرتا ہے جب حکومت وقت اس قابل نہیں ہوتی کہ اس پر کوئی قوت و طاقت استعمال کر سکے۔



## اخلاقیات کی بنیادیں

**228** بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ نیت، ارادہ یا حالات کے باعث ایسے واقعات یا افعال و اعمال سرزد ہو جاتے ہیں کہ جو اظہار ایک دوسرے سے مشابہت و مماثلت رکھتے ہیں۔ مثلاً کسی ریزن و تفریق کے ہاتھوں کسی کا قتل، شکاری کا شکار کرتے ہوئے غلط نشانے کی وجہ سے قتل، کسی پاگل یا بچے کا اپنے دفاع میں آیا گیا قتل، کسی سردار کا ٹریبونل کی جانب سے دی گئی سزا پر عمل درآمد کرتے ہوئے قتل، کسی فوجی کا سخت گیر حملہ کے خلاف اپنے ملک کا دفاع کرتے ہوئے قتل وغیرہ۔ ان تمام صورتوں میں قتل کرنے کی بعض اوقات کم یا زیادہ سزا دی جاتی ہے۔ بعض اوقات معاف کر دیا جاتا ہے۔ بعض اوقات اسے عمومی فریضہ سمجھتے ہوئے نہ ہی تعریف کی جاتی ہے اور نہ ہی مذمت کی جاتی ہے جبکہ بعض اوقات بہت زیادہ تعریف و توصیف اور عزت و وقعت سے نوازا جاتا ہے۔ دراصل ساری انسانی زندگی اعمال و افعال سے عبارت ہے۔ ان افعال و اعمال کا اچھا یا بُرا ہونا نیت و ارادہ یا حالات و واقعات پر منحصر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معلم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر و بیشتر فرمایا کرتے تھے کہ ”اعمال کا نقص نیت و ارادہ کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔“

**229** اسلام کی بنیاد ان احکامات الہی پر قائم ہے کہ جنہیں پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم (سابقہ ادوار میں سابقہ پیغمبروں) کے ذریعے لوگوں تک پہنچایا گیا۔ اس کے قوانین اور اخلاقیات اور حتیٰ کہ ایمان و اعتقاد کی اساس احکامات خداوندی ہیں۔ یہ کافی حد تک ممکن ہے کہ اکثر معاملات پر افراد اپنے استدلال اور توجیہ کی بنیاد پر متفقہ فیصلے پہنچ جائیں مگر اسلام میں یہ روحانی الہیاتی قوت ہی ہے جسے فیصلہ کرنے کا مکمل اختیار و امتیاز حاصل ہے۔ اس میں کسی فلسفی، فقیہ یا معلم اخلاق کے دلائل و توجیہات کا کوئی عمل و فعل نہیں کیونکہ مختلف افراد کے دلائل و توجیہات مختلف ہوتے ہیں جن کی بناء پر مکمل طور پر متضاد نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ بعض اوقات کسی ضابطہ کا مقصد اگرچہ کسی فرض اور عمل و روایت کے زیر اثر ہوتا ہے مگر بغاہر قائلو اور زائد از ضرورت معلوم ہوتا ہے۔

**230** انسانی اعمال و افعال کو اوامر و نواہی کے حوالے سے اچھے اور برے میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ وہ اعمال جن سے منع کیا گیا ہے (نواہی) ان کی دو بڑی اقسام ہیں: ① وہ اعمال و افعال جن پر روز آخرت کی سزا کے ساتھ ساتھ دنیاوی سزا بھی مقرر ہے۔ ② وہ اعمال و افعال جن کی سزا صرف روز آخرت ہی ملے گی۔ ان پر دنیاوی و دنیاوی حدود کا اطلاق نہیں ہوتا۔

**231** داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث (بحوالہ ”شفا“، قاضی عیاض) ہمیں اسلامی نظریہ حیات بارے آگاہ و آشنا کرتی ہے۔ ”حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک روز معلم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ ﷺ کے عمومی رویے کے حوالے سے اصول و ضوابط بارے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ علم میرا سرمایہ ہے۔ استدلال میرے دین کی اساس ہے۔ محبت و شفقت میری تائیس ہے۔ تمنا و آرزو میری سواری ہے۔ اللہ کا ذکر میرا ساتھی ہے۔ اعتماد میرا خزانہ ہے۔ شوق و اشتیاق میرا رفیق ہے۔ سانس میرا اسلحہ ہے۔ صبر و قناعت میرا لقمہٴ قیمت ہے۔ عاجزی و انکساری میرا خیر ہے۔ لطف

232 ایک اور موقع پر داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کا خوف ہی سب سے بڑی دانائی ہے۔" اسلامی اخلاقیات کا آغاز اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہمہ قسم کی دوسری عبادت و پرستش سے دستبرداری و لاعلمی سے ہوتا ہے چاہے وہ اپنی ذات کی پرستش ہو (خود غرضی و خود پسندی) یا اپنی دستکاریوں کی پرستش ہو (بت، توہمات وغیرہ) اور مزید یہ کہ ان تمام باتوں سے دستبرداری و لاعلمی کہ جو انسانیت کی تذلیل کا باعث ہوں (کفر و الحاد، نا انصافی وغیرہ)۔

(سورة الحجرات، آیت: 13)

**ترجمہ** ”اے وگو! ہم نے تمہیں ایک بی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے خاندان اور قبائل بنائے ہیں تاکہ تمہیں آپس میں پہچان ہو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے۔“

234 ﴿قُرْآن مجید، فرقان حمید﴾ نے مسلم قومیت کو بارہ احکامات دیتے ہوئے کہا ہے کہ:

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّائِي وَآلِيَ الَّذِينَ إِحْسَانًا ۖ إِمَّا يَنْفَعَنَّ عِنْدَكَ الْكَيْدُ  
 أَحَدُهُمَا أَوْ كُلُهُمَا فَلَا تَغْلُظْ لَهُمَا أَفْ وَلَا تَنْفَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۖ وَ  
 اخْضَعْ لَهُمَا جَانِحَ الدَّلِيلِ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا لَمَّا هُم بَيْنِي وَبَيْنَكَ  
 رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ ۖ إِنْ تَكُونُوا صَالِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ غَفُورًا ۖ  
 وَابْتَغِ الْفَرْدَ الْخَلْفَ وَالْيَسِيرَ وَالْيَسِيرَ ۖ وَابْتَغِ الْفَرْدَ الْخَلْفَ وَالْيَسِيرَ ۖ إِنْ الْبَيْتَ هَاهُنَا  
 كَانُوا إِخْوَانُ الشَّيْطَانِ ۖ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ غَفُورًا ۖ وَامَّا تَعْرِضُ عَنْهُمْ انْبِعَاثُ  
 رَحْمَةٍ مِنْ رَبِّكَ تَرْجُو فَأَقْضِ لَهُمْ قَوْلًا مَيْسُورًا ۖ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَى  
 عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَحْسُورًا ۖ إِنْ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّدْقَ  
 لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۖ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ۖ وَلَا تَقْسُؤْهُمَا أَوْ لَا دَعَاكُمْ

حُشِيَّةٖ اِصْلَاقٍ ۚ نَحْنُ نَزَرُ عَنْهُمْ وَإِذَا كُنْهُ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطَاً كَبِيْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوا الرِّقٰى اِنَّهٗ كَانَ فَاْحِشَةً ۚ وَبَسًا سَمِيْلًا ۝ وَلَا تَقْسُوا السُّنْسُلَ الَّذِي حَذَمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ وَمَنْ قَتَلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِرَبِّهٖ سُلٰطٰنًا فَلَا يَسْرِفُ فِي الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مُضْمَرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالْقِيٰمِ ۚ اَحْسَنُ حَتٰى يَبْلُغَ اَشُدُّ ۚ وَادْفُوا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝ وَادْفُوا الْبَيْلَ اِذَا جَلَسْتُمْ وَارْتَدُّوا بِالْاِقْطَاسِ السَّتَقِيْمِ ۚ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۚ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝ وَلَا تَكْسِبُ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ۝ كُنْ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْمًا ۝ ذٰلِكَ وَمَا اَوْحٰى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۚ وَلَا تَجْمَلْ مَعَ اللّٰهِ ۚ اِنَّهٗمَا اَخْرَجْتُمُ النَّاسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَسُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝

(سورۃ بنی اسرائیل، آیات 23 تا 39)

**ترجمہ** ① اور تیرا رب فیصلہ کر چکا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ ② اور ماں باپ کے ساتھ فحشی کرو اور اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بوجھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اُف تک نہ کہو اور نہ انہیں جہز کرو اور ان سے ادب سے بات کرو اور ان کے سامنے شفقت سے مہجزی کے ساتھ جھک رہو اور کہو کہ اے میرے رب! جس طرح انہوں نے مجھے بچپن سے پالا ہے اسی طرح تو بھی ان پر رحم فرما۔ جو تمہارے دلوں میں ہے تمہارا رب خوب جانتا ہے اگر تم نیک ہو گے تو وہ توبہ کرنے والوں کو بخشے والا ہے۔ ③ اور رشتہ دار اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق دے دو اور مال کو بے جا خرچ نہ کرو۔ بے شک بے جا خرچ کرنے والے شیطانوں نے یہائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکر گزار ہے اور اگر تجھے اپنے رب کے فضل کے انتظار میں کہ جس کی تجھے امید ہے نہ پھیرنا پڑے تو اُن سے نرم بات کہہ دے۔ ④ اور اپنا ہاتھ اپنی گردن کے ساتھ بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ اُسے کھول دے..... بالکل ہی کھول دینا۔ پھر تو پیشانی تہمتی دست ہو کر بیٹھ رہے گا۔ بے شک تیرا رب جس کے لئے چاہے رزق کشادہ کرتا ہے اور تنگ بھی کرتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں کو بانٹنے والا رکھنے والا ہے۔ ⑤ اور اپنی اولاد کو تنگدستی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم انہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی۔ بے شک ان کا قتل کرنا بڑا گناہ ہے۔ ⑥ اور زنا کے قریب نہ جاؤ بے شک وہ بے حیائی ہے اور بُری راہ ہے۔

7 اور جس جان کو قتل کرنا اللہ نے حرام کر دیا ہے اسے ناحق قتل نہ کرنا اور جو کوئی ظلم سے مارا جائے تو ہم نے اس کے ولی کے واسطے اختیار دے دیا ہے لہذا قصاص میں زیادتی نہ کرنے۔ بے شک اس کی مدد کی گئی ہے۔ 8 اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر جس طریقہ سے کہ بہتر ہو جب تک وہ اپنی جوانی کو پہنچے۔ 9 اور عبد کو پورا کرو بے شک عبد کی باز پرس ہوگی۔ 10 اور ناپ تول کرو تو پورا تا پورا صحیح ترازو سے تول کرو۔ یہ بہتر ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔ 11 اور جس بات کی تجھے خبر نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ۔ بے شک کان اور آنکھ اور دل ہر ایک سے باز پرس ہوگی۔ 12 اور زمین پر اترتا ہوا نہ چل۔ بے شک تو نہ زمین کو پھاڑ ڈالے گا اور نہ مٹی میں پہاڑوں تک پہنچے گا۔ ان میں سے ہر ایک بات تیرے رب کے ہاں ناپسند ہے۔ یہ اُس حکمت میں سے ہے جسے تیرے رب نے تیری طرف وحی کیا ہے اور اللہ کے ساتھ اور کسی کو معبود نہ بناؤ نہ مظلوم مردود بنا کر جنم میں ڈل دیا جائے گا۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے احکامات کے مقابلہ میں یہ احکامات زیادہ جامع ہیں جو دینی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دورانِ معراج دیے گئے۔

235 ﴿﴾ تمام قرآنی افسر کو یہاں بیان کرنا بہت طوالت آمیز ہوگا۔ تاہم یہاں چند کا حوالہ دے سکتے ہیں۔

وَأَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ سُبُّهُ بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُجِبُ مَنْ كَانَ مُنْتَلَا فَمُؤْمَرًا ۚ ۝ لَّذِينَ يَبْنِعُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ۚ وَالَّذِينَ يَنْفَقُونَ أَهْوَالَهُمْ بِثَأْنِ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ كَفِيرًا فَسَاءَ فَكْرًا يَتَّبِعُهُ

(سورۃ النساء، آیات: 36 تا 38)

ترجمہ ”اور اللہ کی بندگی کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور قریبی ہمسایہ اور اجنبی ہمسایہ اور پاس بیٹھے والے اور مسافر اور اپنے غلاموں کے ساتھ بھی نیکی کرو۔ بے شک اللہ اترانے والے، بڑائی کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ جو لوگ بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل سکھاتے ہیں

اور اللہ نے انہیں اپنے فضل سے جو دیا ہے اُسے چھپاتے ہیں اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت کا مذاب تیار کر رکھا ہے اور جو لوگ اپنے مالوں کو لوگوں کے دھانے میں خرچ کرتے ہیں اور اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور جس کا شیطان ساتھی ہوا تو وہ بہت برا ساتھی ہے۔“

236 ایک درجہ قرآن مسلمان معاشرے کی خصوصیات بیان کرتا ہے کہ:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٠٦﴾  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُوا قَوْمٍ مِّن قَوْمٍ مَّرَعَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا يَسَاءَ قَوْمٌ قَسَاءٌ عَسَىٰ أَن يَكُونَ خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا تَكْفُرُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَرُوا بِلَالِ الْفِتَابِ  
بِئْسَ الْإِسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿١٠٧﴾ يَا أَيُّهَا  
الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِشْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا  
يَغْتَبْ بَعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ  
وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴿١٠٨﴾

(سورۃ الحجرات، آیات: 10، 12)

**ترجمہ** ”بے شک مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پس اپنے بھائیوں میں صلح کرو اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ اے ایمان والو! ایک قوم دوسری قوم سے ٹھنکان کرے۔ عجب نہیں کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے ٹھنکا کریں کچھ بعید نہیں کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور ایک دوسرے کو طعن نہ دو اور نہ ایک دوسرے کے نام دھرو۔ فسق کے نام لینے، ایمان لانے کے بعد بہت بُرے ہیں اور جو باز نہ آئیں سو وہی خالم ہیں۔ اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے بچتے رہو کیونکہ بعض گمان تو گناہ ہیں اور ثبوت بھی نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کیا کرے۔ کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ سو تم اس کو تو نہ پسند کرتے ہو اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم والا ہے۔“

غلطی اور کفارہ

237 کوئی فرد اوپر بیان کی گئی آیت کی نصیحتوں، مشیروں اور احکامات پر کسی صورت اعتراض نہیں کر سکتا بلکہ انسان کی اپنی کمزوریاں اور نقائص ہیں۔ وہ بیک وقت نیکی اور بدی کے عنصر سے تعمیر و تشکیل کیا گیا

ہے۔ اپنے پیدائشی، خلقی و جملی نقائص کے باعث وہ براہِ راض ہوتا ہے۔ وہ لالچ اور خواہشات کا غلام ہے۔ وہ کمزور و کم نقصان پہنچاتا ہے مگر اُن کا دفاع کرنے یا بدلہ لینے کے کوئی طریقے یا ذرائع نہیں رکھتا۔ اسی طرح اس کے شریفانہ احساسات اُسے بعد ازاں پیچھے ہٹاتے ہیں اور اسی پیچھے ہٹانے کی وجہ سے ہی وہ اپنی کئی گئی زیادتی کا کم یا زیادہ ازالہ کرنے کی کوشش و کاوش کرتا ہے۔

**238** اسلام غلطیوں (گناہوں) کو دو بڑی اقسام میں منقسم کرتا ہے **1** وہ غلطیاں (گناہ) جو حقوق اللہ کے خلاف کی جاتی ہیں (بداعتقادی، پرستش سے غفلت وغیرہ) **2** وہ غلطیاں (گناہ) جو حقوق العباد کے خلاف کی جاتی ہیں۔ رب قادر و قادرِ برحق العباد کے خلاف کیے گئے اقدامات اور زیادتیوں کو معاف نہیں کرتا۔ یہ متاثرہ و مظلوم شخص ہی ہے جو معاف کر سکتا ہے۔ اگر کوئی فرد کسی دوسری مخلوق کے ساتھ زیادتی و ظلم کرتا ہے (چاہے انسان ہو، حیوان ہو یا کوئی اور) تو وہ برحقیت و دراصل دُعا کرنا جرم کرتا ہے۔ **3** مظلوم و متاثرہ کے خلاف کیا گیا جرم **4** رب تعالیٰ کے خلاف کیا گیا جرم کیونکہ اس طرح وہ احکاماتِ الہی کی خلاف ورزی کا بھی مرتکب ہوتا ہے۔ پس اگر کسی خدائی مخلوق کے ساتھ نا انصافی یا ظلم و زیادتی کی جائے تو مجرم کو نہ صرف متاثرہ و مظلوم مخلوق سے چھینے گئے حقوق واپس کرنا پڑتے ہیں اور اُس کے نقصان کی تلافی کرنا پڑتی ہے بلکہ اس کو رب رحمن و رحیم سے معافی بھی مانگنا پڑتی ہے (یعنی تلافی + معافی)۔ اپنی ایک مشہور و معروف حدیث میں نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبردار کیا کہ روزِ آخرت ایک شخص کو دوزخ میں پھینکا جائے گا کیونکہ اُس نے ایک بلی کو رتے سے باندھا تھا۔ اُسے نہ تو خود کھانے پینے کو دیا تھا اور نہ ہی اُسے آزاد کیا تھا تا کہ وہ اپنی خوراک تلاش کر سکے اور یوں کمزور بلی کو اُس نے اپنی حماقت سے موت کی نیند سلا دیہ تھا۔ ایک اور حدیث پاک میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان افراد کو رب تعالیٰ کی جانب سے دی جانے والی سزا کی وعید سنائی کہ جو جانوروں کے حقوق پورے نہیں کرتے یہ تو انہیں پیٹ بھر خوراک فراہم نہیں کرتے یا اُن پر اُن کی طاقت و استطاعت سے زیادہ بوجھ ادا دیتے ہیں وغیرہ۔ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے تو درختوں کو بغیر ضرورت کا نٹنے تک سے منع فرمایا ہے۔ انسان کو خدا کی مخلوق سے فائدہ اٹھانا چاہیے مگر یہ فائدہ مساوی و متوازن اور مناسب و موزوں مقدار میں ہونا چاہیے اور عیاشی و ضیاع سے اجتناب کرنا چاہیے۔

**239** جب کوئی فرد کسی دوسرے کا نقصان کرتا ہے یا نا انصافی و زیادتی کرتا ہے اور پھر چاہتا ہے کہ اس کا ازالہ و تلافی کرے تو وہ اس مقصد کے لئے کئی طریقے اختیار کر سکتا ہے۔ بعض اوقات وہ محض معذرت کرتا ہے اور تمام معاملات درست ہو جاتے ہیں جبکہ بعض اوقات اس کے لئے وہ حقوق واپس کرنا ضروری ہوتا ہے جو اُس نے غصب کیے تھے یا اُن کا متبادل ادا کرنا ہوتا ہے اگر چھینے گئے حقوق اپنی حالت میں نہ لوٹے جاسکتے ہوں۔

**240** رحمہلی و بردباری کا اظہار کرنا اور دوسروں کو معاف کرنا ایک اچھی خصوصیت ہے اور اس پر اسلام نے اکثر زور دیا ہے اور اصرار کیا ہے۔ قرآن پاک میں ارشادِ رب رحمن و رحیم ہے کہ:

وَسَابِرُونَ إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ مُنْذُ أُوتِيتِ  
لِلنَّاسِينَ ﴿١٣٤﴾ الَّذِينَ يَتَّقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَثِيرِ وَالْقَلِيلِ الْمُعْطَا وَالْعَافِينَ مِّنَ  
النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٣٥﴾

(سورۃ آل عمران، آیات: 133، 134)

**ترجمہ** ”اور اپنے رب کی بخشش کی جانب دوڑو اور بہشت کی طرف کہ جس کا عرض  
آسمان اور زمین ہے۔ جو پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ جو خوشی اور تکلیف میں  
خرچ کرتے ہیں اور غصہ ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں اور  
اللہ نیک کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔“

﴿241﴾ اگرچہ معافی کی سفارش و ہدایت کی گئی ہے تاہم بدلہ (قصاص) کی بھی عام آدمی کو اجازت دی گئی  
ہے۔ اس حوالے سے قرآن کہتا ہے کہ:

وَجَزَاءٌ سِوَا سِوَا سِوَا مُثْلَهَا ۖ فَمَن عَفَا وَأَمْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُ  
لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿٢٤٢﴾

(سورۃ الشوریٰ، آیت: 40)

**ترجمہ** ”اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔ پس جس نے معاف کر دیا اور صلح کر لی تو  
اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ بے شک وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔“

﴿242﴾ ربِّ رُف و ریم کی ذات پاک مہربان ترین انسان سے بے مثل و بے مثال حد تک معاف کرنے  
والی اور بے پناہ رحم کرنے والی ہے۔ رب و حد و لاشریک کے اسماء الحسنیٰ میں رحمن (بہت زیادہ رحم کرنے والا)،  
تواب (توبہ قبول کرنے والا)، غفور (برائیاں مٹانے والا)، غفار (معاف کرنے والا) وغیرہ شامل ہیں۔ وہ لوگ  
جو حقوق اللہ کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور پھر اس پر چبھتے ہوئے توبہ کرتے ہیں تو وہ رب تعالیٰ کو از حد شفیق و  
مشفق پاتے ہیں۔ قرآن پاک کی دو آیات رب تعالیٰ کی فیاضی اور غفور کرم کا واضح اظہار کرتی ہیں۔

١ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَن يَشَاءُ ۚ

(سورۃ النساء، آیت: 116)

**ترجمہ** ”بے شک اللہ اس کو نہیں بخشتا جو کسی کو اس کا شریک بنائے اور اس کے سوا  
(اللہ) سے چاہے بخش دے۔“

٢ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ  
الدُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٢٤٣﴾

(سورۃ الزمر، آیت: 53)

**ترجمہ** ”کہہ دو اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر غلہ کیا ہے (وہ) اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ بے شک اللہ سب گنہ بخش دے گا۔ بے شک وہ بخشنے والا رحیم والا ہے۔“

﴿243﴾ اگر کوئی فرد رب قادر و قادر پر عدم یقین کو ترک کر کے رب وحدہ لا شریک سے معافی کا خواستگار اور توبہ کا طلبگار ہوتا ہے تو وہ ہمیشہ رب رحمن و رحیم سے بخشش و مغفرت کی امید رکھ سکتا ہے۔ انسان کمزور ہے اور اکثر و بیشتر اپنے عہد و پیمان توڑ دیتے ہیں لیکن صحیح معنوں میں پیشانی و توبہ رب غفار و غفور کی رحمت و مغفرت بحال کر دیتی ہے۔ رب رحیم و کریم سے معافی و توبہ طلب کرنے کے لئے کسی تکلف و ضابطے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کسی اور شخص کے ذریعے رابطے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آدمی کو بلا واسطہ اپنے رب سے رجوع کرنا چاہیے اور اپنی معذرت و معافی مانگنی چاہیے کیونکہ وہ علیم و خبیر ہے اور کوئی بھی بات اس سے پوشیدہ و مخفی نہیں رکھی جاسکتی۔ ایک موقع پر رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جتنا کوئی مل اپنے بچے سے محبت کرتی ہے رب رحمن و رحیم اپنی مخلوق سے اس سے 70 گنا زیادہ محبت کرتا ہے۔“ ایک اور موقع پر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”اگر کوئی فرد اپنے رب کی جانب ایک قدم بڑھاتا ہے تو رب رحمن و رحیم اپنے اس بندے کی جانب اُس جیسے دو قدم بڑھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اپنے رحم و کرم کو 100 حصوں میں تقسیم کیا ہے جس میں سے 99 حصے اُس ذات پاک نے اپنے پاس رکھے ہیں اور ایک حصہ زمین پر رہنے والے تمام مخلوق میں تقسیم کیا ہے۔ مخلوق کی آپس میں باہمی الفت و رحمتی بھی اُسی حصہ کا جزو ہے۔“ بے شک قرآن اعلان کرتے ہیں کہ۔

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي الثَّاهِرِ وَرُفْعَاهِ الْبَلِّ ۚ إِنَّ لَصَلَاتِكَ يُذْهِبُ السَّيِّئَاتِ  
ذَلِكَ بِكَوْنِ اللَّيْلِ كَوْنًا

(سورۃ حود، آیت: 114)

**ترجمہ** ”اور دن کے دونوں طرف اور کچھ حصہ رات کا نماز قائم کر۔ بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں۔ یہ نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے نصیحت ہے۔“

اس میں کوئی شک نہیں کہ خیرات و صدقات کی ہدایت کی جاتی ہے تاہم کسی گناہ کے لئے ان سے رب تعالیٰ کی مغفرت و بخشش کو خود بخود دریافت نہیں جاسکتا۔ ہر گناہ اپنا آزاد و جود رکھتا ہے اور رب تعالیٰ کی ذات اپنے کاموں میں قادر مطلق ہے۔

## استماعی احکامات

﴿244﴾ قرآن مجید، فرقان حمید نبی اور برائی کے لئے اکثر و بیشتر و مخصوص اصطلاحات استعمال کرتا ہے۔ نبی کے لئے ”معروف“ جبکہ برائی کے لئے ”مکھر“ جانے پہچانے الفاظ ہیں۔ دوسرے لفظوں میں قرآن حکیم



انسانی افتاد طبع و عقل سلیم پر اعتقاد و اعتبار کرتا ہے۔ معلوم کا نزہت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مشہور و معروف حدیث کا مفہوم و مطلب یہ ہے کہ ”برائی کے حق میں کبھی بھی اتفاق نہیں ہوگا چاہے کچھ لوگ اسے اپنے لئے جائز ہی کیوں نہ قرار دے دیں۔“ قرآن مجید مومنین کو ”بہترین اُمت“ ٹھہراتا ہے اور اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ  
وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

(سورۃ آل عمران، آیت: 110 پہلا حصہ)

**ترجمہ** ”تم سب اُمتوں میں سے بہتر اُمت ہو جو لوگوں کے لئے بھیجی گئیں۔ اچھے کاموں (معروف) کا حکم دیتے ہو اور بُرے کاموں (منکر) سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔“

ایک اور جگہ پر اس سے زیادہ شدت کے ساتھ کہا گیا ہے کہ:

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِفَنِ حَسِيْرٌ ۝ اِلَّا الْاَزْهَقِيْنَ اَمْنًا وَاَعْمَلُوا الصّٰلِحٰتِ  
وَتَوَاَصَوْا بِالْحَقِّ ۚ وَتَوَاَصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

(سورۃ العصر، آیات: 3 تا 1)

**ترجمہ** ”قسم ہے زمانے کی۔ بے شک انسان نقصان میں ہے مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے اور حق پر قائم رہنے کی اور صبر کرنے کی آپس میں وعیت کرتے رہے۔“

245 ﴿﴾ مخصوص برائیوں کے خلاف امتناعی احکامات صادر کیے گئے ہیں۔ کچھ برائیاں ایسی ہیں جن کے لئے حدود اور واضح طور پر علی الاعلان سزائیں مقرر کی گئیں ہیں جبکہ کچھ برائیاں ایسی ہیں جن کے لئے محض آخرت میں سزا کے لئے خبردار کیا گیا ہے ورنہ ایسی برائیوں کے حوالے سے (ماسوائے غیر معمولی اہمیت و شدت کے واقعات کے) ارباب اختیار کوئی تاویلی کارروائی نہیں کرتے۔

246 ﴿﴾ داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے مشہور و معروف خطبہ میں حقوق العباد کے حوالے سے انسانی جان، جائیداد اور عزت... اتیوں چیزوں کے تقدس کا اعلان فرمایا تھا۔ اسی فرمانِ ذی شان کے تناظر میں اسلامی تعزیرات میں جرائم کی تین بنیادی اقسام ہیں ① قتل، انسانی جسم کے کسی حصے کا نقصان اور ایذا، غیر شادی شدہ اور شادی شدہ جوڑوں کا زنا بالا رادہ، (یہ جرائم انسانی جان کی حرمت و تقدس کے خلاف ہیں) ② چوری، ڈاکہ زنی، ربہرئی، قزاقی (یہ جرائم انسانی جائیداد کی حرمت و تقدس کے خلاف ہیں) ③ کسی کی پاکدامنی اور عفت و عصمت کے خلاف تہمت و بہتان اور افتراء و اتہام، التحلی مشروبات کا

استعمال (یہ جرائم انسان کی عزت کی پامالی کے زمرے میں آتے ہیں) ان تمام جرائم کے لئے سزائیں مقرر ہیں۔  
**247** جہوں تک انسانی جان کے نقصان و ضیاع کا تعلق ہے تو اس کی سزا اصولوں طور پر قصاص ہے یعنی جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت وغیرہ لیکن سب سے پہلا اور بنیادی و بڑا اصول نیت و ارادہ کا ہے۔ کیا کسی نے کسی کی جان بالا ارادہ لی ہے یا محض حادثاتی طور پر ایسا ہوا ہے؟ مزید یہ کہ یہ مترثرہ شخص یا اُس کے ورثاء پر منحصر ہے کہ وہ جانی نقصان کی مالی تلافی پر راضی ہوتے ہیں یا مطلقاً معافی ہی دے دیتے ہیں۔ اگر عدالت ثبوت کی بنیاد پر اس نتیجہ پر پہنچتی ہے کہ جرم بالا رد و اور بالقصد تھا تو پھر صاحبان اقتدار و اختیار کو معافی دینے کا حق حاصل نہیں ہے۔ اب معاملہ متاثرہ فریق کے فیصلہ پر منحصر ہوتا ہے۔

**248** غیر شادی شدہ یا شادی شدہ جوڑوں کے زنا بالقصد کا معاملہ یکسر مختلف ہے۔ مرد اور عورت کی مرضی و نیت کی بنیاد پر معاملہ کی شدت و حدت و کم نہیں کیا جاسکتا۔ داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں انصاف پسندی اور خود احتسابی جیسی اعلیٰ و رفیع خصوصیات پیدا کرنے میں اس درجہ کامیاب و کامران ہوئے تھے کہ وہ اس دنیا کی سخت ترین سزا کو آخرت کی سزا پر ترجیح دیتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رضا کا رانہ طور پر پیش کرتے تھے۔ اپنے گناہوں کا اقرار کرتے تھے اور اپنے آپ کو قانونی مزاؤں کے لئے بخوشی پیش کر دیتے تھے۔ اگر فریقین آپس میں رضا مند ہوں اور اپنے گناہ کا اقرار نہ کریں تو غیر قانونی شہوانی تعلقات کو جو بہت کرنا از حد مشکل امر ہو جاتا ہے۔ تحریریں و ترغیب اور ساج و طمع کے خاتمہ کے لئے اسلام نے دوسری احتیاطی تدابیر بھی اختیار کی ہیں۔ مثلاً آزادانہ جنسی تعلقات، نوجوان مردوں اور عورتوں کی آسانی سے اور بغیر نگرانی کے ملاقاتیں (اگر وہ قریب ترین رشتہ دار نہ ہوں)، عورتوں کا بغیر نقاب کے باہر سڑکوں، گلیوں میں اٹکانا اور اجنبی افراد سے ملنا وہ انفعال و عمال ہیں کہ اسلام نے جنہیں سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔ مسلمان عورت کو بغیر نقاب نکلنے سے اس لئے روکا گیا ہے تاکہ وہ عاشق مزاج اجنبیوں کی غلط نگاہوں سے بچ سکے۔ مسلمان عورت پر لازم ہے کہ اپنی خوبصورتی اور اپنی جاذبیت و دلکشی اور رعنائی و زیبائی کو صرف اپنے شوہر کے لئے مختص رکھے۔ عورت کے لئے نقاب کے اور بھی فوائد ہیں۔ مثلاً وہ عورتیں جو اپنے گھروں سے باہر کام کرتی ہیں اور وہ عورتیں جو گھروں کے اندر رہتی ہیں ان دونوں کے بیرونی خد و خال میں واضح اور نمایاں فرق ہوتا ہے جس طرح کسی پرندے کے بیرونی اور اندرونی پروں میں فرق ہوتا ہے۔ درحقیقت نقاب عورت کے جسم کی دلکشی اور تزئینی زیادہ عرصہ تک قائم و برقرار رکھتا ہے۔ یہ واضح اور صاف طور پر دیکھا جاسکتا ہے کہ کسی کے چہرے اور ہاتھوں کی جلد اور اس کے جسم کے ان حصوں کی جلد میں کیا فرق ہوتا ہے جو لباس سے ڈھانپے گئے ہوتے ہیں۔ نقاب یکسر گوشہ گزینی کی عکاسی نہیں کرتا بلکہ یہ اجنبی افراد کو عورت کی جانب متوجہ ہونے سے روکتا ہے۔ یہ ایک سادہ لوح عورت کی ضعیف

الاعتقاد کی کا تا جائز استعمال ہے کہ اسے یہ یقین دلایا جائے کہ چہرے کو نقاب سے ڈھانپنے سے تپ دق جیسی بیماری جنم لیتی ہے مگر جدید تحقیق کے مطابق بیماری تو سیاہ قام افریقہ کے ساتھ ساتھ فن لینڈ سے اٹلی تک کے اعلیٰ ترقی یافتہ ممالک میں بھی پورنی شدت کے ساتھ پائی باقی ہے کہ جہاں عورتیں کسی قسم کا نقاب کبھی بھی استعمال نہیں کرتیں۔ بریکنگ ناکرہ اس بات کا حوالہ ضروری ہے کہ قرآنی احکامات میں نقاب نہ اوڑھنے کی کوئی قانونی سزا بیان نہیں کی گئی ہے۔

249) ہمیں چوری، ڈاکہ زنی، رہزنی اور قزاقی کے ساتھ ساتھ جائیداد کے تقدس کے خلاف دوسرے جرائم کے حوالے سے احکامات امتناع کے مختلف پہلوؤں کی تفصیلات میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

250) یہ اسلام کی خاص خصوصیت ہے کہ اس نے عورتوں کی پاکدامنی اور عفت و عصمت کے خلاف کچھڑا چھانے پر سزا لاگو کی ہے۔ جب کوئی فرد کسی کو اپنے دوستوں کی محفل میں اپنی ہمسائی یا کسی اور عورت ہارے محض قیاس آرائیوں کی بنیاد پر بڑی آسانی کے ساتھ اپنی زبان کو آزاد اور بے لگام کرتے دیکھتا ہے تو وہ اس بات کا اقرار اور تصدیق کرتا ہے کہ اسلامی پابندی اور حکم امتناعی معاشرے کے مفادات کے لئے کس قدر اہمیت رکھتا ہے۔ اس فرد کو عدالت میں ٹھوس ثبوت پیش کرنا چاہیے ورنہ کسی عورت کی پاکدامنی اور عزت و عفت ہارے قیاس آرائیوں پر اسے سخت دفتات کے تحت سزا دی جائے گی۔

251) انکلی مشروبات کے استعمال پر پابندی اور حکم امتناع دین اسلام کی نمایاں خصوصیات میں سے ایک قابل تعریف خصوصیت ہے۔ قرآن پاک نے اسے ہدایت لاگو کیا ہے۔ پہلے کہا گیا ہے کہ:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْمِرِ ۚ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَضَرَارٌ كَثِيرٌ ۚ وَأَمَّا سُكْرُكُمْ فَبِئْسَ مَا تَكْسِبُونَ ۚ

(سورۃ البقرہ، آیت: 219) پہلا حصہ

**ترجمہ** ”آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت بڑا ہے۔“

پھر فرمایا گیا کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ

(سورۃ النساء، آیت: 43) ابتدا کی حصہ

**ترجمہ** ”اے ایمان والو! جس وقت کہ تم نشہ کی حالت میں ہو تو نماز کے نزدیک نہ

جاؤ یہاں تک کہ تم سمجھ سکو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔“

اور بالآخر رب قادر و قدیر نے یہ فرمان جاری کیا کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَلْهَابُ مَرْجَسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوا لَعَنَتَكُمْ تَفْلِحُونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُزَيِّدَ فِتْنَتَكُمْ أَلَعَدَّ أَذًى وَابْغَضَاءً فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ ۚ فَهَلْ أَنتُمْ مُنْتَبِهُونَ ﴿٩١﴾

(سورۃ المائدہ، آیات: 90، 91)

**ترجمہ** ”اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بُت اور فال کے تیر سب شیطان کے گندے کام ہیں۔ سو ان سے بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تم میں دشمنی اور بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روکے۔ پس اب بھی بڑا جاؤ۔“

یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ ان آیات میں قرآن پاک نے بت پرستی اور الکلی مشروبات کے استعمال کو ایک ہی وجہ دیا ہے۔ سردارانِ انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں اس حکم امتناع کی خلاف ورزی پر 40 کوڑوں کی سزا کا حکم دیا تھا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس سزا کو دو گنا کر دیا۔ اس حوالے سے آپ رضی اللہ عنہ نے یہ دلیل دی کہ شراب نوشی اور ناشائستہ باتوں کی پین کا شکار ہو کر کسی عورت کی پاکدامنی اور عفت و عصمت پر ایسی بہتان تراشی کرنے لگتا ہے کہ جس کی سزا قرآن پاک نے 80 دڑے مقرر فرمائی ہے یوں الکلی مشروبات استعمال کرنے والے کو بھی 80 دڑے کی سزا دینی چاہیے۔ ارشاد رب العزت ہے کہ:

وَالَّذِينَ يَزْمُونَ الْبَغْضَاءَ لَهُمْ يَرْبُؤْا بِهَا يَرْبَعُونَ شَهْرًا ۖ فَأَجَلُهُمْ فِي سَنَيْنٍ ۖ جَلْدًا وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٤﴾

(سورۃ النور، آیت: 4)

**ترجمہ** ”اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر بہت بات کرتے ہیں اور پھر چار گواہی دیتے تو انہیں 80 دڑے مارو اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو اور وہی لوگ نہ فرمان ہیں۔“

اگر صحت اور اخلاقیات کے لئے اذہ مضر الکلی مشروبات کو ترک کر دیا جائے تو کس قدر بھاری نقصان سے بچا جاسکتا ہے! اور کتنے گھروں میں سکون واپس آ سکتا ہے!!

**252** وہ اعمال و افعال جن پر واضح مزہب نہیں کی گئی اور جنہیں حج کی مرضی و منشاء پر چھوڑ دیا گیا ہے ان میں لائری، ریل بازی وغیرہ شامل ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ ان کے کیا نقصانات ہیں؟ کئی گھرانے آسمانی سے بہت زیادہ مال بنانے کی امید پر برابر جو چکے ہیں۔ قومی سطح پر لائریاں ملکی دولت کی مساوی تقسیم کو درہم برہم کر دیتی ہیں اور تمام معاشی برائیوں کا منبع وہ خدشات ہوتی ہیں یہ سیاست پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں۔

**253** معاشرے کو پاکیزہ و منزہ کرنے اور مخلوق امتحانی و حائجے کو بدعنوانی سے پاک کرنے کے شوق و

اشتیاق میں اُمّی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملامت و سزا کی سخت اصطلاحات و دفعات لاگو فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”رشتہ لینے والا اور رشتہ دینے والا دونوں دوزخ میں جائیں گے۔“ ایک دن محاصل جمع کرنے والے ملازم نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حساب کتاب پیش کرتے ہوئے کہا کہ ”یہ دینی محصولات ہیں اور یہ وہ تحائف ہیں جو لوگوں نے مجھے پیش کیے۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جلال میں آگئے اور مسجد کے منبر پر تشریف لے جا کر اعلان کیا کہ ”ان محصولات جمع کرنے والوں کو ان کی ماؤں کے گھروں میں رہنے دو اور دیکھو کہ کیا پھر بھی تحائف ان تک پہنچتے ہیں!“ اپنے شوہر کو بتائے بغیر ایک روز امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ کی اہلیہ حمزہ نے باز نظیریہ جانے والے سرکار کی قافلے کے ذریعے وہاں کے شہنشاہ کی بیوی کو ایک تحفہ روانہ کیا تو جراثیم ملکہ نے ایک قیمتی ہار (گلوبند) بھجوایا۔ جب امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے وہ ہار بحق سرکار ضبط کر لیا اور اپنی زوجہ کو اس تحفہ کی مالیت ادا کر دی جو آپ رضی اللہ عنہ کی زوجہ نے ملکہ کو بھجوایا تھا۔ (بخاری طبری)

﴿254﴾ دینی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے عوامی اخلاقیات کی اصلاح کی خاطر ایک روز فرمایا: ”وقت کی بے حرمتی نہ کرو۔ یہ رب ذوالجلال کی (نعوذ باللہ) بے حرمتی ہے کیونکہ دن رات کا ایک دوسرے کے بعد آنا خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے۔“ یہ وہ تنبیہ و فہمائش ہے جو لمحہ موجود کے انسانوں اور ہمارے ہم عصروں کو ذہن نشین رکھنی چاہیے۔ روزانہ کئی بار موسم کو کوٹنے اور برا بھلا کہنے سے ہمیں آخراً کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے! کیا اس طرح ہم اپنی حماقت کا ثبوت نہیں دیتے؟

﴿255﴾ اسلام ناممکن بات کے لئے جبر و زبردستی کا قائل نہیں ہے۔ اسلام موجودہ مسائل کے اندر رہتے ہوئے افراد اور گروہوں کی ہر شعبہ حیات میں اخلاقیات کی مستقل بہتری کا خواہش مند ہے تاہم ذمہ داری ہمیشہ ذاتی ہی رہے گی۔ چنانچہ قرآن پر ملاحظہ ہے کہ:

لَا يَجْزِيكَ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا دُسْعًا ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ

(سورۃ البقرہ، آیت: 286 ابتدائی حصہ)

ترجمہ ”اللہ کسی کو اس کی ملامت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ نیکی کا فائدہ بھی اسی کو

ہوگا اور برائی کی زد بھی اسی پر پڑے گی۔“

ایک شریف و پاکیزہ روح یہ مذروہ نہ بنا کر برائی نہیں کرتی کہ دوسرے اسی طرح کر رہے ہیں۔ دوسروں کی برائیوں کو نقل کرنے کی بجائے دوسرے کے لئے نیکی، اچھائی اور کردار کی بلندی کی مثال قائم کرنا چاہیے۔

﴿256﴾ اسی قسم کی بات عمومی طور پر سماجی و معاشرتی کردار کے حوالے سے بھی کرنی چاہیے۔ اچھی ہمسائیگی کے حقوق کے ضمن میں معلم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جبرئیل علیہ السلام نے ہمسائے کے حقوق بارے اس قدر شدت اور اس قدر تواتر کے ساتھ زور دیا کہ مجھے خوف پیدا ہوا کہ کہیں وہ ہمسایوں کے لئے

وراثت کے ویسے ہی حقوق کا نہ کہہ دیں جو مردم کے قریبی رشتہ داروں کو حاصل ہوتے ہیں۔ روایت ہے کہ مدینہ منورہ میں رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں ایک یہودی رہا کرتا تھا اور معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی کے ساتھ بہتر سلوک و رویہ سے مسلمانوں کے لئے نمونہ عمل پیش کیا کہ غیر رسم ہمسایوں کے ساتھ بھی کیسے برتاؤ کرنا چاہیے۔ روزانہ کی دوسری نوازشات کے ساتھ ساتھ اعلیٰ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس یہودی ہمسائے کے گھر جایا کرتے تھے اور اس سے اس کی خیر و عافیت اور ضرورت و حاجت بارے دریافت فرماتے تھے۔ جہاں تک دوسروں کے ساتھ روزانہ کے تعلقات کا تعلق ہے تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”تم میں سے وہ شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے (مسلمان) بھائی کے لئے بالکل ایسی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔“ ایک اور موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تم میں سے بہترین وہ ہے جو دوسروں کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں۔“ قرآن پاک مدینہ منورہ کے اولین مسلمانوں کی ٹھوس مثال دیتا ہے کہ جنہوں نے مکی مہاجرین کے ساتھ رشتہ موافقت استوار کر کے عملی اسلام کا بہترین نمونہ پیش کیا۔ قرآن کے الفاظ میں:

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالْأَنصَارُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْ قَبْلِهِمْ وَبَيْنَهُمْ حَبْرُونَ هَاجَرُوا إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ

(سورۃ الحشر، آیت: 9 پہلا حصہ)

**ترجمہ** ”وہ (مال) ان کے لئے بھی ہے کہ جنہوں نے ان سے پہلے (مدینہ میں) گھر اور ایمان حاصل کر رکھا ہے۔ جو ان کے پاس وطن چھوڑ کر آتا ہے اس سے محبت کرتے ہیں اور اپنے سینوں میں اس کی نسبت کوئی خلش نہیں پاتے جو مہاجرین کو دیا جائے اور وہ اپنی باتوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہو۔“

257 ﴿﴾ آخر میں قرآن انکیم کی ایک آیت کا حوالہ دیتے ہیں۔ ارشاد اب العزت ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَعَالَىٰ ۖ اللَّهُ الَّذِي تَعَالَىٰ لَمْ يَجْعَلْ لِكُلِّ دِينٍ وَرَثَةً ۚ لِكُلِّ دِينٍ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۚ إِنَّ يَكُنْ عَذَابًا أَوْ تَقْوَىٰ تَفْعَلُونَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۖ

(سورۃ النساء، آیت: 135)

**ترجمہ** ”اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو۔ اللہ کی طرف کی گواہی دو اگرچہ اپنی جانوں پر ہو یا مال باپ اور رشتہ داروں پر۔ اگر کوئی مال دار ہے یا فقیر ہے تو اللہ ان کا تم سے زیادہ خیر خواہ ہے۔ سو تم انصاف کرنے میں دل کی خواہش کی پیروی نہ کرو اور اگر تم کج بانی کرو گے یا پہلو تہی کرو گے تو بلاشبہ اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔“

کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے کے باوجود وہ ایک ہی رشتہ میں منسلک تھے۔ عرب میں ذرائع معاش و معیشت نا کافی تھے کیونکہ صحرا کی اپنی کمزوریاں و مجبوریاں تھیں جبکہ تجارتی قافلوں کو زراعت یا صنعت کے برعکس زیادہ اہمیت و افضلیت حاصل تھی اور جب یہ صورت حال از حد گھمبیر ہوئی تو لوگوں کو جزیرہ نمائے عرب سے شام، مصر، حبشہ، عراق، ہند، انڈیا اور دوسرے علاقوں کا رخ کرنا پڑا۔

﴿6﴾ یمن کو بجا طور پر عرب میں بنیادی اہمیت و حیثیت حاصل تھی ایک وقت ایسا تھا کہ یمن کو شہا اور مدائن کی پختی تہذیبوں کا مرکز و محور سمجھا جاتا تھا۔ تب روم کے شہر کی بنیاد تک بھی نہیں رکھی گئی تھی۔ بازنطینیوں اور فارسیوں کی طرف سے مختلف صوبے چھینے جانے کے بعد عظیم یمن جو اپنے وجود کی بہاروں سے گزر رہا تھا اور عروج پر تھا ان گنت ریاستوں کی صورت بکھر گیا۔ یہاں تک کہ غیر ملکی حملہ آوروں نے اس کے کچھ حصہ پر قبضہ کر لیا ایران کے سامانی جو یمن میں سرایت کر چکے تھے پہلے ہی مشرقی عرب پر قبضہ کر چکے تھے۔ دار الخلافہ قطیفہ بخاندن میں سیاسی بد انتظامی اور معاشی ابتری تھی۔ جس کا عکس یمن کے تمام علاقوں میں نظر آتا تھا۔ شمالی عرب بازنطینیوں کے زیر اثر آچکا تھا اور اپنی مخصوص مشکلات و مسئلے کے گرداب میں تھ۔ صرف مرکزی عرب ہی غیر ملکی قبضوں کی اخلاقی پستی کے بد اثرات سے محفوظ و مامون رہا تھا۔

﴿7﴾ مرکزی عرب کے اس محدود علاقے میں مکہ، طائف اور مدینہ ایسی تھیں جہاں رب رحمن و رحیم کا فضل و کرم نظر آتا تھا۔ مکہ ایک صحرائی علاقہ تھا جو پانی اور زراعت کی زمینی آسائشوں سے محروم ایک طرح سے افریقہ اور جلتے صحرائی کی ترجمانی کرتا تھا۔ یہاں سے بمشکل پچاس میل کے فاصلے پر طائف، یثرب اور اس کی سرحدی و خبگی کی تصویر پیش کرتا تھا۔ شمال میں مدینہ، شام بھیسے معتدل ایشیائی ممالک سے کم زرخیز نہیں تھا۔ اگر موم انسانی کردار پر اثر انداز ہوتا تو یہ مثلث جو عظیم نصف کرہ کے درمیان میں ایستہ و تہی دنیا کے کسی اور علاقے کی نسبت زیادہ مؤثر و مؤثر ہوتی اور یہاں بلی و مکدانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل نے جنم لیا، پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جنم لیا۔ یوں مکی لوگ عدا قاتی اور انسی اعتبار سے مدینہ و طائف دونوں شہروں سے متصل طور پر منجوسے ہوئے تھے۔

## مذہب:

﴿8﴾ مذہب کے اعتبار سے عرب بت پرستی کا شکار تھا۔ صرف چند افراد نے عیسائیت، پارسیت اور ان جیسے دوسرے مذاہب اپنائے ہوئے تھے۔ مکی لوگ اگرچہ ایک خدا کے نظریے پر کار بند تھے۔ تاہم وہ یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ بتوں کے پاس اتنی طاقت و صلاحیت ہے کہ وہ خدا سے سفارش کر سکتے ہیں۔ قابل تشویش اور حیران کن امر یہ تھا کہ وہ دوبارہ زندہ کیے جانے اور روز آخرت کے بعد کی زندگی پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ البتہ ان کے ہاں ایک خدا کے گھر کا حج کرنے کی رسم محفوظ تھی۔ وہی کعبہ جو ان کے بید امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب قادر و قدیر کی مرضی و منشاء سے تعمیر کیا تھا تاہم ان کی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دو ہزار سال کی دوری نے اس

وفوقیت اور اثر و رسوخ حاصل کرتے جاتے ہیں جس سے باہمی رشتے دناتے کا بندھن بتدریج کمزور پڑتا جاتا ہے۔ جہاں تک فاصلے کا تعلق ہے یہ نہ صرف رشتوں ناتوں کی نمازت و حرارت کو سرد کر دیتا ہے بلکہ (جیسا کہ تاریخ ظاہر کرتی ہے) ایسی بندشیں درکار کا نہیں جنم دیتا ہے کہ جنہیں توڑنا ناممکن ہوتا ہے۔ فاصلے کے باعث ایک فرد نہ صرف یہ کہ اپنی سابقہ زبان بولنا بند کر دیتا ہے بلکہ اس کے مفادات اور اقدار بھی یکسر مختلف ہو جاتی ہیں۔

261 ﴿ساقویر صدی عیسوی میں طلوع اسلام کے اوقات و لمحات میں نسل، زبان، جائے پیدائش اور اس طرح کی کئی دوسری بنیادوں پر اختلافات و تعصبات اور حسد و رقابتیں عروج پر تھیں۔ اس میں کسی کو استثناء حاصل نہیں تھا۔ یہ خیالات و تصورات اس حد تک اپنی جڑیں مضبوط و مستحکم کر چکے تھے کہ انہوں نے فطرت و جبلت کی شکلیں اختیار کر لی تھیں۔ ایسا پوری دنیا میں تھا۔ چاہے وہ عرب ہو، یورپ ہو، افریقہ ہو، امریکہ ہو، ایشیا ہو یا کوئی اور خطہ و جگہ ہو۔ اسلام نے ایسے خیالات و تصورات کو انسانیت کی برائیاں و خامیاں قرار دیا اور ان کے سبب باب اور مذاہرک کے لیے کوششوں اور کاوشوں کے سفر کا آغاز کیا۔

262 ﴿اس دینی دین میں کہ جہاں خود غرضی، لالچ اور حرص و ہوس کے باعث ہر فرد دوسرے فرد سے برسر پیکار ہو رہا تھا، خاندان، قبیلہ و برادری کے مضبوط و مستحکم بندھن بھی اس قدر کمزور ہو جاتے ہیں کہ دفاع اور سیکورٹی کے تقاضے پورے کرنے سے قاصر رہتے ہیں لیکن بعض اوقات جنگجوؤں اور شہنشاہوں کی طاقت کے استعمال کے رد عمل میں قبائلی سے بھی بڑے گروہ وجود میں آتے ہیں جن کی بنیادی وجہ عوام الناس کے یکساں و مشترکہ مفادات ہوتے ہیں تاہم اس قسم کی مصنوعی گروہ بندی کے بکھرنے کا مستقل خطرہ رہتا ہے۔

263 ﴿انسانی معاشرے کے اس پہلو کی کئی ہزار سالہ ارتقائی تاریخ کے مطالعہ سے قطع نظر اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کے لیے اتنا ہی کافی ہوگا کہ رائج الوقت نظریہ قومیت کا بغور جائزہ لیا جائے۔ اگر قومیت کی بنیاد زبان، نسل یا جائے پیدائش کی شناخت پر رکھی جائے تو اس سے غیر ملکیوں یا ”اجنبیوں“ کے لیے دائمی و دوامی مشکلات پیدا ہوں گی کیونکہ اس طرح کی قومیت اس قدر تنگ نظر ہوگی کہ دینے کے دوسرے باشندوں کو قبول نہیں کرے گی اور یوں ہمہ وقت کشمکش اور جنگ کا غدارہ و خطرہ رہے گا۔ درحقیقت قومیت کا بندھن مطلقاً یقینی و مستقل بندھن نہیں کیونکہ دو بھائی آپس میں دشمن ہو سکتے ہیں جبکہ دو متضاد اور حریف مشترکہ نظریہ کی بنیاد پر دوست بن سکتے ہیں۔

264 ﴿قرآن الہیم نے زبان، رنگ و نسل اور دوسرے ناگزیر عوامل فطرت کی اساس پر فوقیت و افضلیت کو یکسر رد کیا ہے اور صرف اتنی ہی پرہیزگاری کی بنیاد پر افراد کی برتری کو تسلیم کیا ہے۔ ارشاد رب العزت ہے کہ:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاهُ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا  
إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿١٣﴾

(سورۃ الحجرات، آیت: 13)

ترجمہ ”اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے



خاندان اور قومیں بنائی ہیں تاکہ تمہیں آپس میں پہچان ہو۔ بے شک زیادہ عزت والا تم میں سے اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ جانتے والا خبردار ہے۔“

مسلمانوں کے نزدیک ”قومیت“ کی بنیاد، اساس ایک مشترکہ، متفقہ نظریہ ہے اور اس نظریہ کا نام اسلام ہے۔ ہم ان مذاہب کی بات نہیں کریں گے جو تہذیبی مذہب کو تسخیر نہیں کرتے۔ اسلام دنیاوی مذہب میں اس خصوصیت کی بناء پر ممتاز و متمیز حیثیت کا حامل ہے کہ یہ دنیا سے دستبرداری اور قطع تعلق پر زبردستی زور نہیں دیتا بلکہ جسم اور روح کو شانہ بشانہ پہلنے اور آگے بڑھتے ہوئے ترقی کرنے پر اصرار کرتا ہے۔ مسلمانوں کا ماضی اس امر کا عکاس ہے کہ مسلمانوں نے نسل و علاقہ سے بالاتر ہو کر بھائی چارے اور اخوت و اشت کو فروغ دیا اور انہی احساسات و جذبات سے معمور و مزین یہ زندہ قوت و طاقت آج بھی ان میں استوار و پائیدار ہے۔

﴿265﴾ آج کل اقوام عالم حقوق قومیت کو تسلیم کرتی ہیں مگر نئی زبان، نئے جسمانی، جلدی رنگ اور نئی سرزمین کی قومیت اختیار کرنا اتنا آسان نہیں بنتا کہ نئے نظریہ سے وابستگی اختیار کرنا ہے۔ دوسروں کے لیے قومیت لازمی طور پر قدرت کا ناگزیر حادثہ ہے جبکہ اسلام میں قومیت کا انحصار خالصتاً کسی فرد کی مرضی و منشاء اور انتخاب پر ہے۔

## عالمگیریت کے ذرائع:

﴿266﴾ ہر فرد کے لیے ایک ہی قانون، نماز کی ادائیگی کے لیے ایک ہی سمت (قبلہ) اور حج کے لیے ایک ہی مقام وغیرہ جیسے عالمگیریت کے ذرائع سے قطع نظر عالمی خلافت کا نفاذ اہم کردار کا حامل ہے۔

﴿267﴾ نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر اعلان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیغمبر خدا اور داعی اسلام ہیں اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام بنی نوع انسان کی فلاح و اصلاح کے لیے بھیجا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٠﴾

(سورۃ السباء، آیت: 28)

ترجمہ ”اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو صرف سب لوگوں کو خوشی اور ڈر سنانے کے لیے بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری پیغمبر کی حیثیت سے بھیجا گیا۔ یوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دار فناء سے خاتمہ تک تمام زمانوں کے لیے پیغمبر ہیں۔ قرآن واضح طور پر اعلان کرتا ہے کہ:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَكِن مَّا سَوَّلَ اللَّهُ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ؕ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝

(سورة الاحزاب، آیت 40)

**ترجمہ** ”محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں اور اللہ ہر بات جانتا ہے۔“

داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات نے نسل و خاندان اور فرقہ و طبقہ کے امتیازات اور غیر مساویہ رجحانات و ممولات کو یکسر ختم کر دیا۔ مزید یہ کہ ہادی کون و مکان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بذات خود زمینی و مکانی اور روحانی ہمہ قسم کے تمام اختیارات استعمال کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خلیفہ زمین کو ریاست کی شکل میں منظم کیا اور اسے اس کے تمام اجزائے ترکیبی سے مزین و منور کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اختیارات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں کو منتقل ہوئے مگر اس فرق و امتیاز کے ساتھ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین نہ تو بغیر تھے اور نہ ہی ان پر وحی نازل ہوتی تھی۔ داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ قیمتی زندگی کی ضرورت پر زور دیا اور یہاں تک اعلان کر دیا کہ ”جو کوئی یہ جانے بغیر مرا کہ اُس کا امام (خلیفہ) کون ہے تو وہ کفر و الحاد کی سوت مرا۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلم قومیت میں اتحاد و یگانگت پر زور دیتے ہوئے فرمایا ”جو کوئی اس (مسلم قومیت) سے علیحدگی کرتا ہے، وزخ میں جاتا ہے۔“ (بحوالہ مسلم، ترمذی، سیوطی، وغیرہ)

**268** پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں کچھ افراد اور مسلمانوں کے کچھ گروہ ایسے تھے جو اسلامی ریاست کی سرحدوں سے باہر رضا کارانہ و بالارادہ کسی دباؤ کے تحت رہائش پذیر تھے مثلاً حبشہ اور مکہ (فتح مکہ سے پیشتر) میں رہتے تھے۔ کچھ غیر مسلم علاقوں کے رہائشی مذہبی رواداری سے آگاہ و آشناء ہونے کے باعث مسلمانوں پر ظلم و ستم کرتے تھے (مثلاً مکہ اور بازظنی سلطنت میں) جبکہ کچھ جیسے علاقوں میں سنیہ کے مطابق آزادانہ پالیسی رائج تھی۔

**269** مسلمان خلیفہ کو داعی اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ورثت میں روحانی اور زمینی دونوں قسم کے اختیارات ملے تھے۔ دو مسجد میں نماز کی امامت کرتا تھا (روحانی وراثت) جبکہ زمینی اختیارات کے حوالے سے ریاست کا سربراہ ہوتا تھا۔ (زمانی وراثت)

**270** داعی اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور نبی و رسول و پیغمبر تسلیم کرنے کے لیے اطاعت کا حلف (بیعت) لینا ہوتا تھا اور خلفاء کے انتخاب کے وقت بھی یہی طریق کار اختیار کیا جاتا تھا۔ دراصل ریاستی تنظیم کی بنیاد حاکم اور رعایا کے درمیان اطاعتی معاہدہ (بیعت) ہوتی ہے۔ عملی طور پر آبادی کی سب سے زیادہ نمائندگی کرنے والے افراد ہی اطاعت کا حلف (بیعت) لیتے ہیں اور وہی افراد ہی اس معاہدہ (حلف) کی تصدیق کر کے

حاکم (خلیفہ) کو موزول کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔

271 رسول و نبی و پیغمبر خدا ہونے کے ناتے سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قومیت کی رہبری و سرکاری کے فرائض سرانجام دیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدائی احکامات و بیانات پر مبنی قانون کا نہ صرف اپنے دور میں نفاذ کیا بلکہ قیامت تک آئندہ آنے والی نسلوں (اخلاف) کے لیے اسے چھوڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں کے لیے رب تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ ایک حقیقت کے طور پر قائم دائم رہی۔ اپنے دائرہ اختیار میں اگرچہ وہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین تھے لیکن ان پر کسی قسم کی وحی کے نزول کا قطعی کوئی امکان نہیں تھا۔ یوں قانون سازی کے حوالے سے ان کے پاس کوئی اختیارات نہیں تھے۔ وہ رب قدر و قدر کے نام پر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے نافذ کردہ قوانین کو منسوخ نہیں کر سکتے تھے تاہم وہ ان قوانین کی توضیح و تشریح کرنے کے مجاز تھے اور ان معاملات میں قوانین بھی وضع کر سکتے تھے کہ جن میں سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کا قانون خاموش تھا۔ دوسرے لفظوں میں خلیفہ آئینی سربراہ ضرور تھا مگر وہ قانونی معاملات میں مطلق العنان نہیں تھا وروہ ملکی قوانین کو بالکل اسی طرح ہی تابع تھا جس طرح ریاست کا عام شہری پابند تھا۔ یہ روایت متفقہ اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی قائم کی کہ ریاست کا سربراہ کسی طور پر بھی قانون سے بالاتر نہیں اور تاریخ شاہد ہے کہ کوئی عام اور معمولی شہری حتیٰ کہ غیر مسلم بھی ضیفہ وقت کو عدالت میں بلوا سکتا تھا۔ اس ضمن میں تالیفہ اول کا شرف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا۔

272 مسلم معاشرے میں خلافت کا نظریہ اور عمل و روایت ہمیشہ ایک جیسی نہیں رہی۔ صحیح صورت حال کو سمجھنے کے لیے اس کی تاریخ پر طائرانہ نظر ڈالنا مفید اور معیاریات افزا ہوگا۔

## خلافت:

273 قرآن مجید، فرقان حمید اچھے اور بُرے بادشاہوں کے متعلق بات کرتا ہے لیکن جمہوریت جیسے کسی اور طرز حکومت کا کبھی بھی حوالہ نہیں دیتا۔ درحقیقت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آراء کا اختلاف اس امر کا نماز ہے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جانشینی بارے کوئی واضح اور مخصوص ہدایات ارشاد نہیں فرمائی تھیں۔ کچھ گروہ یہ چاہتے تھے کہ ریاستی طاقت و قوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان میں بطور وراثت قائم رہنی چاہیے جبکہ سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی اولاد نہ دینی چاہی تھی۔ یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ قریب ترین رشتہ دار تھے جو جانشین ہو سکتے تھے۔ کچھ افراد وقتی طور پر انفرادی انتخاب کے حق میں تھے مگر اس گروہ میں امیدوار کی نامزدگی پر اختلاف تھا۔ ایک غالب اکثریت الیکشن کرنا چاہتی تھی۔ یوں اس صورت حال میں وراثتی مالوکیت اور جمہوریت کی ایک درمیانی شکل کی حکومت وجود میں آئی۔ خلیفہ کو تا حیات مدت کے لیے منتخب کیا گیا۔

اور حقیقت یہ الیکشن جمہوریت سے مماثلت رکھتا تھا جبکہ اس کے دور حکومت کی مدت ملکیت جیسی تھی۔ شروع ہی سے منتخب خلفاء کے مخالفین تھے جو بعد از دعویہ احرار حریف بن گئے جس کی وجہ سے وقتاً فوقتاً غور پزی ہوتی رہی۔ بعد ازاں حکومت ناندان سلاطین کے پاس آگئی۔ یوں اموی آئے جن کی جگہ عباسیوں نے لی جو اسپین کی تو قیرو تنظیم بحال کرنے میں ناکام رہے جبکہ وہاں مسلمان حکمرانوں کے شاہی سلسلہ نے ”خليفة“ کا ٹیٹل استعمال کیے بغیر مطلق العنان حکومت کی۔ اور پھر دو صدیاں بعد مسلم دنیا (بغداد، قرطبہ، قاہرہ) خلفاء کی کثرت سے آگاہ و آشنا ہوئی۔ جب ترک مشرف بہ سلام ہوئے تو انہوں نے نیا عنصر متعارف کرایا۔ انہوں نے پہلے سپاہیوں اور پھر کما کٹہروں کو ریاست کی حکومتی طاقت کا مالک و مختار بنایا۔ خلفاء کے ساتھ ساتھ ”کمندانوں کا کمانڈر“ یعنی کمانڈر اعظم اور پھر ”سلطان“ کا عہدہ متعارف کرایا گیا۔ یوں ریاستی قوت و طاقت منقسم ہو گئی اور انتظامیہ ”سلطان“ کے ہاتھوں میں چلی گئی جس نے اسے خلیفہ کے نام پر استعمال کیا۔ اس سے لاپرواہی و حرص نے جنم لیا اور حدود و رقابت پروان چڑھی۔ کئی صوبے آزاد و خود مختار ہو گئے۔ یوں گورنروں کا اک ”شاہی سلسلہ“ جس کا جنہیں دوسرے مہم جوؤں نے نکال باہر کر کے خود حکومت سنبھال لی اور جب بھی ایسی صورت حال پیدا ہوئی خلیفہ کے پاس جو ہو چکا، سو ہو چکا کی تصدیق و توثیق کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ سب سے پہلے قاہرہ کی فاطمی خلافت ختم ہوئی اور اس پر ترکی کے گرد گورنروں کے ”شاہی سلسلہ“ نے قبضہ کر لیا اور بغداد کی خلافت کو تسلیم کر لیا۔ جب خلافت بغداد کو خد تار یوں نے تاخت و تاراج کیا تو خلافت کی کرسی تو ہر منتقل ہو گئی۔ بعد ازاں عثمانی ترکوں نے مصر کو فتح کر لیا اور وہاں جدید عباسی سلسلہ ہائے خلفاء کا خاتمہ کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد جینی خلافت نے عیسائی حملہ آوروں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور مراکش میں خلافت کی تنظیم نو کی۔ ترکیہ استنبول اور مغلیہ دہلی نے بھی خلافت کی تصنع کاری کی مگر اپنی وسیع تر سلطنتوں کے باوجود ان دونوں کے دعویٰ کو صرف ان کے متعقد اندرونی حلقہ اثر نے ہی تسلیم کیا۔ ان دونوں کی تصنع کاری سے پہلے خلیفہ کے لیے یہ لازم ہوتا تھا کہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کی کئی عربی قریشی نسل سے ہو۔ ترک اور مغس اس شرط پر پورا نہیں اترتے تھے تاہم اس نکتے پر بعد میں بات کی جائے گی۔ مغلوں کو ہندوستان کے تخت سے برطانیہ نے اتر دیا جبکہ استنبول کے ترکی خلیفہ سے اُس کے اپنے ہی عوام نے حکومت چھین کر نہ صرف یہ کہ جمہوری طرز حکومت کا انتخاب کیا بلکہ سربراہ مملکت کے لیے خلافت کا وقار بھی محفوظ نہ رکھا۔ خلیفہ کے تمام مفادات و اختیارات ”گرینڈ نیشنل اسمبلی (Grand National Assembly)“ کو تفویض کر دیئے گئے جس نے نہ تو ان کا تقاضا کیا تھا اور نہ ہی انہیں استعمال کیا۔ آخری ترک خلیفہ عبدالماجد دوم (آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد 100 واں خلیفہ) بیس میں پناہ و جلا وطنی کے دوران فوت ہو گیا۔ اسی اثناء میں مراکش کی خلافت فرانس کے زیر حمایت و حفاظت آگئی۔

274 ﴿﴾ اس ضمن میں چند حوالہ جات قابل ذکر و قابل غور ہیں۔ معلم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی کی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کھنکھس تیس برس تک رہے گی اور اس کے بعد اذیت ناک بادشاہت ہوگی۔ (بحوالہ ابن اثیر، ترمذی، ابوداؤد) داعی اسلام حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ایک

اور حدیث کے مطابق خلافت قبیلہ قریش میں رہے گی۔ اس حدیث کا حالہ اور راوی نامعلوم ہیں اور پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا فعل و عمل بھی اس کی تصدیق و توثیق نہیں کرتا۔ تاریخ شاہد ہے کہ سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں شہری ریاست کے قیام کے بعد عروس البلاد سے کم از کم 25 بار باہر گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا تو ریاستی علاقے کے دفاع کی خاطر جنگی مہمات پر گئے یا اتحادی معاہدات کی خاطر یا پھر حج کے لیے تشریف لے گئے۔ ان تمام مواقع پر خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں اپنا نائب نامزد کیا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بار ایک ہی شخص کو حکومت کا عہدہ ری نظام چلانے کے لیے نامزد اور مقرر و منتخب نہیں کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامزد کردہ نائبین میں مدنی، قریشی، کنعانی اور دوسرے شامل تھے اور حتیٰ کہ ایک نامیٰ صحابی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حبۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عروس البلاد مدینہ منورہ میں اپنا نائب یعنی خلیفہ یک نامیٰ صحابی رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصال سے محض تین ماہ پہلے کے لمحات تھے۔ ایک اور نکتہ قابل غور ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بحیثیت خلیفہ، انتخاب کے موقع پر ایک تجویز یہ بھی تھی کہ ایک ہی وقت میں دو خلفاء مشترکہ طور پر کام کریں۔ یہ بھی مسلم حکومت کی تشکیل کی ممکنہ صورتوں میں سے ایک صورت ہو سکتی ہے۔ اس کی تصدیق قرآن نے بھی کی ہے۔

وَأَجْعَلْ لِّيْ ذُوِيْهِ الْاِھْنِ اَھْلِيْ (۱) هٰذُوْنَ اَھْلِيْ (۲) اَللّٰهُ ذُوْہِہٖ اَزْمَرْتُ (۳) وَ اَشْرَرْتُہٗ فِیْ اَمْرِہٖ (۴)

(سورۃ طہ، آیات: 29 تا 32)

**ترجمہ** ”(موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی) اور میرے لیے میرے کنبہ میں سے ایک معاون بنادے۔ بارون کہ جو میرا بھائی ہے۔ اس سے میری کمر مضبوط کر دے اور اسے میرے کام میں شریک کر دے۔“

داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بذات خود حکومت کی اس صورت کی اجازت دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمان کے حیدر اور عہد کے نام خط میں لکھا کہ ”اگر تم دونوں اسلام قبول کر لو تو میں تم دونوں کو مشترکہ حکمران برقرار رکھوں گا“ اور جب دونوں نے اسلام قبول کر لیا تو دونوں نے نمان پر مشترکہ حکومت کی۔ ایسی ہی صورت حال کا ذکر پہلے ہو چکا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو انصاریوں میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا ”اے مہاجرین! جب کبھی بھی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو عامل (گورنر) نامزد کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں سے ایک فرد کو اس کے ہمراہ و ہمرکاب کیا۔ چنانچہ ہماری رائے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کو بھی دو افراد چلائیں ایک آپ میں سے ہو اور ایک ہم میں سے ہو۔“ (بخاری ابن ہشام، ابن سعد)

﴿275﴾ مسلمانوں میں آج کل عامی خلیفہ کا وجود نہیں ہے تاہم عوام الناس اس کی خواہش و آرزو جاری رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کا آزاد وجود بھی حصہ بہ حصہ دوبارہ فتح کا مرہون منت ہے۔ عالمی خلافت کو بحال کرنے سے پہلے ہمیں داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے مثالی راستہ کو اختیار کرنا ہوگا تاکہ علاقائی رقابتوں اور مجروح آفریں جذبات و احساسات سے بچ جا سکے۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ مسلم ریاستوں کے سربراہوں پر مشتمل ایک ”خلافت کونسل“ تشکیل دی جائے جس میں سنی، شیعہ، قریشی اور غیر قریشی سبھی شامل ہوں اور کونسل کا برہمہ (سربراہ مسلم ریاست) باری باری ایک سال کے لیے کونسل کی صدارت کے فرائض سرانجام دے۔

## ریاست کے فرائض:

﴿276﴾ ایک مسلم ریاست کے چار فرائض ہونا چاہئیں۔ ① انتظامی (عوامی و فوجی) ② قانونی (قانون سازی) ③ عدالتی ④ ثقافتی۔

﴿277﴾ جہاں تک انتظامی فرائض کا تعلق ہے اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ دنیا میں ہر جگہ ان سے آگاہی و آشنائی پائی جاتی ہے۔ حاکمیت اعلیٰ صرف اور صرف رب قہر و تقدیر کی ہے جبکہ بغیر کسی استثناء کے سب کی فلاح و بہبود کے لیے انسان کو رب مطلق کی نیابت (خلافت) سے نوازا گیا ہے۔

﴿278﴾ اسلامی معاشرے میں قانون سازی کا دائرہ اختیار بہت محدود ہے۔ روحانی اور زمانی تمام شعبہ ہائے حیات میں کلام الہی (قرآن مجید) تمام قوانین کا منبع و ماخذ ہے۔

﴿279﴾ جہاں تک عدالتی دائرہ کار کا تعلق ہے یہ بات پہلے بھی بیان کی جا چکی ہے کہ قانون کی نظر میں سب انسان برابر ہوتے ہیں جس میں عوام الناس اور رعایا کی صرح سربراہ ریاست و مملکت کو بھی کسی قسم کا استثناء حاصل نہیں ہوتا۔ قرآن پاک نے اس ضمن میں اہم احکامات دیتے ہوئے اعلان کیا ہے کہ:

سَمِعُوا لِلْكَذِبِ أَكْثَرُونَ لِلشَّحْتِ ۖ فَإِنْ بَدَّكَ فَاتَّكِبْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَغْفِرَوكَ شَيْئًا ۚ وَإِنْ حَكَمْتَ فَأَحْكُم بَيْنَهُمْ بِانْقِصَاطِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ وَكَيْفَ يُحْكُمُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمُ التَّوَلِيَّ فِيهِمْ أَحْكُمُ اللَّهُ بِهِمْ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ ۚ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ۝ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا حُدُودَهُ فَزَيِّنُوا لَهُمْ مَا يَتُوبُ إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ وَلَا تَتَّبِعُوا بِالنَّفْسِ مَا تَنَاقَلُوا ۚ وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ۝ وَكَتَبْنَا مَا فِيهِمْ فِيهَا أَنْ النَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنُ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفُ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنُ بِالْأُذُنِ وَالنَّسْ بِالنَّسِ ۚ وَالْجُودُ بِالصَّوْءِ ۚ فَتَنْصَدِّقْ بِهِ فَبُخْ

لَقَامَا قَالَهُ وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِهَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ وَفَقِينَا عَلَى  
 أَثَرِهِمْ يَعْنِي ابْنَ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ ۝ وَأَكْبَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ  
 فِيهِ هُدًى وَنُورٌ ۝ وَمُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَهُدًى وَنُورٌ ۝ وَفَقِينَا  
 لِلشَّاقِينَ ۝ وَيَعْلَمُ أَهْلُ الْإِنجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ ۝ وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِهَا أَنْزَلَ  
 اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ  
 مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيِّئًا عَلَيْهِ فَاحِكُم بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا  
 جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۝ لِكُلِّ جَعَلْنَا مِثْلَهُ مِثْرَةً ۝ وَمِنْهَا جَاءَ ۝ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلْنَاهُ أُمَّةً  
 وَاحِدَةً ۝ وَلَئِنْ لَبِيتُوكُمْ فِي مَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ ۝ الْخَبَرَاتُ ۝ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا  
 فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ وَإِنْ أَحْكَمْتُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ  
 أَهْوَاءَهُمْ وَادْعُهُمْ أَنْ يُقِيمُوا عَنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۝ فَإِنْ تَوَلَّوْا  
 فَأَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ ۝ اللَّهُ أَنْ يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ دُذُنِهِمْ ۝ وَإِنْ كَثُرَ أَصْحَابُ النَّاسِ  
 لَفَسْقُونَ ۝ أَفَحُكْمَ الظَّالِمِينَ لَنَنْبَغُونَ ۝ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ  
 يُذِقُونَ ۝

(سورۃ المائدہ، آیات: 42 تا 50)

**ترجمہ** ”جموٹ بولنے کے لیے جاسوسی کرنے والے ہیں اور بہت حرام کھانے والے ہیں۔ سو اگر وہ تیرے پاس آئیں تو ان میں فیصلہ کر دے یا ان سے منہ پھیر لے اور اگر تو ان سے منہ پھیر لے گا تو وہ تیرا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اور اگر تو فیصلہ کرے تو ان میں انصاف سے فیصلہ کر۔ بے شک اللہ انسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اور وہ تجھے کس طرح منصف بنائیں گے حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم ہے۔ پھر اس کے بعد مٹ جاتے ہیں اور یہ مومن نہیں ہیں۔ ہم نے تورات نازل کی کہ اس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ اس پر پیغمبر جو اللہ کے فرمانبردار تھے یہود کو حکم کرتے تھے اور اہل اللہ اور علماء بھی۔ اس لیے کہ وہ اللہ کی کتاب کے محافظ ٹھہرائے گئے تھے اور اس کی خبر گیری پر مقرر تھے۔ سو تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میری آیتوں کے بدلے میں تمھارا بدلہ مت لو۔ اور جو کوئی اس کے مخالف فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے اتارا تو وہی لوگ کافر ہیں۔ اور ہم نے ان پر اس کتاب میں لکھا تھا کہ جان بدلے جان کے اور کچھ بدلے آکچھ کے اور ناک بدلے ناک کے اور کان بدلے کان کے اور دانت بدلے دانت کے اور

زخموں کا بدلہ ان کے برابر ہے۔ پھر جس نے معاف کر دیا تو وہ گناہ سے پاک ہو گیا اور جو کوئی اس کے موافق حکم نہ کرے جو اللہ نے اتارا، سو وہی لوگ غلام ہیں۔ اور ہم نے ان کے پیچھے انہیں کے قدموں پر سیٹی۔ مریم کے بیٹے کو بھیجا جو اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا تھا اور ہم نے اُسے انجیل دی جس میں ہدایت اور ہدایت تھی۔ اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا تھا اور راہ بتانے والی اور ڈرنے والوں کے لیے نصیحت تھی۔ اور پھر یہ کہ انجیل والے اس کے موافق حکم کریں جو اللہ نے اس میں اتارا ہے اور جو چیز اللہ نے اتاری ہے جو شخص اس کے موافق حکم نہ کرے سو وہی لوگ نافرمان ہیں۔ ہم نے تجھ پر پکی کتاب (قرآن پاک) اتاری جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کے منہ میں پر نگہبانی کرنے والی ہے۔ سو تو ان میں اس کے موافق حکم کر جو اللہ نے اتارا ہے اور جو حق تیرے پاس آیا ہے اس سے منہ موڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کر۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور ایک واضح راہ مقرر کر دی ہے اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی امت کر دیتے لیکن وہ اپنے دیے ہوئے احکامات میں آزمانا چاہتا ہے لہذا انہیں میں سے ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو۔ تم سب کو اللہ کے پاس پہنچنا ہے پھر تمہیں جتنے کام جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔ اور یہ کہ تو ان میں اس کے موافق حکم کر جو اللہ نے اتارا ہے۔ اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کر اور ان سے بچتے رہ کہ تجھے کسی ایسے حکم سے بہک نہ دیں جو اللہ نے تجھ پر اتارا ہے۔ پھر اگر یہ منہ موڑیں تو جان و کہ اللہ کو ارادہ انہیں ان کے بعض گناہوں کی پاداش میں مصیبت میں مبتلا کرنے کا ہے اور لوگوں میں سے بہت سے نافرمان ہیں۔ تو کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں حالانکہ جو لوگ یقین رکھنے والے ہیں ان کے ہاں اللہ سے بہتر اور کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں۔“

اسلامی ریاست کے غیر مسلم باشندے مدافعتی خود مختاری سے مستفید و مستفیض ہوتے ہیں۔ ہر قومیت کے اپنے عدالتی ٹریبونل اور اپنے ہی منصف ہوتے ہیں جو معاشرتی اور تعزیریاتی حوالے سے ہر شعبہ ہائے حیات میں اپنے ہی قوانین کے مطابق فیصلے صادر کرتے ہیں۔ قرآن واضح طور پر کہتا ہے کہ یہودیوں کو تورات کے قوانین پر جبکہ عیسائیوں کو انجیل کے قوانین پر عمل پیرا ہونا چاہیے البتہ مقدمہ بازی میں ملوث پارٹیاں اگر مختلف قومیتوں سے تعلق رکھتی ہوں ورنہ ان کے قوانین میں کسی قسم کا کرڈہ ہو تو پراسیوٹ انٹرنیشنل لاء کے ذریعے ایسے مقدمات کی شکایات کو قوانین اور منصفین (ججز) کے انتخاب کا خصوصی طریق کار استعمال کر کے حل کیا جاتا ہے۔

اسلام میں ثقافتی فریضہ سے مراد محض یہی ہے کہ صرف حکم الہی ہی کو اس دنیا میں نافذ العمل ہونا



چاہیے۔ یہ بجا طور پر ہر مسلمان اور مسلم حکومت کا فرض ہے کہ وہ نہ صرف حکم الہی پر روزمرہ کے معمولات میں عمل کریں بلکہ غیر ملکی مشن بھی منقلم کریں تاکہ وہ دوسروں کو اسلام کے اغراض و مقاصد اور انعامات و ثمرات سے آگاہ و آشنا کر سکیں۔ اسلام کا بنیادی اصول بقول قرآن یہ ہے کہ:

لَا اِكْرَاهِي الْدِيْنَ ﴿٢٥٦﴾ (سورۃ البقرہ، آیت: 256 ابتدائی حصہ)

**ترجمہ** ”دین کے معاملہ میں زبردستی نہیں ہے۔“

دین اسلام کی مضبوط و مستحکم بنیاد استوار کرنے کے لیے کاہلی و کم ہمتی اور بے رخی و بے اعتنائی کی بجائے دائمی و دوامی اور بے غرض و بے لوث کوشش و کابوش، سعی مسلسل اور جہد متواتر کی ضرورت ہے۔

## طرز حکومت:

﴿281﴾ اسلام حکومت کے ظاہری و بیرونی پہلو کو کوئی فوقیت و اہمیت نہیں دیتا بلکہ انسان کی دنیا و آخرت کی فلاح و رحیم الہی کا نفاذ چاہتا ہے چنانچہ اسلام کے نزدیک آئینی پہلو کا نوی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں جمہوریت، ملوکیت اور مشترکہ حکومت سب جائز ہیں۔

﴿282﴾ اگر ایک ہی سردار یا خلیفہ سے مقصد مل جاتا ہے تو اسے قبول کر لیا جاتا ہے لیکن اگر کسی وقت، کسی خاص حالات و مقامات پر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ”امیر المؤمنین“ یا خلیفہ میں تمام مطلوبہ خصوصیات نہیں ہیں تو حکومت کو بہتر و برتر طور پر چلانے کے لیے اختیارات کی تفہیم کو رضا کارانہ و بالارادہ تسلیم کرنا ہوتا ہے۔ ہم قرآن مجید سے مشہور و معروف حوالہ دے سکتے ہیں۔

اَلَمْ نَرْسُلَ اِلَيْكَ اِيْنِسَآءَ بَنِي اِسْرَآءِيْلَ مِنْ بَعْدِ مُوسٰى اِذْ قَالُوْا اِنَّا نَعْبُدُ اِلٰهًا مَّٰلِكًا فَاَرْسَلْنَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالْ خُلُوْا غَيْرَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ عَلٰيكُمْ اَلْفَاظِلُ ۖ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۚ قَالُوْا اَوْ مَالَنَا اَلَّا نَقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَابْنَانَا ۚ فَلَمَّا كَتَبَ عَلَیْهِمُ النِّقَاطَ قَالُوْا اِنَّا لَنَجِدُوْا اِلٰهًا غَيْرَ الَّذِیْنَا ۚ وَاللّٰهُ عَلٰیہُمْ بِالْظُّلُمٰتِۙ ۙ وَ قَالَ لَهُمْ نَبِیُّہُمْ اِنَّ اِلٰهَہُمْ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ صَالِحًا ۚ قَالُوْا اَنۢیْ یُّخَوِّنُ لَہُ السُّلٰکَ عَلَیْنَا وَرَجُلٌ مِّنۢ بَاۡسِلٰکِ مِنْہُ وَاَنۢیْ یُّوَدِّعُ سَعۡدَہٗمِنَ النَّاۡلِ ۚ قَالَ اِنَّ اِلٰهَہُ اَخْلَطَفَ عَلَیْکُمْ وَرَادَاۤءَ تَبَسُّطَہٗ فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۚ وَاللّٰهُ یُؤْتِیْ مٰلَکَہٗ مِّنۢ یَّسَّآءٍ ۚ وَاللّٰهُ وَاَسَدٌ عَلَیْہِمْ ﴿٢٨٢﴾

(سورۃ البقرہ، آیات: 246، 247)

**ترجمہ** ”کیا تم نے بنی اسرائیل کی ایسے نبیاء کو موسیٰ کے بعد نہیں دیکھا جب

انہوں نے اپنے نبی سے کہا کہ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کرو، تاکہ ہم اللہ کی راہ میں لڑیں۔ پیغمبر نے کہا کیا یہ بھی ممکن ہے کہ اگر تمہیں لڑائی کا حکم ہو تو تم اس وقت نہ لڑو۔ انہوں نے کہا ہم اللہ کی راہ میں کیوں نہیں لڑیں گے حالانکہ ہمیں نکالا گیا اپنے گھروں سے اور اپنے فرزندوں سے۔ پھر جب انہیں لڑائی کا حکم ہوا تو سوائے چند آدمیوں کے سب پھر گئے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ ان کے نبی نے ان سے کہا بے شک اللہ نے طاقت کو تمہارا بادشاہ مقرر فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا اس کی حکومت ہم پر کیونکر ہو سکتی ہے۔ اس سے تو ہم ہی سلطنت کے زیادہ مستحق ہیں اور اُسے مال میں بھی سہاگش نہیں دی گئی۔ پیغمبر نے کہا بے شک اللہ نے اُسے تم پر پسند فرمایا ہے اور اسے ظلم اور جسم میں زیادہ فراخی دی ہے اور اللہ اپنا ملک جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ کشاکش والا جاننے والا ہے۔“

ایک پیغمبر کی موجودگی میں ایک بادشاہ کا عہدہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس سمت کس حد تک جیا جاسکتا ہے۔ یوں روحانی اور زمینی فرائض میں تقسیم کردی گئی ہے تاہم دونوں میں سے کسی کے پاس خود مختارانہ اور من مانی قوت و طاقت اور من مانے اختیارات نہیں۔ جس طرح سیاست اور بادشاہ حکم الہی کے پابند ہیں اسی طرح دین اور پیغمبر بھی حکم الہی کے پابند ہیں۔ قوانین اور قوت و طاقت کا منبج وہ خدا ایک ہی ہے۔ صرف قانون کا نفاذ اور ضروری متہ صد کی تکمیل کا تعلق مختلف افراد سے ہے۔ زندگی کے ان دونوں پہلوؤں کے فرق اور علیحدگی کی نسبت ان کا تعلق مہارت و تخصص سے زیادہ ہے۔

## مشاورتی غور و خوض:

283 مشاورت کی اہمیت و افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن حکیم مسلمانوں کو بار بار حکم دیتا ہے کہ عوامی و ذاتی معاملات کے فیصلے ہا بھی مشاورت سے کرو۔ ارشاد رب العزت ہے کہ:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (سورۃ آل عمران، آیت: 159، درمیانی حصہ)

ترجمہ ”(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اور کام میں ان سے مشورہ لیا کریں۔“

اسی طرح:

قَالَتِ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُو الْأُمُورِي فِي أَمْرِي فَمَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّى تَشْهَدُوا بِهِ (سورۃ النمل، آیت: 32)

ترجمہ ”(ملکہ سبا بقیس) کہنے لگی کہ اے دربار والو! مجھے میرے کام میں مشورہ دو۔ میں کوئی بات تمہاری موجودگی کے بغیر طے نہیں کرتی۔“

مزید یہ کہ:

وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ  
وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿٣٨﴾

(سورۃ الشوریٰ، آیت: 38)

**ترجمہ** ”اور وہ ہوا اپنے رب کا حکم مانتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں اور ان کا کام باہمی مشورہ سے ہوتا ہے اور ہمارے دیے ہوئے میں سے کچھ دیا بھی کرتے ہیں۔“

سرور الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل (سنت) بھی باہمی مشاورت کا نماز اور عکاس ہے۔ رب قادر و قدیر کی جانب سے وحی کے نزول کی صورت میں رہنمائی کی ارفع و اعلیٰ خصوصیت و خاصیت کے باوجود معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ کرنے سے پہلے اکثر و بیشتر اپنے صحابہ کرامؓ اور اپنے پیروکار قبائل کے نمائندوں سے مشاورت کیا کرتے تھے۔ داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی خلفاء بھی مشورہ و مشاورت میں بھرپور سرگرمی کا مظاہرہ کرتے تھے۔

﴿284﴾ مشاورت کے متعلق قرآن حکیم کوئی قطعی و رنانا قابل تبدیلی طریق کار متعین نہیں کرتا۔ مشاورتی کونسل کے ممبران کی تعداد، انتخاب کا قاعدہ و ضابطہ اور ممبران کے فرائض کی ادائیگی کا دورانیہ وغیرہ ایسے معاملات ہیں جنہیں ہر دور اور ہر ملک کے سربراہ کی مرضی و منشاء پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اہمیت و ثنویت اس امر کی ہے کہ سربراہ ریاست و مملکت کی مشاورتی کونسل کے ممبران اپنے اپنے علاقے کے نمائندگان کی حیثیت سے اپنے عوام کے اعتماد پر پورا اترنے کی بھرپور اہلیت و صلاحیت رکھتے ہوں اور اعلیٰ و ارفع کردار کے حامل ہوں۔

﴿285﴾ قرآن حکیم متناسب نمائندگان کا ذکر کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حوالہ دیتا ہے جب انہوں نے اپنی قوم میں سے 70 نمائندوں کا انتخاب کیا تا کہ وہ کہہ طور پر جا کر ساری قوم کی جانب سے اللہ سے پکا وعدہ کریں کہ آئندہ شرک جیسی غلطی ان سے نہیں ہوگی۔

وَاخْتَارُوا مُوسَىٰ قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا يُنَاقِشُونَهُ

(سورۃ الاعراف، آیت: 155 ابتدائی حصہ)

**ترجمہ** ”اور موسیٰ نے اپنی قوم میں سے 70 مرد ہر رے وعدہ ملاقات (وعدہ گاہ پر لانے کے لیے) چن لیے۔“

اسی طرح ارشاد رب العزت ہے کہ:

وَقَطَّعُوا أَشْجَارَ ثَمُودَ أَنْبَاطًا مَّاءً وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ إِذِ اسْتَسْقَاهُ قَوْمُهُ  
أَنْ اصْرَبْ بِوَعَصَائِكَ الْعِجْرَ فَأَتَيْنَا مِنْهُ ثَمُنًا عَشْرًا قَدْ عَلِمَ أَنَّ  
أَنْبَاسَ قَوْمِهِمْ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْسِّلَاقَ وَالسَّلَامَىٰ كُلُّوا  
مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاهُمْ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١٦٠﴾

(سورۃ الاعراف، آیت: 160)

**ترجمہ** ”اور ہم نے انہیں جدا جدا کر دیا بارہ دلوں کی ادا دلوں میں جو بڑی بڑی جماعتیں تھیں اور موسیٰ کو ہم نے حکم بھیجا جب اس کی قوم نے اس سے پانی مانگا کہ اپنی لائق اس پتھر پر مار تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ ہر قبیلہ نے اپنا گھات پہچان لیا اور ہم نے ان پر بادل کا سایہ کیا اور ہم نے ان پر سن و سلونی اتارا۔ ہم نے جو سختی چیزیں تمہیں دی ہیں وہ کھاؤ اور انہوں نے ہر را کوئی نقصان نہیں کیا لیکن اپنا ہی نقصان کرتے تھے۔“

نمائندگان پاہے نامزد کیے جائیں یہ منتخب کیے جائیں بنیادی مقصد و محور بھی ہوتا ہے کہ حکومت وقت اپنی رعایا اور عوام الناس کی رائے سے آگاہ و آشناء رہے۔ اسام اس مقصد کے حصول کے لیے ناز کی اجتماعی ادائیگی کا بہتر و برتر طریقہ وسیعہ اختیار کرتا ہے چنانچہ روزانہ پانچ بار (بالخصوص ہفتہ وار نماز جمعۃ المبارک کے موقع پر) ہر مسلمان (مرد و عورت) کو اپنی گئی، اپنے محل اور اپنے رہائشی علاقے کی مسجد میں مجتمع ہونا ہوتا ہے اور یہ معاملہ علاقے کا حکومتی اعلیٰ افسر یا مفتی و پرمیٹرز کا فرد ہوتا ہے جو نماز کی امامت کرتا ہے۔ اگر وہ حکومت وقت کا مقرر کردہ نمائندہ ہو تو اس سے ہر متاثرہ و مظلوم شخص اپنے اوپر ہونے والی انصافی یا ظلم کی شکایت کر کے اسے ذمہ دار و اختیار فرد تک پہنچا سکتا ہے۔ اگر اس سے بھی اس کا مسئلہ و معاملہ حل نہ ہو تو وہ حتیٰ کہ سربراہ ریاست سے وادری و سلامتی کی درخواست کر سکتا ہے جو کہ جامع مسجد میں بذات خود نماز کی امامت کرتا ہے اور یوں اس تک ہر شخص کو رسائی حاصل ہوتی ہے۔

## خارجہ پالیسی:

286 ﴿﴾ غیر ممالک کے ساتھ تعلقات بین الاقوامی قانون کے تحت استوار کیے جاتے ہیں۔ ایک سماجی و معاشرتی گروہ کے اندرون باہمی تعلقات کی نسبت غیر ممالک کے ساتھ تعلقات کے ارتقاء کی رفتار بہت سست ہوتی ہے۔ زمانہ قبل از اسلام میں بین الاقوامی قانون کا کوئی آزاد وجود نہیں تھا۔ خارجہ تعلقات سیاست کا حصہ تھے اور سربراہ ریاست و مملکت کی خوشی و خوشنودی اور منشاء و مرضی پر منحصر تھے۔ غیر ملکی دوستوں کے تسلیم شدہ حقوق محض چند تھے جبکہ دشمنوں کے حقوق نہ ہونے کے برابر تھے۔

287 ﴿﴾ ہمیں اس تاریخی حقیقت کو عیوں و نمایاں کرنا چاہیے کہ عالمی سطح پر مسلمانوں نے ہی سب سے پہلے نہ صرف بین الاقوامی قانون کو متعارف کرانے میں سب سے پہلے کی بجائے قانون کا حصہ بنایا۔ مسئلہ نوں نے بالخصوص اس موضوع پر نہ صرف ”سیسر“ کے عنوان سے ایک موضوعی تحقیقاتی مقالہ تحریر کیا بلکہ قانون کے بیشتر رسالوں و مقالوں میں بھی بالعموم اس پر بحث کی۔ دوسری صدی ہجری (آٹھویں صدی عیسوی) کے ابتدائی سالوں میں اس موضوع کے تخلیق کار مسلمہ نوں نے جنگی معاملات کو تعزیریاتی قانون کا حصہ بنایا۔ چنانچہ متاثر افراد کی رہزنی و قزاقی اور ڈاکہ زنی پر بحث کرنے کے بعد فقہاء نے منطقی طور پر غیر ملکیوں کی طرف سے ایسی ہجرانہ

کاروائیوں پر بحث کی اور مجرموں کے خلاف حکومت و ملت کو تحریک و متوجہ ہونے کا مطالبہ کیا اور یہ کہ تعزیریاتی قانون میں جنگلی معاملات کی شمولیت سے وہ قانونی معاملات جن گئے جس سے ملزم کو عدالتی طریقوں کے رو برو اپنے دفاع کا حق مل گیا۔

﴿288﴾ فقہاء کی زبان میں اسلام میں بین الاقوامی تعلقات کے نظام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ "دنیا کے مصائب و آلام کے حوالے سے مسم اور غیر مسلم برابر ہیں۔" تاہم قدیم یونانی یہ نظریہ رکھتے تھے کہ بین الاقوامی قانون صرف یونانی شہری ریاستوں کے مابین تعلقات کا رکن منظم رکھتا ہے۔ مشہور یونانی فلسفی ارسطو کے مطابق فطرت کی مرضی و فشاء یہی ہے کہ غیر مہذب غیر یونانی بہر صورت یونانیوں کے غلام ہیں۔ یوں یہ کوئی قانون نہیں تھا بلکہ تعلقات کے حوالے سے ان کا خود مختارانہ اور من مانا رویہ تھا۔ قدیم ہندو بھی اسی طرح کا نظریہ رکھتے تھے۔ ان کے ہاں انسانیت کی ذات پات میں تقسیم کے عقیدہ نے اچھوت کے تصور کو تقویت دی جس کی وجہ سے مفتوح غلاموں کی قسمت مزید بھرت ہاک و تشویشناک ہو گئی۔ رومیوں نے اگرچہ غیر ملکی دولتوں کے چند حقوق تسلیم کیے تاہم دیر کے باقی تمام افراد کے لیے وہ اپنے من کی موج اور ذاتی مرضی و فشاء والی پالیسی پر عمل پیرا تھے۔ یہ خود مختارانہ اور من مانا رویہ مختلف سرداروں، کسانداروں اور حالات و واقعات کے مطابق تبدیل ہوتا رہتا تھا۔ یہودی قانون اس امر پر زور دیتا تھا کہ خدا کا حکم ہے کہ فلسطین میں رہائش پذیر عربیوں کو نکال باہر کیا جائے اور یہ کہ باقی تمام دنیا کے افراد کو اس شرط پر رہنے دیا جائے کہ وہ یہودیوں کو خرچ عقیدت پیش کریں اور ان کی غلامی اختیار کریں۔ 1856ء تک مغرب والوں نے نیسیاتیوں پر عالمی قانون کے نفاذ کا حق محفوظ رکھا۔ اور اس وقت سے انہوں نے مہذب اور غیر مہذب اقوام میں امتیاز پیدا کرتے ہوئے غیر مہذب اقوام کو کسی قسم کی رعایات و مراعات دینے سے سراسر انکار کر دیا۔ بین الاقوامی قانون کی تاریخ میں مسلمانوں نے ہی سب سے پہلے کسی قسم کے امتیازات و تحفظات کے بغیر غیر ملکوں کے حقوق تسلیم کیے۔

﴿289﴾ زاعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مسلم ریاست کی بنیاد رکھی اور اس کا انتظام و انصرام بھی سنبھالا۔ یہ مدینہ منورہ کی شہری ریاست تھی۔ یہ ان خود مختار دیہاتوں اور علاقوں کی کنفیڈریشن تھی کہ جس میں مسلمان، یہودی، کفار عرب اور شاید مٹی بھر عیسائی رہائش پذیر تھے۔ اس ریاست کے آئین میں مذہبی رواداری کو بقاعدہ و باضابطہ تسلیم کیا گیا تھا۔ غیر مسلموں کے ساتھ دفاعی اتحاد کے معاہدات ہوئے اور ان پر بحسن و خوبی محتاط انداز میں عمل کیا گیا۔ قرآن مجید فرقان حمید و عدو اور معاہدوں کی پاسداری کی پر زور افغانہ میں تاکید کرتا ہے اور اس ضمن میں مکمل انصاف سے کام لینے کی تلقین کرتا ہے۔ بصورت دیگر وہ محشر سزا کی وعید سنائی گئی ہے۔

﴿290﴾ بین الاقوامی ردیے کے حوالے سے اصول و ضوابط کے ذرائع نہ صرف ملکی و اندرونی قوانین پر

مقتل ہیں بلکہ غیر ملکوں کے ساتھ معاہدات وغیرہ بھی ان میں شامل ہیں۔

291 فتہاء وعدے کی پاسداری کو از حد اہم اور لازم سمجھتے ہیں۔ ان کے مطابق اگر کوئی غیر ملکی ایک خاص مدت کے لیے اجازت لے کر اسلامی علاقے میں داخل ہوتا ہے اور اسی اثناء میں اس مسلم حکومت اور غیر ملکی کے متعلقہ غیر ملکی حکومت کے درمیان جنگ چھڑ جاتی ہے تو اس غیر ملکی کی حفاظت کسی صورت متاثر نہیں ہوگی۔ وہ اپنے عارضی قیام کی اجازت والے عرصہ کے انتقام تک انتہائی امن و سکون کے ساتھ اور بلا خوف و خطر وہاں رہ سکتا ہے۔ وہ نہ صرف مکمل حفاظت و تحفظ کے ساتھ واپس اپنے وطن جائے گا بلکہ اپنے ہمراہ اپنا تمام مال و متاع اور مفادات بھی لے جاسکتا ہے۔ مزید یہ کہ عارضی قیام کے دوران اسے وہی عدالتی تحفظ حاصل ہوگا جو کہ جنگ چھڑنے سے پہلے حاصل تھا۔

292 غیر ملکی سفیر، پیغام بر یا قاصد و ہمسہ کام تحفظ دیا جاتا ہے چاہے وہ کیسا ہی ناخوشگوار و ناہمراز اور سخت و درست ترین پیغام یا خطا ہی لے کر کیوں نہ آئے۔ اسے مذہب و مسلک کی آزادی کے ساتھ ساتھ محفوظ تر عارضی قیام اور بحفاظت واپسی کی رعایت و سہولت حاصل ہوتی ہے۔

293 اسلامی معاشرے میں عدالتی دائرہ کار و اختیار کی بھی خصوصی خصوصیات ہیں۔ اسلامی علاقے میں غیر ملکی رہائشی اسلامی حکومت کے دائرہ کار میں تو آتے ہیں لیکن اسلامی قانون کے دائرہ اختیار میں نہیں آتے کیونکہ اسلام اپنے علاقے میں کثیر التعداد قوانین کو رواداری کے ساتھ برداشت کرتے ہوئے ہر قومیت و قوم کو ان کے اپنے خود مختار عدالتی نظام کا حق دیتا ہے چنانچہ ہر اجنبی و غیر ملکی اپنے ہی عدالتی ریویوئل کے روبرو جوابدہ ہوتا ہے۔ اگر وہ عیسائی، یہودی یا کسی اور قوم و قومیت سے تعلق رکھتا ہے اور اگر مقدمہ بازی میں ملوث دوسری پارٹی بھی اسی قوم و قومیت سے تعلق رکھتی ہے (چاہے دوسری پارٹی مسلم ریاست کی رعایا ہو یا غیر ملکی ہو) تو فیصلہ ان کی اپنی عدالت میں ان کے اپنے قوانین کے مطابق ہوگا۔ اس دائرہ اختیار کے حوالے سے نام طور پر دیوانی اور فوجداری مقدمات و تنازعات میں کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا۔ جہاں تک مقدمہ بازی میں ملوث مختلف قومیتوں سے تعلق رکھنے والی پارٹیوں کا معاملہ ہے اس بارے پہلے ہی وضاحت کی جا چکی ہے۔ تاہم مسلم قانون کی رو سے کسی غیر مسلم کو یہ مکمل اجازت ہوتی ہے کہ وہ اپنی متعلقہ عدالت کی بجائے اسلامی عدالت سے رجوع کرے بشرطیکہ دونوں فریق اس بات پر متفق ہوں۔ اس صورت میں اسلامی عدالت اسلامی قانون کا ہی اطلاقی کرے گی۔ تاہم مسلم عدالت کا مسلمان منج معاملہ کی نوعیت کے مطابق متعلقہ فریقین کی رضامندی سے غیر ملکی قانون یا ان کا ذاتی قانون بھی لاگو کر سکتا ہے۔ سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے یہ واضح ہے۔ ایک دفعہ بدکاری کے جرم میں ملوث دو یہودیوں کو ان کے ہم مذہب یہودی پکڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فیصلہ کے لیے لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو رات منگوا کر یہودیوں کے قانون کے مطابق ان کا فیصلہ فرما دیا۔ (بخاری) بریکسل تذکرہ اس امر کا حوالہ ضروری ہے کہ مسلم فقہاء نے اس

بات کو تسلیم کیا ہے کہ اگر کسی غیر ملک میں کسی غیر ملکی کے ہاتھوں کسی مسلمان کے ساتھ ظلم، زیادتی ہوئی ہے اور یہ کہ وہ مسلمان کسی مسمم ریاست کی رعایا میں شامل ہے اور ظلم و زیادتی کرنے والا غیر ملکی بعد ازاں اسی مسمم ریاست میں امن و سکون کے ساتھ پہنچ جاتا ہے تو اس پر اسلامی عدالت میں مقدمہ نہیں چل سکتا کیونکہ اسلامی عدالتیں اُس واقعے اور معاملے کو سننے کی مجاز نہیں ہیں جو ایسے علاقے میں وقوع ہوا ہے جو اُس کے دائرہ اختیار میں نہیں آتا۔ اس قانون کے حق میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید حضرت محمد العیاضیؒ نے سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کا حوالہ دیا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”اگر کوئی شخص کسی کو قتل کرنے یا جنسی بدکاری کرنے یا چوری کرنے کے بعد کسی دشمن ملک میں پناہ لے لیتا ہے اور وہاں سے حفظ امان لے کر واپس لوٹتا ہے تو اُسے عدالت کے کٹہرے میں لا کر انصاف کے تقاضے پورے کیے جائیں گے لیکن اُس نے قتل یا جنسی بدکاری یا چوری دشمن ملک میں کی ہے اور وہاں سے حفظ امان لے کر واپس لوٹا ہے تو اُسے اس کے کسی ایسے جرم کی مزا نہیں دی جائے گی جو اُس نے دشمن کے علاقے میں کیا ہے۔“ اس حدیث کو حضرت عطیہ ابن قیس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔ (بحوالہ سرخسی، ”شرح السیر الکبیر“)

﴿294﴾ اسلامی قانون سربراہ ریاست و مملکت کو کسی قسم کا استثناء نہیں دیتا۔ وہ بھی عدالت کے دائرہ اختیار میں اسی طرح آتا ہے جس طرح عوام آتے ہیں۔ اگر اسلامی ریاست و مملکت کے سربراہ کو اپنے ملک میں اس قسم (انسانی، طبقاتی امتیاز کی وجہ سے تحفظ) کی مراعات و رعایات حاصل نہیں تو ایسے حقوق کی توقع غیر ملکی حکمرانوں اور سفیروں کے حوالے سے بھی نہیں کی جانی چاہیے۔ انہیں مہمان کی حیثیت سے ان کی شانیاں شان تعلیم و تکریم دی جاتی ہے تاہم وہ قانون و انصاف سے بالاتر نہیں ہیں۔

﴿295﴾ سابقہ ادوار کے کئی واقعات اسلامی انصاف کے ایک اور مخصوص پہلو و اجاگر کرتے ہیں۔ معاہدات پر ایماندارانہ و منصفانہ عمل درآمد کی غرض سے یرغالیوں کا تبادلہ کیا جاتا تھا اور یہ واضح شرط رکھی جاتی تھی کہ اگر معاہداتی فریقین میں سے کسی فریق نے دوسرے فریق کے یرغالیوں کو قتل کر دیا تو دوسرا فریق بھی انتقام پہلے فریق کے یرغالیوں کو قتل کر دے گا۔ اس نوع کے واقعات خلیفہ معاویہؓ اور المنصورؒ کے ادوار میں ہوئے اور مسلم فقہاء نے متفقہ فیصلہ دیا کہ دشمنوں کے یرغالیوں کو قتل نہیں کیا جاسکتا کیونکہ دھوکہ دہی اور بدعہدی متعلقہ حکمرانوں کی جانب سے ہوئی ہے نہ کہ ان یرغالیوں کی طرف سے ہوئی ہے اور یہ کہ قرآن مجید، فرقان حمید باضابطہ نیابتی مزا اور کسی ایک کے جرم کے بدلے میں کسی دوسرے کے خلاف انتقامی کارروائی سے منع کرتا ہے۔

﴿296﴾ مسلم جنگی و عسکری قانون نرم، ہمدرد اور انسانیت نواز ہے۔ یہ شریک جنگ ملکوں یا قبیلوں اور انسانوں کے مابین امتیاز قائم کرتا ہے۔ یہ بچوں، نابالغوں، عورتوں، بوڑھوں، بیماروں اور راہبوں کے قتل سے منع





**ترجمہ** ”بے شک جو وہ ایمان لائے اور گھر چھوڑا اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں لڑے اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی وہ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ اور جو ایمان لائے اور گھر نہیں چھوڑا تمہیں ان کی دراشت سے کوئی تعلق نہیں یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں۔ اور اگر وہ دین کے معاملہ میں مدد چاہیں تو تمہیں ان کی مدد کرنا لازم ہے مگر ان لوگوں کے مقابلہ میں کہ ان میں اور تم میں عہد ہو اور جو تم کرتے ہو انہما سے دیکھتا ہے۔“

**نتیجہ:**

﴿299﴾ اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام رنگ و نسل اور فرقہ و ملک کے امتیاز کے بغیر ایک ایسی آفاقی و عالمی قومیت کے قیام کا خواہش مند ہے کہ جو تمام اقوام عالم کے مابین مکمل مساوات پر یقین رکھتی ہو۔ یہ مذہبی اعتقادات کے حوالے سے کسی قسم کے دباؤ اور زور، زبردستی کے بغیر محض ترغیب و دعوت کے ذریعے دوسرے کی رضا و منشاء کے ساتھ قبولیت (مشرف بہ اسلام) کا آرزو مند ہے۔ اسلام اس امر کو واضح کرتا ہے کہ ہر فرد رب ذوالجلال کے روبرو ذاتی طور پر جوابدہ ہے۔ اسلام میں حکومت ایک امتداد ہے، ایک بھروسہ ہے۔ ایک خدمت ہے جس میں تمام حکومتی عہدہ دار و کارکن عوام کے خادم ہیں۔ اسلام کے مطابق یہ ہر فرد کا فرض ہے کہ وہ اچھائی کو عام کرنے اور برائی کو ختم کرنے کے لیے مسلسل و متواتر کوشش و کاوش کرے اور یہ مالک روز جزا کی ذات پاک کے ہی ہے جو ہمارے اعمال و افعال اور ہماری نیتوں اور ارادوں کے مطابق فیصلے کرتی ہے۔



## اسلام کا عدالتی نظام

### مسلمانوں کا خصوصی کردار:

﴿300﴾ قانون کا وجود انسانی معاشرے میں قدیم ترین دور سے رہا ہے۔ اس میدان میں ہر نسل، ہر ملاتہ اور انسانوں کے ہر گروپ و گروہ نے اپنا اپنا کردار ادا کیا ہے تاہم مسلمانوں کا کردار ارفع و رفیع اور لائقِ توصیف و تحسین رہا ہے۔

### قانون کی سائنس:

﴿301﴾ قدامت کے اپنے اپنے مخصوص قوانین و ضوابط تھے تاہم وہ مجرد شکل میں قانون کی سائنس کے طور پر ممتاز و متمیز نہیں تھے۔ انہیں یہ روپ سب سے پہلے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ (150 تا 204 ہجری، 767 تا 820 عیسوی) نے دیا۔ ان سے پہلے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قانونی آراء پر ”کتاب البرائے“ تحریر کی جبکہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں محمد الشیبانی اور ابو یوسف دونوں نے قانون کے موضوع پر ”کتاب اصول الفقہ“ لکھیں مگر چونکہ یہ مذکورہ کتب ہم تک نہیں پہنچی ہیں اس لئے ہم ان کے مواد و متن بارے رائے نہیں دے سکتے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ”رسالہ“ کے عنوان سے جو اپنا مجموعہ تحریر ہم تک پہنچایا ہے اس میں انہوں نے قانون کی سائنس کو اصول الفقہ (”قانون کی جزیئیں“) کا نام دیا ہے اسی سے ہی انسانی کردار اور اعمال و انفعالات کے حوالے سے اصول و ضوابط کی شاخیں نکلتی ہیں۔ مسلمان ہمیشہ سے قانون کی اس سائنس کو اصول الفقہ کہتے رہے ہیں۔ یہ سائنس بیک وقت فلسفہ قانون، اصول و ضوابط کے فق و فاضل، قانون سازی کے قواعد کے ساتھ ساتھ قانونی قواعد و ضوابط کے مواد و متن کی وضاحت و تفسیر کے بحث و تعمیل کرتی ہے۔ قواعد و ضوابط کو اس شجر (قانونی سائنس) کی فروغ (شاخیں) کہا جاتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے قانونی سائنس کے مصنفین قانونی اصطلاحات کے انتخاب میں ان قرآنی آیات سے متاثر ہوئے ہوں۔

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ صَرَّبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً تَشْجُرُ طَيِّبَةً أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ۚ تُؤْتِي أَكْثَرَهَا كُلِّ حَيٍّ بِإِذْنِ رَبِّهَا ۚ وَيُضْرَبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥١﴾

**ترجمہ** ”کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کامیاب پاک کی ایک مثال بیان کی ہے۔ گویا وہ ایک پاک درخت ہے کہ جس کی جڑ مضبوط اور اس کی شاخ آسمان میں ہے۔ وہ اپنے رب کے حکم سے بروقت اپنا پھل لاتا ہے اور اللہ لوگوں کے واسطے مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ سمجھیں۔“

## نیتِ عمل:

**302** قانون کے بنیادی تصورات میں اعمال و افعال کے حوالے سے مقصد و نیت کو خصوصی اہمیت و فضیلت حاصل ہے۔ اس تصور کی بنیاد داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ، احمد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مبارکہ ہے کہ ”اعمال کا فیصلہ مقصد و نیت کی بنیاد پر ہوتا ہے“ مسم عدالتوں اور اسلامی ریویولوز نے کبھی بھی جرم بالا راہ اور جرم اتفاقیہ کو ایک ہی زمرے میں نہ رکھا ورنہ ہی ایک جیسا پرکھا۔

## تحریری آئین ریاست:

**303** یہ حقیقت قابل ذکر و فکر اور ولولہ انگیز و جوش آمیز ہے کہ رب وحدہ لا شریک نے داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم (جوان حوالے سے ’نئی‘ لقب تھے کیونکہ ان کا کوئی دنیاوی استاذ نہیں تھا بلکہ وہ خود معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ مترجم) پر اتاری گئی پہلی وحی میں قلم کو اپنی عزیت اور غیر معلوم چیزوں کو جاننے اور سیکھنے کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے اس کی توصیف کی ہے۔

اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

(سورۃ العلق، آیات: 3 تا 5)

**ترجمہ** ”پڑھیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب سب سے بڑھ کر کرم کرنے والا ہے جس نے قلم سے سکھایا۔ انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔“

جب پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے عوام کو ایک ایسی ریاستی تنظیم مرحمت فرمائی کہ جس کا اس سے پہلے کوئی وجود نہیں تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ریاست کے لئے ایک تحریری آئین ترتیب و تشکیل دیا۔ یہ پہلے محض ایک شہری ریاست تھی لیکن محض دس سال کے مختصر عرصہ میں (جبکہ اس کے بانی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے لمحات تھے) یہ ریاست نہ صرف مکمل جزیرہ نمائے عرب تک پھیل گئی بلکہ اس میں عراق اور فلسطین کے جنوبی علاقے بھی شامل تھے تاہم اگلے چند سال بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ایک طرف تو مسلم افواج حیران کن حد تک اندلس (سپین) تک پہنچ گئیں جبکہ دوسری طرف چینی ترکستان میں داخل ہو گئیں جبکہ ان دونوں کے درمیانی ممالک پر مسلمان پہلی ہی حکمرانی حاصل کر چکے تھے۔ معلم

کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تحریری آئین تیار کیا اس کی 52 دفعات ہیں۔ یہ دفعات حکم و رعایا کے حقوق و فرائض، قانون سرزی، انصاف کی تنظیم، دفاع کا انصرام، غیر مسلموں کے ساتھ سوک، باہمی بنیادوں پر معاشرتی و سماجی عنایت و در اس دور کی دوسری ضروریات بارے ہیں۔ یہ آئین 622 عیسوی یعنی 1 ہجری میں نافذ العمل ہوا۔

304 ﴿﴾ یہ نسل انسانی کی بدقسمتی ہے کہ اس میں جنگ ہمیشہ سے قاتل و قتل کے ساتھ جاری و ساری رہی ہے۔ جنگ کے اوقات و لحظات میں انتہائی منہ سب و موزوں رویہ اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جنگ میں شریک فریق کو نہ صرف اپنے ساتھ ملکہ اپنے دشمن کے ساتھ بھی انصاف برتنا ہوتا ہے۔ چونکہ جنگ میں حقیقتاً زندگی اور موت کا سوال ہوتا ہے اس لئے اس میں انتہائی معمولی غلطی خطرناک و خوفناک نتائج پیدا کر سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ مطلق العنان حکمرانوں اور ریاستی سرداروں نے ہمیشہ اپنی مرضی و منشاء سے دشمن کے خلاف اقدامات کرنے کے فیصلہ کا اختیار اپنے پاس رکھا ہے۔ آزاد و خود مختار مطلق العنان حکمرانوں کے اس قسم کے رویہ سے متعلق سائنس زمانہ قدیم سے رہتی ہے اور تجربہ یہ بتاتا ہے کہ یہ سیاست اور مرضی و منشاء کا حصہ بنی ہے۔ مسلمانوں نے ہی سب سے پہلے اس عوامی بین الاقوامی قانون کی سائنس کو ریاستی حکمرانوں کی خواہشات اور من مانیوں سے عہدہ کر کے خالصتاً قانونی بنیادوں پر استوار کیا اور یہ مسلمان ہی ہیں جنہوں نے نہ صرف بین الاقوامی قانون پر قدیم ترین نادر و نایاب کام اخلاف (آنے والی نسلیں) کے لئے چھوڑا بلکہ اسے آزاد سائنس کے طور پر ترقی دی۔ اس موضوع پر مقالہ و رسالہ تحریر کرنے والی نامور و نمایاں شخصیات میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، حضرت امام مالک رحمہ اللہ، محترم الاوزانی رحمہ اللہ، محترم ابو یوسف رحمہ اللہ، محترم محمد الشیبانی رحمہ اللہ اور محترم اللواتی رحمہ اللہ وغیرہ شامل ہیں۔ ان سب نے اس موضوع و مضمون کو ”سیر“ کا عنوان دیا۔ جہاں تک قانون کے عمومی قواعد کا تعلق ہے تو اس شعبہ میں قدیم ترین کام حضرت زید ابن علی رحمہ اللہ (وفات 120 یا 122 ہجری) کا ہے۔ ان کے بعد آنے والے ہر مصنف نے بھی اپنا فعال کردار ادا کیا اور اسے ملکی قانون کا حصہ بنایا۔ اس سے ڈاک و ذرائع کو روکنے میں مدد ملی۔ مزید یہ کہ متوہب گروہوں کے حقوق و فرائض متعین ہونے کے ساتھ ساتھ وہ مسلم عدالتوں کے روبرو جوابدہ بھی بنے۔

## اسلامی قانونی ضوابط کی عمومی خصوصیات:

305 ﴿﴾ اسلامی قانون کی کتاب کے قریب کو جو بات سب سے پہلے متاثر و متوجہ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ قانون مادی اور روحانی دونوں میدان میں انسانی حیات مستعد و ناپائیدار کے تمام شعبوں کو منظم کرنے کا آرزو مند ہے۔ یہ قانونی کتابیں مطلق طور پر مذہبی عقیدہ کے مطابق عبادات و رسومات سے شروع ہوتی ہیں اور پھر حاکمیت کے آئینی پہلو پر بھی بحث کرتی ہیں کیونکہ سربراہ ریاست اپنے عہدہ کے حوالے سے مسجد میں امامت کے

فرانس بھی سرانجام دیتا ہے۔ یہ امر حیران کن نہیں ہے کہ قانون کی کتب کا یہ حصہ نیکسوں کی ادائیگی کے موضوع پر بھی بحث کرتا ہے کیونکہ قرآن نے کثرت و بیشتر نماز اور زکوٰۃ کا ایک ہی سانس میں ذکر کیا ہے اس لئے کہ نماز بدنی و جسمانی عبادت ہے جبکہ زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔ قانون کی کتاب ہمہ قسم کے معاہداتی تعلقات، جرائم و تعزیرات اور غیر ممالک کے ساتھ جنگ اور امن کی حالت میں قوانین (بین الاقوامی قانون اور سفارت کاری) کے ساتھ ساتھ وراثت و وصیت کے قواعد بھی بتاتی ہے۔ انسان بنیادی طور پر جسم اور روح دونوں کا مجموعہ ہے اور اگر حکومت وقت اپنے بے پناہ وسائل کے ساتھ عوام و رعایا کے صرف مادی معاملات پر غیر معمولی توجہ دیتی ہے تو اس سے روح ناقہ زد ہو جائے گی اور وہ اپنے ذاتی مسائل تک محدود ہو کر رہ جائے گی اور یوں وہ دنیاوی و زمینی معاملات کے لئے دستیاب وسائل کے مقابلے میں کمزور و رہبر لغو ہو جائے گی۔ جسم اور روح کی غیر مساوی انفرانکس و پرداخت سے انسان توازن و تناسب کی کمی کا شکار ہو جاتا ہے جس کے نتائج بالآخر تہذیب و تمدن کے لئے تباہ کن ہوتے ہیں۔ جسم اور روح دونوں کے علاج کا یہ مفہوم و مطلب ہرگز نہیں کہ معارف سے نا آشنا و نا بلند فرد مذہب کے میدان میں مہم جوئی شروع کر دے مثلاً ایک شاعر کو کبھی بھی یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ مثل جراحی کے ماہر کے طور پر آپریشن کرے کیونکہ انسانی مہارت و اہلیت کے ہر شعبہ کے اپنے ماہرین اور متخصص ہوتے ہیں۔

306 سلاوی قانون کا ایک ور پہلو یہ ہے کہ یہ حقوق و فرائض کو ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہونے پر زور دیتا ہے۔ انسانوں کے نہ صرف آپس میں باہمی تعلقات بلکہ انسانوں کے اپنے خالق و مالک کے ساتھ تعلقات کی بنیاد بھی ایک ہی اصول پر قائم ہے۔ دین و مذہب اور عقیدہ و مسلک یہی ہے کہ انسان اپنے رب کی جانب سے عائد کیے گئے فرائض کی بجا آوری بحسن و خوبی کرے۔ فرائض کی ادائیگی کے بغیر محض ”انسانی حقوق“ کی بات سنا انہ ان کو لالچی و حریص حیوان کے برابر لانا ہے جیسا کہ ایک بھیڑ یا ایک شیطان۔

## فلسفہ قانون:

307 قدیم مسلم فقہاء، قوانین کو نیکی اور بدی کی دہری بنیاد پر استوار کرتے ہیں۔ ہر فرد کو چاہیے کہ وہ نیکی کرے اور برائی سے بچے۔ نیکی اور بدی بعض اوقات مطلق، واضح اور بدیہی قطعی ہوتی ہے جبکہ بعض اوقات یہ جزوی اور متناسب و متعلق ہوتی ہے یہ حقیقت اور امر و نہی کے حوالے سے تمام عدالتی اصول و ضوابط کو پانچ اقسام میں تقسیم کی جانب ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ پس ① بوجہ و اصل و وضع اور قطعی طور پر اچھا اور نیک ہے وہ مطلق فرض ہے اور ہر فرد پر لازم ہے کہ اس کی پیروی کرے ② ہر وہ بات (عمل) جو برائی کی نہت نیکی کے زمرے میں زیادہ آتی ہے اس پر عمل پیرا ہونے کی سفارش کی جاتی ہے اور اسے قاضی تو صیغ و تحسین قرار دیا جاتا ہے ③ وہ

باتیں (افعال و اعمال) جن میں نیکی اور بدی کا تناسب مساوی ہو یا جن میں نہ نیکی ہو نہ بدی ہو، انہیں فرد کی مرضی و فتنہ، پر چھوڑ دیا جاتا ہے کہ وہ چاہے تو اس پر عمل کرے اور چاہے تو انہیں چھوڑ دے اور حتیٰ کہ اپنے اس عمل کو مختلف اوقات میں تبدیل بھی کر لے۔ اصول و ضوابط کی یہ قسم قانون سے بے رخی و بے انتہائی کے مترادف ہے ④ وہ باتیں (افعال و اعمال) جو خالصتاً اور قطعی طور پر بُرائی کے زمرے میں آتی ہیں ان سے مکمل طور پر منع کیا گیا ہے ⑤ اور وہ باتیں (افعال و اعمال) جن میں نیکی کی نسبت بُرائی کا زیادہ احتمال ہے ان کی فہمائش و حوصلہ شکنی کی باقی ہے۔ اصول و ضوابط کی ان پانچ اقسام میں بنیادی تقسیم کی مزید ضمنی تقسیم انتہائی معمولی و درنازک فرق کے ساتھ بالکل اسی طرح کی جاسکتی ہے جس طرح قطب نما، شمال، جنوب، مشرق اور مغرب کی سمتیں بتانے کے ساتھ ساتھ اطراف کی معمولی سی تبدیلی بھی ظاہر کرتا ہے۔

308 ﴿﴾ نیکی اور بدی کی تعریف و تمیز کرنا ابھی باقی ہے۔ کلامِ انبی اور مسلمانوں کی متبرک و مقدس کتاب قرآن مجید نیکی اور بدی کے متعلق کئی مواقع پر بات کرتا ہے اور کہتا ہے کہ انسان کو ”معروف“ پر ضرور عمل کرنا چاہیے جبکہ ”منکر“ سے ضرور پناہ چاہیے ہر شخص ”معروف“ کا مفہوم و مطلب نیکی و اچھائی تسلیم کرتا ہے اور نیکی و اچھائی وہ ہے جسے ہر فرد ٹھوس وجہ و دلیل کے ساتھ نیکی و اچھائی ہی مانتا ہے چنانچہ اس کا حکم دیا جاتا ہے کہ اس پر عمل کرو جبکہ ”منکر“ وہ فعل و عمل ہے جسے ہر شخص روکرتا ہے۔ اسے قطعی طور پر اچھائی نہیں سمجھتا اور اسے بدی و بُرائی کے طور پر تسلیم کرتا ہے جس کی اس کے پاس ٹھوس و دلیل اور وجہ ہوتی ہے اس لئے اسے کرنے سے منع کیا جاتا ہے۔ اسلامی اخلاقیات کا ایک بہت بڑا حصہ اسی سے متعلق ہے اور ایسے معاملات و نکات نہ ہونے کے برابر ہیں کہ جن سے قرآن مجید نے منع کیا ہو مگر ان کے متعلق انسانی آراء میں اختلاف پایا جاتا ہو جیسا کہ لکھلی مشروبات یا جو اُنکر چکی بات یہ ہے کہ اسلامی قانون کا اصل مقصد ان معاملات میں بھی کسی سے پوشیدہ نہیں اور بالغ نظر اور پختہ ذہن رکھنے والا فرد ان کے متعلق سوچنا ضرور ہے۔ مثلاً یہ قانون ساز ادارے کی ذہانت و فطانت پر اعتماد کا سوال ہے کہ جس کی تمام دوسرے معاملات میں ہدایات و عالمی پذیرائی ملی ہے۔

## تقریرات:

309 ﴿﴾ نسلِ انسانی میں انتہائی مختلف مزاج کے افراد سے ہمارا رابطہ و واسطہ رہتا ہے۔ انہیں تین بڑی اقسام میں منقسم کیا جاسکتا ہے۔ اول وہ افراد جو اسد نیک اور اچھے ہوتے ہیں۔ ہمہ قسم کی بُرائی کی ترغیب و تحریص کے خلاف مزاحمت کرتے ہیں اور کوئی شخص انہیں بُرائی کی جانب مائل و جاکل اور مجبور نہیں کر سکتا۔ دوم وہ افراد جو سرتاپا بُرے ہوتے ہیں اور ہر ذریعہ و طریقہ استعمال کرتے ہوئے سخت ترین گمراہی کے باوجود بھی بُرائی کر گزرتے ہیں۔ سوم وہ افراد جو اس وقت تک موزوں و مناسب رویہ اختیار کرتے ہیں جب تک انہیں جوانی و انتظامی کارروائی کا خوف و خدشہ نہ رہتا ہے لیکن جیسے ہی انہیں اس امر کا کم و بیش امکان نظر آتا ہے

کہ وہ پکڑے نہیں جائیں گے تو وہ نہ انصاف اور زیادتی کا ارتکاب کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ بد قسمتی سے پہلی قسم کے افراد کی تعداد انہما کی قلیل ہوتی ہے۔ انہیں نہ تو کسی رہبر و رہنما کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ہی وہ تعزیرات کے نفاذ کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ اگلی دو اقسام کے لئے معاشرتی مفاد کی خاطر تعزیرات کی ضرورت پڑتی ہے۔ دوسروں کو نقصان پہنچانے کا مزاج یا تو بیماری ہو سکتی ہے یا غلط تعلیم و تربیت کی وجہ سے مجرمانہ حیوانیت ہو سکتی ہے یا کوئی اور وجہ ہو سکتی ہے۔ دوسری قسم کے افراد کی تعداد بھی خوش قسمتی سے زیادہ نہیں ہوتی اور ان افراد کی طرف سے پہنچنے والے ممکنہ نقصان کے سد باب کے لئے کوشش و کاوش ہی جانی چاہیے۔ افراد کی از حد کثیر تعداد کا تعلق تیسری یا درمیانی قسم سے ہوتا ہے۔ انہیں تعزیرات کی ضرورت ہوتی ہے لیکن کس قسم کی؟

﴿310﴾ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اگر سردار و سربراہ بذات خود بُرے ضمیر کا مالک ہو اور ممنوعہ افعال و اعمال کا ارتکاب کرتا ہو تو وہ ان اعمال و افعال کے متعلق دوسروں کی سرزنش و فہمائش کرنے کی کبھی جرأت و جسارت نہیں کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جز پر ضرب لگائی ہے اور بے گناہ دہلی اعلان کیا ہے کہ جو ہے وہ حکمران ہی کیوں نہ ہو اور چاہے وہ پیغمبر ہی کیوں نہ ہو کوئی بھی فرائض کی ادائیگی سے مستثنیٰ نہیں۔ داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں نے عمل کیا اس امر کا متقاضی ہے کہ سربراہ ریاست عدالت کے روبرو جوابدہی کے لئے پیش ہونے کی ہمت و حوصلہ رکھتا ہو۔ یہ اسلامی عدالتی روایت رہی ہے کہ غلطی کی صورت میں قاضیوں (ججوں) نے حکمرانوں کے خلاف فیصلہ دینے میں کبھی بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔

﴿311﴾ دوسری تہذیبوں کی طرح اسلامی مادی تعزیرات کی تفصیلات بیان کرنا بلا ضرورت ہے تاہم قانون و قواعد کے نفاذ، عوام کی محافظت و حفظ اور ملکی باشندوں کے مابین باہمی تعلقات میں امن و سکون کے قیام جیسی خدمات کی فراہمی کی خاطر عوام سے ملی تعاون حاصل کیا جاتا ہے اور اگر کوئی فرد ظلم و زیادتی اور تشدد و جبر کا شکار ہوتا ہے تو وہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا ہے اور پولیس کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ملزم کو مصنفین (ججز) کے روبرو پیش کرے کہ جن کے فیصلہ پر بالآخر عمل درآمد کیا جاتا ہے۔

﴿312﴾ بہتر معاشرے کا تصور پیش کرتے ہوئے داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجرم کے لئے ایک اور سزا کا اضافہ کیا ہے اور وہ ہے روحانی و اخروی سزا جو کہ مادی و دنیاوی سزا سے زیادہ مؤثر و مجرب ہے۔ انصاف کے تمام انتظامی تقاضوں کو برقرار رکھتے ہوئے اسلام نے اپنے چہرہ کاروں کو یہ ذہن نشین کرایا ہے کہ موت کے بعد لازماً دوبارہ زندہ کیا جانا ہے اور پھر روزِ محشر رب ذوالجلال ہی جزا و سزا کا فیصلہ سنائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مومن و مسلمان جب بھی اپنے فرائض کی بجا آوری جاری رکھتا ہے جب اسے یہ علم ہوتا ہے کہ ان احکامات پر عمل چیرا نہ ہونے کی صورت میں اسے کوئی دنیاوی سزا نہیں ملے گی نیز یہ کہ وہ ہمہ

تسم کے دنیوی لالچ کے وجود اور بدلہ و انتقام سے محفوظ ہونے کی ضمانت کے باوجود دوسروں کو نقصان پہنچانے سے رکارتا ہے۔

﴿313﴾ تین گنا تعزیر (1) حکمران و رمایا کے لئے مساوی قانون کا نفاذ (2) مادی تعزیر (3) روسانی تعزیر نے اسلامی قوانین پر عمل درآمد اور ہر فرد کے حقوق و فرائض کی عملداری و محافظت میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ اس میں ہر سزا دوسری سزا کی اثر آفرینی کو دو چند کرنے میں مدد دیتی ہے۔ یہ نظم تعزیرات اس نظام سے زیادہ مؤثر و کارگر ہے کہ جس میں محض ایک ہی تعزیر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

## قانون سازی:

﴿314﴾ اس حقیقت کو بہتر اور عمدہ طور پر سمجھنے کے لئے کہ رب قادر و قدیر سب سے بڑا اور اعلیٰ و ارفع قانون ساز ہے ہمیں اس موضوع کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لینا ہوگا۔

﴿315﴾ اسلام رب وحدہ لا شریک پر یقین رکھتا ہے۔ وہ رب جو نہ صرف خالق و مالک کائنات ہے بلکہ حی و قیوم بھی ہے اور اسی نے ہی اس کائنات کو قائم رکھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ مطلق و برتر اور ماورائے ادراک ہے۔ وہ انسانی خیال و تصور سے بالاتر ہے۔ وہ حاضر و ناظر، قدیر و قادر، منصف و عادل اور رحمن و رحیم ہے۔ اپنے کرم و التفات سے رب کریم و عظیم نے انسان کو عقل و دلیل کی نعمت سے نوازا اور انسانوں ہی میں سے منتخب کردہ رہبر و رہنما بھیجے جو رب دو جہاں کی ایسی ہدایات و احکامات کو لوگوں تک پہنچاتے تھے جو انسانی مشرہ کے لئے از حد مفید و کارآمد ہوتی تھیں۔ اس ذات پاک نے ماورائے ادراک ہونے کی بناء پر آسمانی قاصدوں کے ذریعے اپنے منتخب بندوں پر اپنے پیغامات نازل فرمائے۔

﴿316﴾ رب تعالیٰ کی ذات پاک کمال و اکس اور ازلی وابدی ہے جبکہ اس کے برعکس ازمان مستقل طور پر ارتقائی منازل میں ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی رائے نہیں بدلتا۔ خدا اپنے بندوں سے ان کو ودیعت کردہ مختلف انفرادی صلاحیتوں کے مطابق ہی تقاضا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قانون سازی کے حوالے سے بعض تفصیلات میں اختلاف پایا جاتا ہے جبکہ ہر کوئی یہی دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی بنیاد خدائی احکامات پر استوار ہے۔ جہاں تک دنیاوی قوانین کا تعلق ہے تازہ ترین قانون سابقہ تمام قوانین کو منسوخ کر کے ان کی جگہ لے لیتا ہے۔ یہی صورت حال نہائی احکامات کے حوالے سے بھی سچی اور درست ہے۔

﴿317﴾ مسلمانوں کے نزدیک قرآن مجید، عربی زبان کی ایک ایسی کتاب ہے جو رب قادر و قدیر کے ان احکامات پر مشتمل ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبیؐ خراثر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاران پر عمل کریں۔ معلم کائنات حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب علیم وخبیر کا پیغمبر ہونے کے ناتے قرآن پاک کے مقدس مواد و متن کی وضاحت کی اور مزید ہدایات بھی دیں جنہیں حدیث کی



شخص میں محفوظ کر لیا گیا۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات اور اسوۂ حسنہ بھی شامل ہے۔

﴿318﴾ یہ بات کسی شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ کسی اتھارٹی کی جانب سے نافذ کردہ قوانین یا قواعد و اتھارٹی منسوخ کر سکتی ہے یا اس سے بالاتر اتھارٹی کر سکتی ہے مگر اس سے کم تر اتھارٹی ایسا نہیں کر سکتی۔ پس ایک خدائی حکم کو صرف اور صرف بعد میں آنے والے خدائی حکم ہی سے منسوخ کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح امام کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات یا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود منسوخ کر سکتے ہیں یا رب خبیر و بصیر کی ذات پاک ایسا کر سکتی ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی پیروکار یا کوئی اور ایسا ہرگز نہیں کر سکتا لیکن اس نظریاتی پہلو کی یہ سختی اسلام میں عملی طور پر چکرا رہی جاتی ہے تاکہ انسان کو یہ اجازت دی جائے کہ وہ ہنگامی صورت حال اور حادثاتی حالات کی مجبوری کے تحت امر کا فی حد تک اپنے آپ کو ذوالحال لے۔

﴿318﴾ (الف) قوانین چاہے وہ خدائی ہی کیوں نہ ہوں یا انہیں خلیفہ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے جاری کیا ہو، سب کی ایک جیسی وسعت و اہمیت اور ایک جیسا دائرہ کار و اختیار نہیں ہوتا۔ ان میں سے کچھ لازمی فرائض ہوتے ہیں۔ کچھ کی محض سفارش کی جاتی ہے جبکہ کچھ کو لوگوں کی مرضی و منشاء پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ قوانین کے ذرائع اور منبع و ماخذ کا مطالعہ اس بات کی تصدیق و توثیق کرتا ہے کہ لازمی فرائض کی تعداد بہت کم ہے۔ سفارش کردہ احکامات کی تعداد ان سے زیادہ ہے جبکہ وہ معاملات کہ جن کے متعلق قانونی مواد و متن خاموش ہے ان کی تعداد بے شمار ہے۔

﴿318﴾ (ب) ایک کم تر اتھارٹی اگرچہ قانون کو تبدیل نہیں کر سکتی تاہم اس کی تشریح و توضیح کر سکتی ہے۔ اسلام میں تشریح و توضیح کرنے کی اہلیت و قابلیت پر کسی کی اجارہ داری کا تصور نہیں ہے۔ ہر وہ فرد جو موضوع و مضمون کا مطالعہ کر رہا ہے اس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس کی تشریح و توضیح کرے۔ ایک بیمار شخص کبھی بھی اپنی بیماری کے علاج کے لئے کسی شاعر سے مشورہ نہیں کرے گا چاہے اس شاعر نے نوبل انعام ہی کیوں نہ جیتا ہو۔ اسی طرح کوئی فرد مکان کی تعمیر کے لئے کسی سرجن کی بجائے کسی انجینئر سے مشورہ لے گا۔ بعینہ کسی فرد کو قانونی سوالات کے جوابات کے لئے لازماً قانون پڑھنا چاہیے اور اس مضمون میں اپنا علم کامل و اکمل کرنا چاہیے۔ متعلقہ پیشہ سے منسلک افراد کی بجائے کسی دوسرے سے رائے اور مشورہ لینا یونہی علی الاطلاق ہوگا۔ کسی ماہر و متخصص کی تشریح و توضیح حالات کے مطابق عمل پیرا ہونے کا امکان پیدا کرے گی چاہے وہ حکم الہی ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی آخر الزمان اور ختم المرسل ہونے سے اس تمام دنیا کو بالآخر فنا ہونے کے لئے چھوڑا ہے وراہ اس بات کا قطعی کوئی امکان نہیں ہے کہ خدائے واحد کی جانب سے نئی وحی یا نئے احکامات اُتریں گے جو تشریح و توضیح کے اختلاف کی صورت میں مسائل کا فیصلہ کریں گے۔ چونکہ تمام لوگ آج ہی انداز سے نہیں سوچتے اس لئے رائے کا اختلاف واضح طور پر لازمی امر ہے۔ یہ بات بھی لائق توجہ

ہے کہ تمام متصفین (حجج)، فقہاء یا دوسرے ماہرین قانون بہر حال انسان ہی میں اور اگر ان کی آراء کا تعلق میں باہمی اختلاف ہوتا ہے تو لوگ یقینی طور پر اس کی رائے پر عمل پیرا ہوں گے جو ان میں زیادہ دقیق اور معتبر و مستند ہو گا۔ عدالتی مقدمہ بڑی میں جج کے فیصلہ پر عمل درآمد کیا جاتا ہے جبکہ دوسرے معاملات میں ہر مکتبہ فکر کے پیروکار اپنے ہی فقہاء کو ترجیح دیتے ہیں۔

﴿318﴾ (ج) داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے ایک محرف واقعہ کا حوالہ ضروری ہے اسے محدثین کی کثیر تعداد نے بیان کیا ہے۔ یمن کے لئے نامزد اور مقرر کردہ قاضی حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا عہدہ سنبھالنے کے لئے جانے سے پہلے رخصت لینے کی خاطر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضری دی۔ اس ملاقات میں امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ ”آپ کس بنیاد پر قدمات کا فیصلہ کریں گے؟“ انہوں نے جواب دیا۔ ”اللہ کی کتاب قرآن مجید کے احکامات کے مطابق فیصلے کروں گا۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ ”اگر قرآن پاک میں اس بارے کوئی اصول ضابطہ نہ ملتا تو پھر کیا کریں گے؟“ انہوں نے جواب دیا۔ ”پھر میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے رجوع کروں گا۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا۔ ”اور اگر وہاں سے بھی کوئی اصول ضابطہ یا عمل نہ ملتا تو پھر کیا کریں گے؟“ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ علیہ نے کہا۔ ”ٹھیک ہے پھر میں اپنی ذاتی رائے کی روشنی میں فیصلہ کرنے کی کوشش کروں گا۔“ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس جواب سے بہت خوش ہوئے اور کسی قسم کی تنبیہ کی بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”حمد و ثناء ہے خدائے بزرگ و برتر کی اس نے اپنے نمائندہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے نمائندہ (حضرت معاذ ابن جبلؓ) کی ایسی رہبری و رہنمائی فرمائی کہ جس نے رب تعالیٰ کے نمائندہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو خوش کر دیا۔“ ایک امیر نادر اور فرض شناس صحابیؓ کی انفرادی و ذاتی رائے کی کوشش اور عقل سلیم کا استعمال نہ صرف قانونی ارتقاء کے ایک ذریعہ کی نشاندہی کرتا ہے بلکہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی و خوشنودی بھی حاصل کرتا ہے۔

﴿318﴾ (د) یہ اسرا قائل ذکر و مانق فکر ہے کہ کسی نئے مسئلہ پر قانون سازی کرتے ہوئے یا قرآن پاک کے مقدس و منزہ متن و مواد کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے یا اسلامی قانون کے کسی معاملے کے حوالے سے ارتقائی مرحلہ میں (چاہے اس کی بنیاد اجماع پر ہی کیوں نہ قائم ہو) یہ امکان ہمیشہ رہتا ہے کہ ایک قاضی کی طرف سے ایک عمل میں اپنائے گئے ایک ضابطہ کو بعد ازاں دوسرا قاضی اسی عمل میں دوسرے ضابطہ سے بدل دیتا ہے۔ یہ ایک فرد کی رائے کی دوسرے فرد کی رائے میں تبدیلی اور اتباع کی جگہ دوسرے اجماع کے لینے کا عمل ہے یاد رہے کہ یہ صرف قاضیوں، ججوں اور فقہاء کی آراء کا حوالہ ہے اور اس بات کا تعلق قرآن مجید یا مستند و معتبر حدیث سے قطعی نہیں ہے۔

﴿319﴾ تاریخ کے اوراق اس امر کے شاہد ہیں کہ ”قانون سازی“ کے اختیارات اسلام میں غیر مرکزی

جیدہ بحرِ غلاء کے پاس رہے ہیں جو کسی قسم کی حکومتی مداخلت سے مکمل طور پر آزاد تھے۔ اس نوع کی قانون سازی پر نہ تو روزمرہ کی سیاست اثر انداز ہوتی تھی اور نہ ہی وہ کسی خاص فرد کے ذاتی مقاصد کی تکمیل کرتی تھی چاہے وہ سربراہ ریاست ہی کیوں نہ ہو تمام مصنفین اور فقہاء وقاضی مسودی حیثیت اور مقام و مرتبہ کے مالک تھے اور ان میں سے ہر کوئی آزادانہ طور پر دوسرے پر تنقید کر سکتا تھا۔ یوں مسئلے کے تمام پہلو سامنے آنے کے امکانات پیدا ہو جاتے تھے۔ نتیجتاً فوری طور پر یا آنے والے وقتوں میں بہترین حل نکل آتا تھا۔

﴿320﴾ یہ حقیقت انظر من الشمس ہے کہ اسلام میں قانون سازی کا خدائی منبع و ماخذ است تمام تر تناسب میں سخت اور بے پلک پیش نہیں کرتا۔ سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ قانون کا خدائی منبع و ماخذ کا حوالہ اسلام کے پیروکاروں میں قانون کے متعلق جلال انگیز اور رعب آمیز خوف بیدار کرتا ہے۔ یوں وہ اس پر انتہائی احتیاط اور جانفشانی کے ساتھ عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں اس بات کا اضافہ کیا جاتا ہے کہ قدیم فقہاء نے متفقہ طور پر اعلان کیا ہے کہ ”جو کچھ مسلمان اچھا سمجھتے ہیں وہ رب تعالیٰ کی نگاہوں میں بھی اچھا ہوتا ہے۔“ سرحدی عیسائی نے اسے معلّم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث قرار دیا ہے جبکہ ابن حنبلؒ نے اسے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان بتایا ہے۔ اس قائل میں اجماع (متفقہ رائے) کو خدائی قبولیت حاصل ہوتی ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جو لوگوں کی نظروں میں قانون کی تعظیم و تکریم میں اضافہ کرتی ہے۔

## انصاف کا انتظام و انصرام:

﴿321﴾ قرآنی قانون سازی کا نمایاں پہلو یہ ہے کہ اس نے مختلف قومیتوں کو مدالیتی خود مختاری عطا کی ہے۔ ہر فرد پر قرآنی قانون کے نفاذ کی بجائے (اسام نہ صرف تسلیم کرتا ہے بلکہ حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے) ہر گروہ و گروپ مثلاً عیسائی، یہودی، مجوسی وغیرہ کے اپنے اپنے دیوانی اور فوجداری قوانین ہونا چاہئیں جو انسانی معاملات کی تمام شاخوں پر لاگو ہوں۔ اگر جھگڑے کے فریقین مختلف قومیتوں سے تعلق رکھتے ہوں تو پھر ایک غیر سرکاری بین الاقوامی قانون کے تحت فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اسلام ”حکمران“ قومیت کے اندر ہر شخص کو سمونے اور جذب کرنے کی بجائے اپنی تمام رعایا کے مفادات کی حفاظت کرتا ہے۔ (ملاحظہ کیجئے پیرا گراف 293)

﴿322﴾ جہاں تک مسلمانوں کے مابین انصاف کے انتظام و انصرام کا تعلق ہے تو اس کی سادگی سے قطع نظر ”گواہوں کی سچائی“ زیادہ قابل ذکر ہے۔ اس ضمن میں ہر عدالتی لڑبیٹوں کے دائرہ اختیار کے حلقہ میں ایک عوامی ریکارڈ کا محافظ خانہ تشکیل دیا جانا چاہیے جہاں پر اس ملاقات کے ہر فرد کے کردار اور عادات و اطوار بارے ریکارڈ محفوظ ہوتا ہے کہ جب بھی ضرورت پڑے تو علم ہو سکے کہ عدالت میں پیش ہونے والا گواہ قابل اعتبار ہے یا نہیں۔ صرف مخالف فریق پر یہ نہیں چھوڑنا چاہیے کہ وہ شہادت و گواہی کی قدر و قیمت کو کمزور کرے۔ قرآن پاک اس

حوالے سے واضح طور پر اعلان کرتا ہے کہ:

وَالَّذِينَ يَزُمُونَ الْمَغْلِبِينَ لَمْ يُبَايِعُوا بَعَثُوهَا فَاَجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ  
جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَ اُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ۝۴

(سورۃ النور، آیت: 4)

**ترجمہ** ”اور جو لوگ پاک و امن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں اور پھر چار گواہ نہیں لاتے تو انہیں 80 دڑے، رد اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو اور وہی لوگ نافرمان ہیں۔“

## قانون کا ماخذ و ترقی:

323: داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حیر و کاروں کو مذہبی عقائد کی تعلیم دی اور خصوصی طور پر عقیدہ جزا و سزا سے آگاہ و آشنا کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہر شعبہ ہائے حیات کے حوالے سے انفرادی و اجتماعی اور دنیاوی و روحانی قوانین اور قواعد و ضوابط سمجھائے۔ مزید یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی ریاست کی تخلیق کی جس کا پہلے کوئی تصور و وجود نہیں تھا اور پھر اس ریاست کا نظم و نسق بھی سنبھالا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے افواج کی تشکیل و ترتیب سرانجام دی اور پھر اس کی سربراہی اور سالاری بھی کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفارت کاری اور خارجہ تعلقات کا مربوط نظام ترتیب دیا۔ پھر اس کو کنٹرول بھی کیا اور اگر کوئی مقدمہ بازی ہوتی تھی تو یہ داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے جو اپنی ”رعایا“ کے مابین فیصلے فرماتے تھے۔ چنانچہ اسلامی قانون کے ماخذ کا مطالعہ کرنے کے لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رہائش پذیر تاجروں اور قافلہ سالاروں کے آئے خاندان میں پیدا ہوئے۔ اپنی جوانی کے ایام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن، عمان اور فلسطین کے تجارتی قبیلوں اور منڈیوں میں شرکت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم وطن شہری تجارتی مقاصد کے تحت عراق، مصر اور حبشہ بھی جایا کرتے تھے۔ جب داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تبلیغی زندگی کا آغاز کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم وطنوں کے پُر تشدد رد عمل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جلا وطنی پر مجبور کیا اور یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر لی جہاں کے باشندوں کا بنیادی ذریعہ آمدنی زراعت تھا۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاستی زندگی کو منظم کیا۔ پہلے شہری ریاست کی تشکیل کی جو بتدریج ترقی کرتے ہوئے ایک مکمل ریاست کی شکل اختیار کر گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے محات میں یہ ریاست مکمل جزیرہ نمائے عرب، جنوبی عراق کے کچھ علاقوں اور فلسطین پر محیط و مشتمل تھی۔ عرب سے چین الاقوامی قافلے و کارواں گزرتے تھے۔ یہ حقیقت تاریخ کا حصہ ہے کہ سامانیوں اور بازنطینیوں نے عرب کے کچھ حصوں پر قبضہ کر کے انہیں نوآبادیات یا

محرم و مایوں کی شکل: ہے، یہی تھی۔ خاص طور پر مشرقی عرب کے تجارتی میلوں میں ہندوستان و چین کے ساتھ ساتھ ”مشرق و مغرب“ سے تاجر ہر سال پہنچتے تھے اور ان میں بحرِ پور حصہ لیتے تھے (بحوالہ ابنِ الکفعمی، المسعودی) عرب میں نہ صرف نانہ بدیش بدوی رہتے تھے بلکہ یہ افراد بھی رہائش پذیر تھے کہ جنہوں نے انتہیز اور ربہ جیسے شہروں کے قیام سے قبل یعنی جیسی تہذیبوں کو جنم دیا۔

324 اسلام نے آتے ہی ملک کے رسمی و رواجی قوانین کو ریاستی قوانین اور قواعد و ضوابط میں بدل دیا اور داعیِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت حکمران اپنے خصوصی اختیارات بروئے کار لاتے ہوئے نہ صرف قدیم رسومات میں ترامیم کیں بلکہ بالکل نئے قوانین بھی نافذ کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ پیغمبرِ خدا کا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قابلِ بیان و رائیاتی غیر معمولی عزت و احترام حاصل تھا۔ نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسنِ عمل بھی مسلمانوں کے لئے حیاتِ مستعار کے ہر شعبہ و میدان میں قانون کا درجہ و رتبہ رکھتا تھا۔ حتیٰ کہ وہ رسم و رواج جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زورِ عمل لایا گیا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مخالفت نہیں کی بلکہ خاموشی اختیار کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں نے اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے جائز سمجھا۔ قانون سازی کا یہ سہ پہلو ذریعہ و طریقہ (۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے ادا کردہ تمام الفاظِ جن کی بنیادِ خدائی الہام اور وحی پر ہوتی تھی (۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و اعمال (۳) اپنے پیروکاروں کے بعض اعمال اور رسومات و رواج کی خاموش رضامندی و منظوری (قرآن اور حدیث کی شکل میں ہمارے پاس محفوظ ہے۔ درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں ہی قواعد و ضوابط کا استخراج اور تشریح و وضاحتی ذریعہ و طریقہ بھی شروع ہو گیا تھا۔ یہ طریق کار سربراہِ ریاست کی بجائے فقہاءِ کرام اس وقت استعمال کرتے تھے جب قانون خاموش ہوتا تھا۔ درحقیقت معلّم کا نجات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں (صوبائی انتظامی مراکز کا تو ذرا کہیں سیاستی کہ دار الحکومت میں) تاجر اور فقہی مشیر ہوتے تھے ہم حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب بطورِ راجع (قاضی) روانہ کرتے وقت یہی گئی ہدایات کا پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں۔ بعض ایسے معاملات بھی ہوتے تھے جب صوبائی حکومتیں ہدایات کے لئے مرکزی حکومت سے استاء کرتی تھیں جبکہ بعض اوقات اعلیٰ انتہاری کے علم میں اگر کسی غلطی انتہاری کے غلط فیصلے کی اطلاع آتی تھی تو وہ از خود مداخلت کرتی تھی۔ قدیم رسومات اور رواجوں کی تبدیلی یا ترمیم یا کسی ملکی قانون کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کو عمل رفتہ رفتہ اور درجہ بہ درجہ ہوتا رہتا تھا کیونکہ ججز صرف انہی معاملات میں مداخلت کیا کرتے تھے جو ان کے علم میں لائے جاتے تھے۔ وہ معاملات جو ججز کے علم میں نہ لائے گئے اور جنہیں فریقین نے قانون سے لاعلمی کی بنیاد پر اپنی سہولت کے مطابق سرانجام دیا لازمی طور پر بے شمار اور لا تعداد ہوتے ہوں گے۔ مثلاً ایک مسلمان نے اپنی بیوی کو بیعتِ یمن سے شادی کر لی اور جب یہ معاملہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم میں لایا گیا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے متعلقہ شخص سے وضاحت طلب کی تو اس نے

جواب دیا کہ اسے یہ قطعی علم نہیں تھا کہ یہ عمل ناجز اور ممنوع ہے۔ خلیفہ کراشمہ حضرت سمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں میں غلطی کی کرائی اور اس شخص کو حکم دیا کہ وہ اپنی بہن کے نقصان کا مانی مور پر ازالہ و تلافی کرے مگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے محرم سے ناجائز تعلقات کی بناء پر سزا نہیں دی۔

﴿325﴾ ائمی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے احکامات الہی کی آمد کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ یہ ایسا سلسلہ و ذریعہ تھا کہ جس سے ہمہ قسم کے قانون کا حکم دیا جاتا تھا یا قدیم رسم و رواج کو یا روایت و عمل کو منسوخ یا ترمیم کیا جاسکتا تھا۔ بعد ازاں مسلمانوں نے اسی قانون سازی پر اکتفا کیا جو کہ معلّم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی سے تشکیل و ترتیب دی ہوئی تھی۔ اور اس قانون سازی کے تحت دیئے گئے اختیارات کے مطابق اس میں ترقی کے ذرائع استعمال کیے۔ ”ترقی“ سے مراد یہ نہیں ہے کہ جو قوانین و قواعد و ضوابط داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضع کیے انہیں منسوخ کر دیا جائے۔ (عناذ اللہ) بلکہ قانون کی خاموشی کی صورت میں قانون کو جاننے کی کوشش و کاوش کرنا ہے۔

﴿326﴾ کلام الہی قرآن مجید، فرقان حمید کئی مواقع پر بعض معاملات میں کچھ پابندیاں لگانے کے بعد باقی سب کچھ جائز قرار دے دیتا ہے۔ پس وہ سب کچھ جو داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نافذ کردہ قوانین اور اصول و ضوابط کے خلاف نہیں جائز ہے اور وہ قانون بن جاتا ہے۔ غیر مما لک کے قوانین حتیٰ کہ رسومات نے اکثر و بیشتر مسلم فقہاء کے لئے خام مواد فراہم کیا ہے تاکہ جو قواعد و ضوابط اسلام کے موافق و مطابق نہیں انہیں ختم کر دیا جائے اور بقایا کو جائز قرار دے دیا جائے۔ یہ طریقہ دائمی و دائمی ہے۔

﴿327﴾ قرآن پاک کی ہدایت کی روشنی میں ایک اور ذریعہ و طریقہ شاید حیران کن ہے۔ وہ یہ کہ سربقہ پیغمبروں پر جو احکامات نازل کیے گئے وہ مسلمانوں کے لئے بھی جائز ہیں۔ قرآن مجید نے ان پیغمبروں میں سے بعض کے نام بھی لئے ہیں مثلاً ”حضرت یونس علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ.....“ درحقیقت ان کی رسائی اور دائرہ کار محض ان الہامات اور وحیوں کے نزول تک ہی محدود تھا کہ جن کا متبر و مستند ہونا ہمہ قسم کے شبّ و شبّہ سے بالاتر تھا جسے قرآن یا حدیث نے واضح طور پر تسلیم کیا ہے۔ اس ضمن میں قصاص اور بدلہ کا قانون مثلاً کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے جو کہ دراصل تورات میں یہودیوں کے لئے نافذ کیا گیا تھا تاہم یہ سابقہ بنیاد پر مسلمانوں پر بھی لاگو ہے۔

وَكُتِبَ عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنْ تَلْبَسَ بِاللَّغِيسِ وَالْعَيْنِ وَالْعَيْنِ وَالْأَنْفِ بِالْأَنْفِ  
وَالْأُذُنِ بِالْأُذُنِ وَالْبَشْرِ بِالْبَشْرِ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۖ لَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ  
لَهُ ۖ وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِهَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٥٥﴾

**ترجمہ** ”اور ہم نے ان (یہودیوں) پر اس کتاب (تورات) میں لکھا تھا کہ جان بدلے جان کے اور آنکھ بدلے آنکھ کے اور ناک بدلے ناک کے اور کان بدلے کان کے اور دانت بدلے دانت کے اور زخموں کا بدلہ ان کے برابر ہے۔ پھر جس نے معاف کر دیا تو وہ گناہ سے پاک ہو گیا اور جو کوئی اس کے موافق حکم نہ کرے جو اللہ نے اُتارا سو وہی لوگ ظالم ہیں۔“

**328** داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے محض چہرہ برس بعد مسلمان تین براعظموں ایشیا، افریقہ اور یورپ کے وسیع علاقوں پر حکومت کر رہے تھے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ساسانیوں کی حکمرانی (حکومتی مصولات کی وصولی) کو بہتر پایا تو انہیں عراق اور ایران کے صوبوں میں اپنی مملداری جاری رکھنے کا حکم دیا جبکہ بازنطینیوں کو ظالم اور غیر منصف پایا تو انہیں شام اور مصر سے تہہیں کر دیا۔ اسی طرح دوسرے صوبوں میں بھی تہدلیاں ہوئیں۔ تمام تر پہلی صدی ہجری قبولیت، استقامت اور قلب مامیت کی غمازی و عکاسی کرتی تھی۔ مصر سے دریافت ہونے والی کاغذی دستووزات مصری حکومت و حکمرانی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں۔ دوسری صدی ہجری کے آغاز کے قانونی قواعد و ضوابط ہمیں ملتے ہیں جو غیر سرکاری فقہاء نے مدون و مرتب کیے جن میں سے ایک فقیہ زید ابن علی ہیں جو 120 ہجری میں فوت ہوئے۔

**329** یمن کو قداماء اگر ”پڑمست عرب“ کہتے تھے تو ہادج نہیں کہتے تھے۔ قبل از مسیح کے قدیمی دور میں اس کے بہتر طبعی حالات، لاجواب ثقافت و تہذیب اور دولت کے ساتھ ساتھ طاقتور حکومت نے اسے عرب کے دوسرے علاقوں پر بے مثل و بے مثال فوقیت و فضیلت دے دی تھی۔ عیسائی دور کے آغاز پر چند یمنی قبائل ہجرت کر کے عراق پہنچے جہاں انہوں نے حیر و کی ایسی سلطنت کی بنیاد رکھی جو طلوغ اسلام تک قائم رہی اس دوران یمن پر یہودی حکمران ذونواس نے حکمرانی کی جبکہ حبشیوں کے زیر اثر عیسائی حکومت کے بعد ایرانی مجوسیوں نے اقتدار سنبھالا اور پھر انہوں نے حکمرانی اسلام کے حوالے کی۔ یمنی اس کے بعد دیگرے حکومتی تغیر و تہدل سے سخت پریشان ہو کر ایک بار پھر امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ہجرت کر کے عراق جا بسے۔ اب انہوں نے خاص طور پر کوفہ کے ایک حصہ میں رہ کر کس اختیار کی جو قدیم شہر حیرہ کے قریب ہی نیا ٹاؤن بنایا گیا تھا۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشہور و معروف قاضی اور داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو وہاں پر ایک مدرسہ چلانے کی غرض سے بھیجا۔ اس مدرسہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے جانشین مانعہ النخالی، ابراہیم النخالی، حماد اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہم سبھی فضل ربانی سے بہرین قانون تھے۔ اس دوران حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی ساتھیوں میں سے ایک ساتھی اور عظیم قاضی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی حکومت و خلافت کی مسند کو مدینہ سے کوفہ منتقل کیا۔ یوں یہ ٹاؤن مسلسل غیر مداخلتی روایات کا مرکز بن گیا اور اس نے قانونی معاملات میں روز افزوں شہرت

حاصل کی۔

330

منصفین (حجۃ)، قاضیوں اور مفتہاء کو حکومتوں کی جانب سے کسی قسم کی مداخلت کے بغیر آراء کے اظہار میں مکمل آزادی دینے کی وجہ سے قانون کی سائنس نے از حد ترقی کی تاہم اسے چند مشکلات و مسائل کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ ایک تجربہ کار اعلیٰ سرکاری انتظامی عہدار نے دو مری صدی ہجری کے آغاز میں تحریر کیا کہ اپنی ”کتاب الصحابہ“ میں اس امر کی شکایت کی ہے کہ اسلامی نظیری قانون (چاہے وہ تقریری ہو، حیثیت عرفی کا ہو یا کوئی اور ہد) کے حوالے سے خاص طور پر بصرہ اور کونہ کے فقہاء کی بہت زیادہ تعداد میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس نے خلیفہ کو تجویز و مشورہ دیا ہے کہ عدالتوں کے فیصلوں پر نظر ثانی کی خاطر ایک عدالت علیا جیسا ادارہ وجود میں لایا جائے اور یہ کہ سلطنت کے تمام حصوں اور علاقوں میں بالکل ایک جیسا مساوی قانون نافذ کیا جائے۔ یہ تجویز لا حاصل ثابت ہوئی۔ اس کے بعد عصر ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قانون کی سائنس کی آزادی کے خلاف تھے اور وہ اسے ہر لحاظ بدلتی سیاست کے ہنگامہ و لپٹل سے محفوظ و مامون رکھنے چاہتے تھے چنانچہ انہوں نے عدالت علیا یعنی سپریم کونسل کی بجائے قانون کی اکیڈمی بنائی جس کے 40 ممبران تھے اور ہر ممبر قانون کی مددگار سائنس (مثلاً قرآن، حدیث، منطق، اخلاقیات وغیرہ) کا ماہر اور متخصص تھا۔ اس اکیڈمی نے اس دور کے نظیری قانون کی جانچ پرکھ اور قوانین کی تدوین کے ساتھ ساتھ اس امر کی ذمہ داری سنبھالی کہ اسلامی قانون کے مختلف نکات کے اس غلام کو پکڑ کرنے کی کوشش کی جائے کہ جہاں مواد و متن بھی خاموش ہے اور نظیری قانون نے بھی کسی قسم کی نظیر پیش کر کے کوئی رائے نہیں دی۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (وفات 150 ہجری) کے ایک سوانح نگار کے مطابق ”ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ لاکھ قواعد و ضوابط کے نفاذ کا اعلان کیا“ (بحوالہ الموفق) اسی دور میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ منورہ میں جبکہ الاوزعی نے شام میں اسی نوع کے کام کی ذمہ داری سنبھالی لیکن انہوں نے یکہ و تہا اپنے علم اور ذاتی ذرائع پر انحصار کیا۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن اور حدیث کو قانون کی اساس بنا کر دلیل و استدلال پر زور دیا جبکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات سے حرجین و منور شہر مدینہ کے رہائشیوں کے روزمرہ کو ترجیح دیتے ہوئے استخراج یا منطقی تشریح و توضیح کی۔

331

شافع محشر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے محض چند ماہ بعد قرآن مجید فرقان حمید کی ”اشاعت و طباعت“ ہوئی۔ داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کے ساتھ ساتھ اپنے صحابہ عظام رضی اللہ عنہم کے بعض اعمال پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموش منظوری و قبولیت کے مواد (حدیث) کی تدوین کا کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ ہی میں آجہ افراد نے ذمہ داری کے ساتھ شروع کر دیا تھا جبکہ بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کئی اور افراد بھی اس میں شامل ہو گئے۔ داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک لاکھ سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنے والی نسلوں (خلاف) کے لئے یادداشتیں



قابلِ قدر روایات کی شکل میں چھبڑی ہیں۔ جدید تحقیق کے مطابق پچاس سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں تحریر کیا جبکہ دوسروں نے زبانی کلامی انہیں بیان کیا۔ بہت اعلیٰ و ارفع قانونی قدر و قیمت کا یہ مواد ان تین براعظموں میں تقسیم کیا گیا جہاں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اور خلافت میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ آنے والی نسلوں (اخلاف) میں محققین نے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی انفرادی یادداشتوں کی بنیاد پر زیادہ جامع مقالے و رسائل ترتیب و تشکیل دیئے۔

332 نظیری قانون کی جانچ پرکھ اور حدیث کی تدوین ایک ہی وقت میں متوازی و مساوی طور پر مکمل ہوئی تاہم ایک نے دوسرے کو نظر انداز بھی کیا اور شکوک و شبہات بھی پیدا کیے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس سال پیدا ہوئے جس سال حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فوت ہوئے (150 ہجری)۔ فقہاء نے اپنے باہمی اختلافات یا مناظروں کے باعث حدیث کا دائر و کار زیادہ اختیار کیا جبکہ حدیث کے ماہرین و متخصصین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کے متعلق مواد کو جامع شکل دی تاکہ اس کی بنیاد پر کسی فقیہ کے ترسیل ذرائع کی جانچ پرکھ کے ساتھ ساتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کے سیاق و سباق اور اوقات کا تعین ممکن ہو اور یوں قانون کے استخراج کا مقصد حاصل کیا جاسکے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بیک وقت قانون اور حدیث دونوں میں مہارت اور تخصص حاصل کیا۔ یوں ان کی اعلیٰ و ارفع ذہانت و فطانت اور کوشش و کاوش سے دونوں شعبوں کے ملاپ و مرکب کا طریقہ و سلیقہ دریافت ہوا۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ عالمی تاریخ میں فدا و اول ہیں کہ جنہوں نے قانون کی مجرد و مطلق سائنس کو تخلیق کیا جو کہ ان قوانین سے مختلف ہے کہ جنہیں ملک میں نافذ قواعد و ضوابط سمجھا جاتا ہے۔

333 ایک اور بہت بڑے حلقہ درس، مکتبہ فکر اور فقہ قانون کی بنیاد حضرت امام جعفر الصادق رحمۃ اللہ علیہ نے رکھی۔ آپ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل میں سے تھے اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے۔ یہ قدرے سیاسی قسم کی وجوہات ہی تھیں کہ جن کی بناء پر اس مکتبہ فکر میں قانون وراثت کی ترقی ایک مخصوص انداز میں ہوئی۔ حضرت امام ابو حنیفہ، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی، حضرت امام جعفر الصادق اور کئی دوسرے فقہاء نے اپنا اپنا فقہ قانون چھوڑا ہے۔ ان حلقہ ہائے درس اور مکتبہ ہائے فکر کے پیروکاروں نے ہمارے دور میں اسلام میں فطری قومیتوں کو وجود دیا ہے تاہم ان کے باہمی اختلافات کا عموماً اور اثر فلسفیانہ مکتبہ ہائے فکر سے پھر بھی کم ہے۔ عسکریاں گزرنے کے بعد یہ ایک عمومی تجربہ کی بات ہے کہ شافعی فقہ کے پیروکار کچھ نکات و معاملات پر حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کرتے ہیں اور ایسی رائے رکھتے ہیں جو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ یا حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تھی جبکہ اس کے برعکس دوسرے ائمہ کرام کے حوالے سے بھی یہی صورت حال ہے۔

334 اسلامی "سلطنت" بہت جلد وسیع و عریض علاقوں تک پھیل گئی۔ ان علاقوں میں پہلے مختلف قسم کے

قانونی نظام رائج تھے جن میں ایرانی، چینی، ہندوستانی، بازنطینی، قوطی اور دوسرے شامل تھے جبکہ ان میں اولیس عربی مسلمانوں نے بھی مقامی طور پر اپنا کردار ادا کیا۔ یوں کسی وحدہ غیر ملکی قانونی نظام کو مسلم قانون پر اثر انداز ہونے کی اجازت داری کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ اسلامی فقہ کے بانیوں میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فارسی النسل تھے جبکہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ عربی تھے۔ سوانح نگار الذہبی کے مطابق الادراعی رحمۃ اللہ علیہ بیرونی طور پر سندھی تھے جبکہ آنے والے زمانوں میں تمام نسلوں سے تعلق رکھنے والے مسلم فقہاء ظہور میں آئے۔ یوں مسلم قانون کی ترقی و ترقی ایک ”بین الاقوامی“ مہم جوئی تھی جس میں مختلف مذہبی مکتبہ ہائے فکر سے تعلق رکھنے والے، مختلف زبانیں بولنے والے اور مختلف رسومات کی پیروی کرنے والے مسلم فقہاء نے حصہ لیا۔ ان میں عرب کے ساتھ ساتھ سین، پرنگال، سسلی، چین، حبشہ، ہندوستان، ایران، ترکی کے علاوہ اور کئی ممالک کے مسلمان شامل تھے۔

﴿335﴾ تمام ممالک میں یہ عجیب عمل دیکھنے میں آیا ہے کہ چند شدید وطن پرست اور آزادانہ خیال اور رائے سے محروم افراد ایک بزرگ استاد کی تعلیمات پر من و عن عمل کرنے کے لئے ہر قربانی دینے کے آرزو مند ہوتے ہیں جبکہ کچھ دوسرے افراد قربانی کی مہم جوئی کرتے نظر آتے ہیں لیکن سنہری اصول اور طریقے ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ اس س کسٹری کے بغیر کوئی بھی فرد جو ضروری معلومات کا حاسن ہو اور مومن ہا عمل بھی ہو تو وہ عملی توضیح و تشریح کی تلاش میں کبھی بھی مشکل کو سامنا نہیں کرے گا حتیٰ کہ وہ مناسب جواز اور دلیل کے ساتھ قدامت کی آراء میں ترمیم کرے گا۔ ایک عظیم فقیہ کس قدر وثوق اور اعتماد کے ساتھ ہمیں بتاتا ہے کہ نہ صرف ذاتی آراء بلکہ قدیم اجماع و بھی جدید اجتماع سے تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

نتیجہ:

﴿336﴾ مسلم قانون ایک ریاست اور حکمران قومیت کے قانون کے طور پر شروع ہوا۔ یوں اس نے حکمران قومیت (جبکہ مسلم حکومت کا جنم بحر اوقیانوس سے بحر الکاہل تک وسیع ہو چکا تھا) کے مقاصد کی تکمیل کی۔ اس میں موروثی اہلیت و صلاحیت تھی کہ یہ وقت اور علاقے کی صورت حال اور ہنگامی ضرورت کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنے ہوئے ترقی کر سکتا تھا۔ اس نے لمحہ موجود تک اپنی اثر آفرینی کو زائل نہیں ہونے دیا۔ درحقیقت اس نے نیکی اور اچھائی کے وسیلہ و واسطہ کے طور پر ان مسلم ممالک میں اپنی زیادہ سے زیادہ قبولیت و شناخت قائم کی ہے کہ جو پہلے غیر ملکی سیاسی اور فقہی غلبہ و تسلط کے زیر اثر تھے ورجملہ شعبہ ہائے حیات میں شریعہ کے دوبارہ نفاذ کے لئے کوشش و کاوش کر رہے تھے۔

## اسلام کا معاشی نظام

337) اسلام اپنے پیروں کا روں کے تمام ادوار اور سرگرمیوں میں روحانی کے ساتھ ساتھ مادی معاملات میں بھی رہبری و راہنمائی فراہم کرتا ہے۔ معاشیات سے متعلق بنیادی اسلامی تعلیمات کا ذکر قرآن پاک کی متعدد آیات میں کیا گیا ہے۔ مادی ترقی و خوشحالی بارے حقارت آمیز و نفرت انگیز رویہ اپنانے کی بجائے اسلام مال کو زندگی کے قیام کا ذریعہ سمجھتا ہے۔

وَلَا تُكُونُوا السَّفَهَاءَ ۚ هَؤُلَاءِ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَمًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ  
وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝

(سورۃ النساء، آیت: 5)

**ترجمہ** ”اور اپنے وہ مال جنہیں اللہ نے تمہاری زندگی کے قیام کا ذریعہ بنایا ہے نہ سمجھو کہ حوالہ نہ کرو البتہ انہیں مالوں سے کھلاتے اور پہنتے رہو اور انہیں نصیحت کی بات کہتے رہو۔“

قرآن پاک میں مزید علم نازل ہوتا ہے کہ:

وَابْتَغِ فِيهَا أَثَرَ اللَّهِ وَالْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِن كَمَا  
أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۖ وَلَا تَبْغِ الْفُسَادَ فِي الْأَرْضِ فَضْلًا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ۝  
(سورۃ انفص، آیت: 77)

**ترجمہ** ”اور جو کچھ تجھے اللہ نے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر حاصل کر اور اپنا حصہ دنیا میں سے نہ بھول اور بھلائی کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے اور ملک میں فساد کا خواباں نہ ہو۔ بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

اسلام دُہری انسانی ترتیب و تشکیل پر زور دیتا ہے۔ یہ یاد دلاتے ہوئے کہ:

قَالَتِ النَّاسُ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَمِنْهُمْ  
مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝  
أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِمَّا كَسَبُوا ۚ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

(سورۃ البقرہ، آیت: 200 آخری حصہ تا 202)

**ترجمہ** ”بعض تو یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں دے۔ اور اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور بعض کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں بھی نیکی دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ان کی کمائی کا حصہ ملتا ہے اور اللہ جلد حساب پینے والا ہے۔“

رب قادر و قدیر اس بات کا واضح اعلان کرتا ہے کہ جو کچھ بھی زمین، سمندروں اور آسمانوں میں ہے وہ رب خالق و مالک کا تخلیق کردہ ہے جو اُس نے انسان کے فائدے کے لئے تخلیق کیا ہے۔ یا یہ کہ جو کچھ زمین اور آسمانوں میں ہے مثلاً سمندر، ستارے اور دوسری چیزیں ان سب کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے تابع کر دیا ہے۔ یہ انسان پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تخلیقات کو سمجھے و جانے اور مستقبل کو پیش نظر رکھ کر فطرتی و ہوش مندی سے کام لیتے ہوئے اُن سے فائدہ اٹھائے۔

﴿338﴾ قرآن پاک میں اسام کی معاشی پالیسی کی تشریح و وضاحت بڑی روشن و منور اصطلاحات کے ذریعہ پیش کی گئی ہے۔

مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَاللَّزْزِ وَالْيَتَامَىٰ  
وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۚ لَنْ لَا يَكُونُوا دُولًا تَبْكِيْنَ إِلَّا غَنِيًّا رَّحِمْلًا ۚ وَمَا آتَاكُمُ  
الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝  
(سورۃ الحشر، آیت: 7)

**ترجمہ** ”جو مال اللہ نے اپنے رسول کو گاؤں والوں سے دلایا سو وہ اللہ و رسول اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ وہ تمہارے دولت مندوں کے درمیان گردش نہ کرتا رہے اور جو کچھ تمہیں رسول دے اُسے لے لو اور جس سے منع کرے اس سے باز رہو اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔“

دولت و آسائش سے حوالے سے تمام انسانوں کے مساویانہ پہلو کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ یہ ایک خالص اور کسی آمیزش سے پاک اچھائی ہے چاہے یہ عمل کتنا ہی مثالی کیوں نہ ہو۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ تمام انسان ایک جیسی قدرتی و فطری لیاقت و قابلیت نہیں رکھتے اسی لئے اگر ایک شخص لوگوں کا ایک ایسا کردہ ترتیب و تشکیل دے جو کہ دولت و آسائش میں مکمل طور پر مساوی و برابر ہوں پھر بھی اُن میں سے فضول خرچ شخص جلد ہی مشکلات و مصائب میں گھر جائے گا اور اپنے سر تن کی قسمت و کچھ کر لالچ و حسد میں مبتلا ہو جائے گا۔ مزید یہ کہ نفسیاتی اور فلسفیانہ بنیادوں پر ایسا لگتا ہے کہ انسانی معاشرے کے وسیع تر مفاد کے لئے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ دولت حاصل کرنے کے درجات ہونے چاہئیں جو غریب ترین آدمی میں سخت محنت کرنے کی خواہش و تمنا اور

339 دولت کے حصول کی درجہ بندی ہی وہ بنیادی اصول ہے جس کی بنیاد پر اسلام نے اپنے معاشی نظام کی عمارت کھڑی کر رکھی ہے۔ اگر اسلام امیروں کی اقلیت کو برداشت و گوارا کرتا ہے تو وہ اُن پر بھاری فرائض و ذمہ داریاں بھی لا کر کرتا ہے۔ امیروں کو غریبوں کے فائدے کے لئے محصولات ادا کرنے پڑتے ہیں۔ اور انہیں ناجائز منافع کمانے کے غیر اخلاقی ذرائع اور دولت کی ذخیرہ اندوزی اور سود مرکب کے ذریعے دولت کے انبار لگانے سے باز رکھا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لئے اسلام کچھ احکامات و فرمودات کے ساتھ ساتھ امداد اور قربانی سے متعلق کچھ ہدایت بھی دیتا ہے اور امداد و قربانی کے بدلے میں دوسری دنیا کے روحانی انعام کا وعدہ بھی کرتا ہے۔ مزید یہ کہ ایک طرف اسلام دولت کی کم سے کم مقدار اور اس کی خواہش انگیز و متناسخ کثرت و فراوانی کے مابین ضروری و مازنی فرق و امتیاز پیدا کرتا ہے۔ اور دوسری طرف اُن دونوں احکامات و فرمودات کے مابین امتیاز کرتا ہے جن میں سے ایک قسم کے احکامات مادی منظوری دیتے ہیں۔ جب کہ دوسرے اس طرح کی اجازت نہیں دیتے لیکن اسلام صرف اور صرف عقیدہ و ایمان اور علم کے ذریعے ان احکامات سے متعلق خدشات کو دور کرتا ہے۔

340 سب سے پہلے ہم چند الفاظ کے ذریعے اسلامی معاشی نظام کے اخلاقی پہلو پر روشنی ڈالیں گے۔ کچھ تشریحات و توضیحات ہمیں اخلاقی پہلو کے نتائج و معانی کو بہتر طور پر سمجھنے کے قابل بنائیں گی۔ اسلام بڑی ہی جاندار و تائیدی اصطلاحات کا استعمال کرتے ہوئے اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ دوسروں سے امداد مانگنا ایک نفرت انگیز فعل ہے اور وہ زمشریہ فعل اللہ و ترک و تعالیٰ کے حضور شرمندگی و رسوائی کا باعث بنے گا۔ تاہم اس کے ساتھ ہی اسلام میں اُن لوگوں کی بہت زیادہ تعریف و توصیف بھی بیان کی گئی ہے جو کہ دوسروں کی مدد کرتے ہیں۔ درحقیقت انسانوں میں سب سے بہترین انسان وہ ہیں جو دوسروں کے لئے قربانی دیتے ہیں اور دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں اس طرح لالچ و طمع اور دولت کے بے جا ضیاع سے منع فرمایا گیا ہے۔ ایک روز داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی غوامی مقصد کے لئے کافی مقدار میں امداد و چندے کی ضرورت آن پڑی۔ ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور چندہ و امداد کچھ رقم کی پیشکش کی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے استفادہ پر اُن صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ”میں گھر پر اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت چھوڑ آیا ہوں۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن صحابی رضی اللہ عنہ کے ہر خلوص جذبہ و محبت کی تعریف کی۔ تاہم ایک اور موقع پر ایک اور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ سخت علیل تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی عبادت کو تشریف لے گئے تو انہوں نے حضور

صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: ”اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک دولت مند آدمی ہوں اور میں اپنا سب کچھ غریبوں و مفلسوں کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کرنا چاہتا ہوں۔“ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”نہیں، اس سے بہتر یہ ہے کہ تم اپنے عزیز واقارب کے لئے زندہ رہنے کے خود مختار ذرائع چھوڑو بجائے اس کے کہ وہ دوسروں پر انحصار کریں اور اُن کے آگے ہاتھ پھیلائے۔“ یہاں تک کہ وہ تباہی یا آجھی جائیداد وقف کرنے سے متعلق بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”یہ بہت زیادہ ہے۔“ جب جائیداد کا ایک تہائی حصہ چندے و امداد کے طور پر دینے کی تجویز پیش کی گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ٹھیک ہے، تیسرا حصہ بھی بہت ہے۔“ (بخاری)۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو بوسیدہ و پھٹا پرانا لباس زیب تن کیے دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استفسار پر اُن صحابی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ”اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مفلس نہیں ہوں۔ میں تو صرف اپنی دولت اپنے آپ پر خرچ کرنے کی بجائے غریبوں پر خرچ کرنے کو ترجیح دیتا ہوں۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”نہیں، اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر اپنی اُس عطا و فیاضی کے نشانات دیکھنا پسند کرتا ہے کہ جن سے اُس نے اپنے بندے کو سرفراز فرمایا ہوتا ہے۔“ (بخاری)۔ (ابوداؤد حبیب اللہ اور ترمذی حبیب اللہ)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہدایات و نصائح میں کوئی تضاد نہیں ہے ہر ہدایت کا ایک اپنا سیاق و سباق ہے اور ہر ایک کا تحقق مختلف انفرادی واقعات سے ہے۔ ہمیں یہ موقع فراہم کیا گیا ہے کہ ہم معاشرے کے دوسرے افراد پر لاگو ہونے والے چندے و امداد کی کم سے کم لازمی و ضروری مقررہ مقدار میں اپنی مرضی و نشتا اور عقل و فہم کے مطابق اضافے کا تعین کر سکتے ہیں۔

## وراثت:

﴿341﴾ وراثت سے متعلق دو حقوق ہیں ① ایک شخص کا اپنی دولت کو تقسیم کرنے کا انفرادی حق ② معاشرے کے ہر رکن کی دولت کی تقسیم سے متعلق اجتماعی حق۔ ان دونوں وراثتی حقوق کو ایک ساتھ قلمی و اطمینان بخش بنا پڑتا ہے۔ انفرادی مزاج و رویے بہت زیادہ مختلف ہوتے ہیں۔ بیرونی معاملات اور دوسرے حوادث زندگی بھی انسان کو ہر حوالے و ہر زاویے سے متاثر کر سکتے ہیں۔ لہذا انسان پر اجتماعی فائدے کے حصول کے لئے کوئی ایک خاص اصول لاگو کیا جانا ضروری و لازمی ہوتا ہے۔

﴿342﴾ پس اسلام نے اس سلسلے میں دو اقدامات اٹھائے ہیں ① ایک مرحوم شخص کی اشیاء کی اُس کے عزیز واقارب کے درمیان لازمی و ضروری تقسیم ② وصیتوں اور عہد ناموں کے ذریعے ترکہ و ورثہ چھوڑنے پر پابندی۔ قانونی ورثاء کو وصیت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ انہیں مرحوم شخص کی جائیداد میں سے شرعی قانون کے متعین کردہ حصوں کے مطابق ورثہ ملتا ہے۔ وصیت کی ضرورت صرف اُن لوگوں کو ہوتی ہے جو مرحوم شخص کی جائیداد میں ورثے کا حق نہیں رکھتے۔

343

ایک ہی والدین کے بچوں میں مساوات و برابری ہوتی ہے اور ایک شخص اپنے ایک بیٹے کو چاہے وہ عمر میں بڑا ہو یا چھوٹا دوسرے بیٹے کی نسبت وراثت میں زیادہ حصہ نہیں دے سکتا چاہے وہ حصہ کم ہو یا زیادہ۔ مرحوم شخص کی چھوٹی گلی جائیداد میں سے جو پہلا خرچ ہوتا ہے وہ اُس کی تدفین کے اخراجات ہوتے ہیں پھر جو باقی بچ جاتا ہے اُس سے قرض خواہوں کے قرضے چکائے جاتے ہیں۔ قرض کی ادائیگی کو دارمیں کے حقوق پر سبقت حاصل ہے۔ تدفین کے اخراجات اور قرضوں کی ادائیگی کے بعد تیسرے نمبر پر مرحوم شخص کی وصیت پر شرعی مقدار اور عدد و قیود کو مد نظر رکھتے ہوئے عمل کیا جاتا ہے تاکہ وہ مرحوم کی بقیہ جائیداد کے تیسرے حصے سے تجاوز نہ کر جائے۔ ان تمام اولین و مقدم فرائض و ذمہ داریوں کی ادائیگی کے بعد ہی مرحوم شخص کی جائیداد کے قانونی و رتاء کی باری آتی ہے۔ شریک حیات (مرد و بیوا عورت) والدین، اولاد (بیٹے، بیٹیاں) وراثت کے اولین حقدار ہوتے ہیں اور انہیں ہر حالت میں وراثت میں حصہ ملتا ہے۔ مرحوم شخص کے بھائی، بہنیں اور دوسرے دور کے رشتہ دار صرف اور صرف قریبی رشتہ داروں کی عدم موجودگی کی صورت میں ہی وراثت کے حقدار ٹھہرتے ہیں۔ ان دور کے رشتہ داروں میں چچا، چچی، ماسوں، ممانی، چچا زاد بھائی و بہنیں، ماسوں زاد بھائی و بہنیں، بھانجے، بھانجیاں اور بھتیجے، بھتیجیاں وغیرہ شامل ہیں۔

344

تکنیکی و فنی تفصیلات میں جائے بغیر کچھ بنیادی اصول بیان کیے جاسکتے ہیں۔ ایک قاتل اپنے ہی ہاتھوں قتل ہونے والے شخص کی وراثت کے وارثوں میں سے خارج ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر عدالت یہ فیصلہ کرتی ہے کہ وہ نادانستہ حادثے کے باعث وقوع پذیر ہونے والی موت کا حاملہ تھا۔ اس خیال کو بیان کرنے کی بنیادی واصل وجہ وراثت کے جلد حصول کے لئے کسی امیر و دولت مند رشتہ دار کو قتل کرنے سے متعلق تمام تر نصیحت کو روکنا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مذاہب کے رشتہ داروں کے درمیان وراثت کی تقسیم سے منع فرمایا ہے۔ چاہے وہ دو مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے خاوند اور بیوی کے درمیان وراثت کی تقسیم ہی کیوں نہ ہو۔ تاہم اس بارے میں مختلف کے ذریعے امداد اور وصیت کا حق استعمال کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک مسلمان خاوند بستر مرگ پر بھی اپنی غیر مسلم بیوی کے نام اپنی جائیداد کا ایک حصہ وصیت کر سکتا ہے۔ قدیم مسلمان فقہائے کرام نے اپنے دور کے بین الاقوامی اور سیاسی حالات کے تناظر میں وراثت کی راہ میں ایک اور رکاوٹ کھڑی کر دی۔ یعنی اُن کے مطابق علاقے کا فرق یعنی سیاسی قومیت و شہریت وغیرہ بھی وراثت کی تقسیم میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ ریاستی معاہدوں کے ذریعے بین الاقوامی فوجی قانون کو باقاعدہ اور منظم کیا جاسکتا ہے۔

345

یہے ممالک جہاں حکومت کی طرف سے اسلامی قانون وراثت لاگو نہیں ہوتا لیکن قانون وصیت تسلیم کیا جاتا ہے وہاں کے مسلمان باشندے اپنی وفات کے بعد اپنی جائیداد کی وراثت سے متعلق اپنے مذہبی فرض کی ادائیگی کے لئے قانون وصیت سے لازمی طور پر فائدہ اٹھ سکتے ہیں۔

## وصیتیں:

﴿346﴾ ہم نے ابھی ذکر کیا کہ قرض خواہوں اور قانونی ورثاء کے علاوہ دوسرے افراد کے لئے وصیت کے ذریعے ترکہ و ورثہ چھوڑنے کا حق صرف اور صرف جائیداد کے تیسرے حصے کی حدود و قیود کے اندر ہی قابل عمل ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس اصول کا دہرا مقصد ہے یہاں کہ ایک فرد کو ان غیر معمولی حالات و واقعات میں چیزوں کو ان کے حالات و واقعات کے مطابق ڈھالنے کی اجازت دینا کہ جن میں عام اصول تکالیف و پریشانیوں کا باعث بنتا ہے۔ اور جائیداد کا تیسرا حصہ اس طرح کے تمام اخلاقی فرائض و ذمہ داریوں کو پاپہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ قانون وصیت کا دوسرا مقصد دولت کو صرف چند ہاتھوں میں ذخیرہ ہونے سے روکنا ہے۔ چند ہاتھوں میں دولت کی ذخیرہ اندوزی کا عمل تب وقوع پذیر ہوگا جب ایک شخص اپنے قریبی عزیزوں و ورثہ داروں کو اپنی تمام جائیداد سے کبھی طور پر بے دخل کر کے وہ تمام جائیداد ایک ہی شخص کے نام وصیت کر دے گا۔ خاندانی مفادات کو مد نظر رکھتے ہوئے سلام یہ خواہش و تمنہ کرتا ہے کہ دولت کی گردش کو زیادہ سے زیادہ لوگوں کے درمیان ممکن بنایا جائے۔

## سرکاری محصولات:

﴿347﴾ ہر فرد پر معاشرے اور ریاست جیسے بڑے خاندان کا رکن ہونے کی حیثیت سے بھی فرائض و ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ معاشی دائرے و حلقے میں ہر فرد محصولات ادا کرتا ہے جنہیں حکومت وقت اجتماعی فائدے کے لئے دوبارہ تقسیم کر دیتی ہے۔

﴿348﴾ آمدنی کے متعدد ذرائع کے مطابق محصولات کی شرح بھی مختلف ہوتی ہے۔ اور یہ بڑی الجھپ بات ہے کہ قرآن پاک ہو کہ مجتہد کے افراجات بارے بہت ہی مختصر و جامع ہدایات دیتا ہے اس میں ریاست کی آمدنی کے قوانین اور محصولات کی شرح بارے وضاحت سے بیان نہیں کیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فوراً بعد آنے والے خلفاء کے طرز عمل کو محتاط انداز میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جائے تو قرآن پاک کی اس خاموشی کی تشریح و توضیح اس طرح بیان کی جاسکتی ہے کہ اس طریقے سے حکومت وقت کو یہ آزادی دی گئی ہے کہ وہ حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے لوگوں کے مفاد کے لئے آمدنی کے قوانین میں رد و بدل کر سکے۔

﴿349﴾ زہدہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں کسانوں پر زرعی محصولات عائد کیے گئے تھے اور کسان اپنی فصل کا دسواں حصہ محصول کے طور پر ادا کرتے تھے بشرطیکہ فصل کی آمدنی محصول معاف کرنے کے لئے مقرر کی گئی کم سے کم تعداد و مقدار سے زیادہ ہو۔ اور اس کسان نے اپنی فصل کی آپاشی بارش یا چشمے کے پانی سے کی



ہو۔ اور فصل کی آپاشی کنوؤں کے ذریعے کرنے سے مقررہ محصولات کے نرخ آہستہ رہ جاتے تھے۔ تجارت اور کانوں سے ناجائز منافع کمائی کی صورت میں ایک شخص اپنے مال کی کل قیمت کا 2.5 فیصد محصول ادا کرتا تھا۔ جہاں تک غیر ملکی قافلہ برداروں پر عائد کیے گئے درآمدی محصولات کا تعلق ہے اس بارے ایک دلچسپ حقیقت ہے جسے واضح کرنا منعت بخش ثابت ہوگا۔ اور رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں ان غیر ملکی قافلہ برداروں پر محصول درآمد و برآمد کی حیثیت سے عشر لازم ہوتا تھا۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان غیر ملکیوں پر درآمدی محصول کو آدھا کر دیا (خاص طور پر کھانے پینے کی درآمدی اشیاء کی ان کچھ اقسام پر جو مدینہ منورہ میں درآمد کی جاتی تھیں)۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ جیسے مستند و معتبر صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی مالیاتی حکمت عملی کے ضروری و لازمی اصولوں پر روشنی ڈالی ہے۔ زمانہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں ان اونٹوں کے گلوں، بھیڑوں، بکریوں اور گائے بیل وغیرہ پر محصولات عائد تھے جو کہ حوامی چاگاہوں پر پلتے تھے اور جن کی تعداد محصولات سے مستثنیٰ قرار دیئے جانے کی کم سے کم مقررہ تعداد و مقدار سے زیادہ ہوتی تھی۔ خرید یہ کہ بوجھ اٹھانے والے، نجفی باڑی کے کوسا آنے والے اور آپاشی کے لئے استعمال ہونے والے جانوروں کو محصولات سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا تھا۔

﴿350﴾ سونے، چاندی اور بھیت پر اڑھائی فیصد محصول عائد ہوتا تھا۔ اس طرح لوگ اشیاء کی غیر ضروری ذخیرہ اندوزی سے باز رہتے تھے اور اپنی دولت میں اضافے کی غرض سے اسے استعمال میں لانے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

## ریاستی اخراجات:

﴿351﴾ اسلامی ریاست اخراجات کے میزانیہ کو باقہ عدو و منظم بنانے کے لئے قرآن پاک میں درج ذیل اصطلاحات کے ذریعے کچھ اصولوں بارے ہدایات دی گئی ہیں۔

اِنَّمَا الصَّدَقَتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالسَّكِينِ وَالْعَمِلِينَ عَلَيْهَا وَالسُّؤْلَةَ قُلُوبُهُمْ  
وَفِي الرِّقَابِ وَالْغُرْمَةِ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللّٰهِ  
وَإِنَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ①

(سورۃ التوبہ، آیت: 60)

**ترجمہ** ”زکوٰۃ مفلوسوں اور محتاجوں اور اس کا کام کرنے والوں کا حق ہے اور جن کی دلجوئی کرنی ہے اور غاموں کی گردن چھڑانے میں و قرض داروں کے قرض میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کو۔ یہ اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا ہے اور اللہ جاننے والا

ہے۔“

ریاستی اخراجات کی یہ آٹھ اقسام جو کہ عملی طور پر تمام اجتماعی ضروریات کا احاطہ کرتی ہیں ان آٹھ اقسام کے بالکل صحیح و درست دائرہ کار اور استعمال کو بہتر طور پر سمجھنے کے لئے وضاحت و توضیح کی ضرورت ہے۔

﴿352﴾ اسلامی شرعی اصطلاح ”صدقت“ جس کا ترجمہ ہم ”مسلمانوں پر عائد ہونے والے ریاستی محصول“ کی صہرت میں کرتے ہیں اور جو زکوٰۃ کے مترادف ہے۔ اس اصطلاح سے مراد زراعت، کانوں، تجارت، مصنوعات، عوامی چراگاہوں پر پلنے والے مختلف جانوروں کے گلوں، بچت اور اسی طرح کے دوسرے شعبہ جات پر عائد ہونے والے تمام وہ محصولات ہیں جو کہ مسلمان افراد اپنی حکومت و وقت کو عام مالات میں ادا کرتے ہیں۔ ان محصولات میں وہ عارضی و عبوری محصولات شامل نہیں ہیں جو غیر معمولی حالات میں عائد کیے جاتے ہیں جیسا کہ غیر مسلموں سے چاہے وہ ملکی ہوں یا غیر ملکی جزیہ، خراج اور شہدہ وغیرہ کے ذریعے وصول کی جانے والی آمدنی اور قرض غیر ضروری و غیر لازمی چندے و امداد وغیرہ۔ ابتدائی اسلامی فقہی ادب اور خاص طور پر احادیث مبارکہ میں اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں کوئی شک و شبہ تک نہیں چھوڑا کہ اصطلاح ”صدقت“ انہی معانی و مفہوم میں استعمال ہوتی تھی۔ ”صدقت“ سے مراد خیرات بالکل بھی نہیں ہے جو کہ نہ تو ضروری و لازمی ہو سکتی ہے اور نہ ہی جس کی مقدار اور ادائیگی کے وقت کا تعین کیا جاسکتا ہے۔ ”انفق فی سبیل اللہ“ خیرات کے مساوی و برابر ہے جس کے معنی ”اللہ کی راہ میں خرچ کرنا“ یا ”تلقوع“ یعنی رضا کارانہ امداد کے ہیں۔

﴿353﴾ ریاستی اخراجات کی پہلی دو اقسام ضرورت مند (فقراء) اور غریب (مساکین) جو کہ تقریباً مترادف اصطلاحات معلوم ہوتی ہیں ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل و وضاحت سے بیان نہیں فرمایا۔ تاہم اس بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ ابو یوسفؒ نے اپنی تالیف ”مدوین“ ”کتاب اخراج“ میں بیان کرتے ہیں کہ خلیفہ حضرت عمر فاروقؓ کے قول و فعل کے مطابق ”مسلمانوں کے ضرورت مند (فقراء) اور غریب (مساکین) لوگ تقریباً غریب غیر مسلم باشندوں کے مساوی و برابر ضرورت مند ہوتے ہیں۔“ عظیم فقیہ الشافعیؒ کے فکر و خیال کے مطابق ضرورت مند (فقراء) اور غریب (مساکین) دونوں بالکل مترادف اصطلاحات تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم ترین صفت فیاض و سخاوت کی بدولت انہیں دونوں سے پکارتا کہ بنی نوع انسان کو دیکھنا تاکہ پہنچے۔ الشافعیؒ کے مطابق قرآنی آیت میں بیان کی گئی آٹھ اقسام میں سے ہر ایک قسم کو اسلامی ریاستی آمدنی کا آٹھواں حصہ ملنا چاہیے۔ اسلامی ریاست کو ویسا بنانا چاہیے جیسا اُسے ہونا چاہیے۔ اسلامی ریاست کا پہلا فرض اس بات کا خیال رکھنا ہے کہ اسلامی سرزمین پر ملنے والا کوئی باشندہ کھانا، لباس، سرچھپانے کی جگہ وغیرہ جیسی بنیادی ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے۔

﴿354﴾ اگلی قسم کا تعلق ریاستی آمدنی و اخراجات کو کنٹرول کرنے والے اہلکاروں کی تنخواہوں سے ہے مثلاً محصول، محاسب، ناظم اخراجات اور حساب کتاب رکھنے والے پڑتائے وغیرہ۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم سے متعلق تمام انتظامیہ عوامی، فوجی اور سفارتی افراد پر مشتمل ہوتی ہے۔ کوئی بھی شخص ریاستی آمدنی سے مستفید

ہونے والوں کی اقسام کے بیان میں یہ حقیقت نوٹ کر سکتا ہے۔ مشہور مؤرخ البلاذری نے اپنی کتاب ”الانساب“ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے متعلق ایک ایسی دستاویز محفوظ کی ہے جس میں خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے شام میں مقرر کردہ گورنر سے تقاضا کرتے ہیں کہ ”ہمیں مدینہ منورہ میں ایک ایسا یونانی ماہر بھیجیں جو ہری آمدنی کے کھاتے کو منظم و مرتب کر سکے۔“ ہمیں واضح طور پر یہ بات دہوے و وثوق سے کہنے کے لئے کسی اور معتد و معتبر ذریعہ کی ضرورت نہیں ہے کہ غیر مسلم افراد نہ صرف اسلامی ریاست کی انتظامیہ میں ملازمین کے طور پر کام کر سکتے ہیں بلکہ وہ اُن صدقات سے بھی مستفید ہو سکتے ہیں جو کہ صرف اور صرف مسلمانوں پر لگے ہوئے۔

355 ریاستی اخراجات کی اُس قسم کو جس میں لوگوں کی دلجوئی و دلداری مقصود و مطلوب ہوتی ہے کو جدید اصطلاح ”معمنی و پوشیدہ امداد“ کے ذریعے بہت ہی آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے۔ عظیم فقیہ ابو یعلیٰ الفراء اپنی تالیف و تصنیف ”الاحکام السلطانیہ“ میں بیان کرتے ہیں کہ ”جہاں تک اُن لوگوں کا تعلق ہے جن کی دلجوئی و دلداری مطلوب ہوتی ہے اُن کی چار اقسام ہوتی ہیں ① وہ لوگ جو بوقتِ ضرورت مسلمانوں کی اعانت و معاونت کر سکیں ② وہ لوگ جو مسلمانوں کو ایذا پہنچانے سے اجتناب کریں ③ وہ لوگ جو دعوتِ اسلامی سے متاثر ہوں ④ وہ سردارانِ قبائل جن کے وسیلے سے اُن کے قبیلے کے لوگ اور ان کے خاندان شرف بہ اسلام ہو سکیں۔ ان تمام اقسام میں سے ہر ایک قسم کو فائدہ پہنچانا شرعاً جائز ہے چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر۔“

356 ہر شخص ہمیشہ ”گرونیس آزاد کرانے“ کی اصطلاح سے دو قسم کے ریاستی اخراجات مراد لیتا ہے۔ ① غلاموں کی آزادی ② دشمن کے پاس قیدی بنائے گئے جنگی قیدیوں کی رہائی۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَمَكَاتُهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا  
وَأَتَوْهُمْ مِنْ مَّالِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ

(سورۃ النور، آیت: 33 درمیانی حصہ)

**ترجمہ** ”اور تمہارے غلاموں میں سے جو لوگ مال دے کر آزادی کی تحریر چاہیں تو انہیں لکھ دو بشرطیکہ ان میں بہتری کے آثار پاؤ اور انہیں اللہ کے مال میں سے دو جو اُس نے تمہیں دیا ہے۔“

اسلامی قانون کے مطابق ہر غلام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مالک کو اپنی قیمت ادا کر کے اپنی آزادی خرید سکے۔ اور اپنی آزادی خریدنے کے لئے ضروری رقم کا بندوبست کرنے کے لئے غلام اپنے مالک کو مجبور کر سکتا ہے کہ وہ اسے کام کرنے کی سہولیات فرہم کرے۔ ورنہ آزادی خریدنے کے لئے ضروری رقم کمانے کے دوران غلام کا اپنے مالک کے پاس کام کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ مزید یہ کہ جیسا کہ ہم نے ابھی دیکھا یہ حکومت و وقت کے

فرانس میں شامل ہے کہ وہ ہر سال میزانیہ میں ایک خاص رقم مختص کرے جس سے غلاموں کی ان کی آزادی خریدنے میں مدد کی جائے۔ ابن سعد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور کی ایک دستاویز سے یہ بات پتہ چلتی ہے کہ اسلامی حکومت ضمانت کی ادائیگی کر کے غیر مسلم باشندوں کو بھی دشمن کی قید سے آزاد کر سکتی ہے۔

﴿357﴾ جن لوگوں پر ریاستی اخراجات کیے جاتے ہیں ان کی ایک قسم وہ ہے جو بھاری قرضے میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں۔ قدیم اسلامی طرز عمل اور روایات کے مطابق اس قسم کے ریاستی اخراجات کے طریقہ ہائے کار کا پورا ایک سلسلہ و نظام موجود ہے۔ ہر شخص ان لوگوں کی مدد کرتا ہے جو سیلاب و زلزلہ وغیرہ جیسی ناگہانی آفات و مصائب میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ان ریاستی اخراجات کا تعلق غریبوں سے نہیں ہے کہ جن کا ذکر آیت کے آغاز میں پہلے بھی آیا جا چکا ہے۔ بلکہ یہ ریاستی اخراجات ان لوگوں کی خوشحالی و بہبود کے لئے کیے جاتے ہیں جو اس دوران غیر معمولی حالات سے گزر رہے ہوتے ہیں جب ان کے اختیار و وسائل ان کی دسترس میں نہیں ہوتے۔ خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عوامی بیت المال میں ایک ایسے خاص شعبے کا آغاز کیا جو ان لوگوں کو کسی سود کے بغیر قرضے دیتا تھا جن کو عارضی و وقتی طور پر روپوں کی ضرورت ہوتی تھی اور جو قرض کی واپسی کے لئے ضروری و لازمی ضمانت بھی فراہم کرتے تھے۔ خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خود بھی اپنی ذاتی و نجی ضروریات کے تحت بیت المال کے اس خاص شعبے سے رجوع کیا تھا۔ بہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ اسلام اور سود کی ممانعت کے لازمو ملزم ہونے کی وجہ سے سود کے بغیر قرضے فراہم کرنے والے اس ادارے و شعبے کو قومی ملکیت میں دینا ضروری تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی وہ خلیفہ تھے جو بیت المال سے تاجروں کو مقررہ معیار کے لئے قرض دیتے تھے اور وہ بیت المال ان کے کاروبار کے منافع میں کچھ فیصد کا شریک ہوتا تھا اور بیت المال کی یہ شراکت داری نہ صرف ان تاجروں کے کاروبار میں منافع کی صورت میں ہوتی تھی بلکہ نقصان و گھماٹے کی صورت میں بھی برقرار رہتی تھی۔ اسی طرح کے ریاستی اخراجات کے استعمال کی آید اور قسم معاشرتی پیر تھا۔ اگر کوئی شخص اپنے ہاتھوں کسی دوسرے شخص کے نادانستہ و غیر رضا کارانہ قتل پر ندامت و پشیمانی کا اظہار کرتا اور وہ خود اس قابل نہ ہوتا کہ اپنے ذرائع سے قانونی طور پر مقرر کردہ خون بہاوا کر سکے تو اس صورت میں حکومت وقت ریاستی اخراجات کے میزانیہ میں معاشرتی پیر کے شعبے کے لئے مختص کردہ رقم کے ذریعے اس کی مدد کرتی۔ جیسا کہ داعی اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فحش سے ایسے متعدد واقعات ثابت ہوتے ہیں۔ ہم بعد میں تفصیل و وضاحت کے ساتھ دوبارہ اس موضوع کی طرف آئیں گے۔

﴿358﴾ اسلامی اصطلاح میں ”اللہ کی راہ میں“ جیسے الفاظ کا سب سے پہلا مطلب و مفہوم فوجی تحفظ و دفاع، فوجیوں کی ذات و فوجی ساز و سامان وغیرہ پر ریاستی اخراجات کرنے کا ہے۔ لیکن دراصل یہ اصطلاح تمام قسم کے امدادی کاموں و سرگرمیوں پر لاگو ہوتی ہے جن میں طالب علموں کی مدد کرنا، مذہبی مقاصد کے لئے

عطیات اور امداد دینا جیسا کہ مسجد کی تعمیر وغیرہ شامل ہیں۔

﴿359﴾ ریاستی اخراجات کی آخری قسم کا تعلق مواصلات اور سیاحوں کی آمد و رفت کے وسیع تر معنی و مفہوم سے ہے۔ جس میں سیاحوں کے لئے پلے، سڑکوں، ہوٹلوں اور ریسٹورانوں کی تعمیر، راستوں کی حفاظت (اس میں پولیس شامل ہے)، حفظانِ صحت کے اصولوں کے مطابق کھانے پینے کے انتظامات، سیاحوں کی نقل و حمل کے انتظامات کے ساتھ ساتھ ان کو ان کے سفر کے دوران ہمیشہ آرام و سکون کی فراہمی کے علاوہ دستیاب ذرائع کے مطابق بغیر کسی معاوضے کے ان کی مہمان نوازی شامل ہیں۔ بالخصوص طور پر اس قسم کی مہمان نوازی کی یقین دہانی کسی بھی جگہ پر تین دن قیام کے لئے کرائی جاتی ہے۔

﴿360﴾ ریاستی اخراجات ہمارے اس قرآنی ترتیب کی تعریف و ستائش اور عرصہ افزائی کرتے وقت ہر شخص کے لئے یہ یاد رکھنا ضروری و لازمی ہے کہ وہ چودہ سو سال پہلے یعنی ابتدائے اسلام کا زمانہ تھا اور مزید ایسا کچھ بھی نہیں ہے جس کا ریاستی اخراجات کی ان اقسام میں اضافہ کیا جاسکتا۔ ریاستی اخراجات کی یہ اقسام ہمارے زمانے کی ایسی ترقیاتی اور نفاذی ریاست کے لئے بھی قابلِ تمل و قابلِ تہلیل و کھائی دیتی ہیں جو اپنے باشندوں کی فلاح و بہبود میں خاطر خواہ دلچسپی لیتی ہو۔

## ہنگامی محصولات:

﴿361﴾ سبذات وہ ریاستی محصولات تھے جو صرف داعی اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے دور میں مسلمانوں پر لاگو تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے بعد کے زمانے میں غیر معمولی ضروریات کے مواقع پر فقہائے کرام نے اس شرعی امکان کو تسلیم کیا کہ ممکنہ ہنگامی صورت حال میں صرف اور صرف عارضی و وقتی بنیادوں پر اضافی محصولات لاگو کیے جاسکتے ہیں۔ اس طرح کے محصولات "نواصب" (ناگہانی آفات و آلام) کہلاتے ہیں۔

## معاشرتی بیمہ:

﴿362﴾ صرف ایسے افراد بھاری محصولات ادا کرتے ہیں جو کسی خطرے کے باعث اپنا معاشرتی بیمہ کراتے ہیں۔ اور معاشرتی بیمہ پر مائل ہونے والے یہ محصولات مختلف ادوار اور معاشرتی حالات و واقعات کے مطابق مختلف ہوتے ہیں۔ ظہور اسلام کے ابتدائی ایام میں عربوں میں روزہ مرہ کی عالت و بیماری ہمارے کسی قسم کی آگاہی نہیں پائی جاتی تھی۔ اور اسی لئے طبی تحفظ کی مد میں عملی طور پر کوئی اخراجات نہیں ہوتے تھے۔ اوسط طبقے سے تعلق رکھنے والا شخص اپنا گھر اپنے ہاتھوں سے تعمیر کرتا تھا اور تعمیر کے دوران استعمال ہونے والے عمارتی سرز و سامان کے زیادہ تر اخراجات بھی ادا نہیں کرتا تھا۔ لہذا یہ بات سمجھنا نہایت آسان ہے کہ اُس زمانے میں کسی بھی شخص کو بیماری

اور گھر کو آگ لگنے کے خطرے وغیرہ کے باعث معاشرتی بیمہ کرنے کی ضرورت کیوں نہیں پڑتی تھی۔ اس کے برخلاف اسیری و قید اور دھوکے سے قتل ہونے کے خطرے کے باعث معاشرتی بیمہ کرنا ایک حقیقی ضرورت تھی۔ زمانہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں اس نکتے پر پہلے ہی توجہ دی جا چکی تھی اور کچھ ایسے اصول وضع کیے گئے تھے جو اپنے اندر مزید بہتری اور حالات و واقعات کے مطابق ڈھلنے کی چلک و صلاحیت رکھتے تھے۔ پس ہجرت کے پہلے سال مدینہ منورہ کی شہری ریاست کے آئین میں اس معاشرتی بیمہ کو ”معتقل“ کا نام دیا گیا اور یہ معاشرتی بیمہ منفرد انداز میں کام کرتا تھا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص دشمن کے پاس جنگی قیدی بنالیا جاتا تو اس کی آزادی خریدنے کے لئے ضمانت کی رقم کی ادائیگی معاشرتی بیمہ سے کی جاتی۔ اسی طرح تمام اقسام کے جسمانی تشدد کے مجرموں کو تلافی و ازالہ کے لئے یا لائق تعزیر و مستوجب سزا قاتلوں کو خون بہا ادا کرنے کے لئے رقم کی ضرورت پڑتی تھی جو معاشرتی بیمہ سے ادا کی جاتی تھی۔ ضمانت یا خون بہا کی رقم اکثر ایک جنگی قیدی یا قاتل کے ذرائع آمدنی سے زیادہ ہوتی تھی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے باہمی تعاون کی بنیاد پر معاشرتی بیمہ کی تنظیم و ترتیب کی۔ ایک قبیلے کے ارکان اپنے قبیلے کے مرکزی خزانے پر انحصار و بھروسہ کر سکتے تھے جس میں قبیصے کا ہر رکن اپنے ذرائع آمدنی کے مطابق امداد و چندے کے ذریعے اپنا حصہ ڈالتا تھا اور اگر ایک قبیلے کے کسی شخص کو امداد کی ضرورت پڑتی اور اس قبیلے کے خزانے میں موجود رقم اس رکن کی امداد کے لئے ناکافی ہوتی تو دوسرے متعلقہ یا ہمسایہ قبائل پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ وہ متاثرہ قبیلے کی امداد و چندے کے ذریعے مدد کریں۔ لوگوں کو اجتماعی شکل میں منظم کرنے کے لئے نظام مراتب قائم کیا گیا۔ مدینہ منورہ میں انصاری قبائل بہت زیادہ جانے پہچانے جاتے تھے۔ مدینہ منورہ میں قیام پذیر کی مہاجرین میں سے کچھ حقیقت میں مکہ مکرمہ کے متعدد قبائل سے تعلق رکھتے تھے یا حبشی تھے یا مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے عرب باشندے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مہاجر بن کو حرم دیا کہ معاشرتی بیمہ کے مقاصد کے تحت انہیں مدینہ منورہ میں اپنے ایک نئے قبیلے کی بنیاد رکھنی چاہیے۔

﴿363﴾ بعد ازاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں چینیوں کی بنیاد پر معاشرتی بیمہ سے تعلق رکھنے والے افراد کی ترتیب و تنظیم کی گئی۔ چاہے ان افراد کا تعلق شہری یا فوجی انتظامیہ یا کسی بھی علاقے سے تھا۔ جب کبھی امداد کی ضرورت پڑتی تو مرکزی یا صوبائی حکومت لوگوں کی امداد و امانت کو پہنچ جاتی۔ جیسا کہ ہم نے ریاستی اخراجات ہمارے بارے بات کرتے ہوئے پہلے بھی بیان کیا ہے۔

﴿364﴾ معاشرتی بیمہ سے مراد ایک فرد کے مالی بوجھ کو کم کرنے کے لئے جس حد تک ممکن ہو سکے اس بوجھ کو بانٹنا و تقسیم کرنا ہے۔ اسلام نے وفاقی حکومت میں معاشرتی بیمہ کے سرمایہ دار اداروں کو ختم کرتے ہوئے ان کی بجائے فراڈ کی درجہ بندی کی مدد سے باہمی رشتہ اخوت و تعاون کی بنیاد پر معاشرتی بیمہ کی تنظیم و ترتیب کو ترجیح دی۔

﴿365﴾ معاشرتی بیمہ کا ایک ایسا گروہ جس کی بنیاد درجہ بندی پر رکھی گئی تھی وہ اپنے پاس موجود غیر استعمال شدہ امداد و چندے کی مدد سے تجارت سے منسلک ہو سکتا تھا تا کہ امداد و چندے میں اضافہ ہو سکے۔ ایک وقت ایہ بھی

آ سکتا ہے جب معاشرتی بیمہ کے گروہ کے ارکان کو مزید چند ہوا مدد دینے سے مستثنیٰ قرار دیا جاسکتا ہے اور وہ تجارتی منافع کے طور پر قوم بھی وصول کر سکتے ہیں۔ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ باہمی امداد کے یہ گروہ تمام اقسام کے خطرات جیسا کہ ٹریڈنگ سادغات، آگ اور سحر کے دوران کھربا نا وغیرہ کے بارے معاشرتی بیمہ کی یقین دہانی کرا سکتے ہیں۔ یہ کہنا بھی غلط نہیں ہوگا۔ معاشرتی بیمہ کا کاروبار قلم یا کچھ قسم کے خطرات کے لئے مثلاً عارضی مقاصد جیسا کہ پادریل بھیجے وغیرہ کے لئے قومی ملکیت میں دیا جاسکتا ہے۔

**366** تکنیکی تفصیلات میں جائے بغیر اس بات کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام ایسے سرمایہ دارانہ معاشرتی بیمہ کی اجازت نہیں دیتا کہ جس میں بیمہ کرانے والا شخص اپنی وی گئی امداد کے حساب سے بیمہ کرنے والے ادارہ کے نفع میں شریک نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس طرح کا معاشرتی بیمہ پانے کے کھیل کی متعدد اقسام میں سے ایک قسم پر مشتمل ہوتا ہے۔

**367** برسیل میں کردہ ہم خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے ایک اور معاشرتی ادارے کا ذکر کر سکتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ملک کے تمام باشندوں کے لئے وظیفے کا نظام قائم کیا۔ اور مشہور تصنیف و تالیف ”کتاب الاموال“ اور الجاحظی تالیف و تصنیف ”الرسالہ العثمانیہ“ کے مطابق غیر مسلم باشندے بھی ان وظیفوں سے مستفید و مستفیض ہونے والوں میں شامل تھے۔ جیسے ہی ایک بچہ پیدا ہوتا اسے وظیفے کی کچھ رقم ملنا شروع ہو جاتی۔ بالغوں کو وظیفے کی کم سے کم رقم مقرر ہو جاتی جو زندہ رہنے کے لئے ضروری و لازمی ہوتی۔ ابتداء میں خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وظیفہ خواروں کی مختلف اقسام کے درمیان کچھ حد تک فرق و امتیاز کے قانون قاعدے پر عمل کیا۔ مثلاً اگر وظیفے کی کم سے کم رقم ایک دینار ہوتی تو جو شخص وظیفے کا زیادہ مستحق و حقدار ہوتا اسے 40 دینار بطور وظیفہ ملے۔ تاہم اپنی حیات مستعار کے آخری ایام میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وظیفے کا نظام مکمل برابری کی بنیاد پر قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن وظیفے کے نظام میں یہ اصلاح کرنے سے پہلے ہی آپ رضی اللہ عنہ خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے وظیفے کے نظام میں جو اصلاحات کیں ان پر روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وظیفے کے اس اصلاح شدہ ادارے کو ”ویوان“ کا نام دیا۔ یہاں لگتا ہے کہ اس ادارے کی بنیاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی رکھ دی گئی تھی۔ اس عمل کی بنیاد یہ بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمیہ بن جازعؓ کو بنو المصطلق پر قبضے کے نتیجے میں حاصل ہونے والے بیت المال کے اُس پانچویں حصے کا انچارج مقرر فرمایا جو کہ حکومت وقت کو دیا جاتا تھا۔ دراصل حضرت حمیہ بن جازعؓ ہر غزوہ و سریہ میں حاصل ہونے والے بیت المال کے پانچویں حصے کو انچارج تھے۔ صدقہ جو کہ زکوٰۃ کے مترادف محصولات ہیں ان کا الگ نظام تھا اور صرف ان محصولات کی آمدنی و اخراجات کی تنظیم و ترتیب کے لئے الگ سے الگ مقرر تھے۔ دشمن سے امن و سکون کے ساتھ حاصل کی جانے والی آمدنی یعنی فئے کے لئے الگ سے الگ مقرر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ”صدقۃ“ قیصوں، بیماروں اور غریبوں پر خرچ کرتے تھے۔ اگر ایسے یتیم بچے سن بلوغت کو پہنچ جاتا اور فوجی

نوکری یعنی جہاد اُس پر فرض ہو جاتی تو اُس کا نام صدقت سے مستفید ہونے والوں کی فہرست سے فئے سے مستفید ہونے والوں کی فہرست میں نقش ہو جاتا تاہم اگر وہ جہاد کرنے سے انکار کر دیتا تو اسے صدقت سے مستفید ہونے والوں کی فہرست سے خارج کر دیا جاتا اور اسے حکم دیا جاتا کہ وہ اپنی روزی روٹی خود کمائے۔“ (بحوالہ سرخسی، ”شرح السیر الکبیر“)

## پانے کے کھیل:

﴿368﴾ قرآن پاک نے پانے کے کھیلوں سے باز رہنے کی تاکید کرتے ہوئے انہیں ”شیطان کا کام“ قرار دیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَفْئِدَةُ مَرْجَسٌ يَبْعَثُ فِيهِ الشَّيْطَانُ فَأَجْتَنِبُوا لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ ﴿٣٦٨﴾

(سورۃ المائدہ، آیت: 90)

**ترجمہ** ”اے ایمان والو! شراب اور بھڑ اور بت اور فال کے تیر سب شیطان کے

گندے کام ہیں سو ان سے بچتے رہو تا کہ تم نجات پاؤ۔“

اور ایسا قوی و معقول دلیل کے تحت کیا گیا ہے۔ یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ زیادہ تر معاشرتی برائیاں دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کے باعث جنم لیتی ہیں۔ کچھ افراد بہت زیادہ دولت مند بن جاتے ہیں جب کہ کچھ بہت زیادہ مفلسی کا شکار ہو جاتے ہیں اور نتیجتاً غریب و مفلس لوگ امیروں کی ناجائز منافع خوری کا نشانہ بنتے ہیں۔ پانے کے کھیلوں اور لالچیوں میں فوری اور آسان ذرائع آمدنی کی ترغیب پائی جاتی ہیں اور آسانی سے حاصل کی گئی دولت معاشرے کے لئے ہمیشہ نقصان کا باعث بنتی ہے۔ یہ فرض کرتے ہوئے کہ سٹریٹ دوڑ اور اسی طرح کی دوسری دوڑوں، نجی یا عوامی لالچیوں اور پانے کے دوسرے کھیلوں میں ایک ملک کے لوگ ہر ہفتے کئی لاکھ پاؤنڈ خرچ کرتے ہیں۔ اس طرح صرف دس سال کے قلیں عرصے میں سینکڑوں لاکھ پاؤنڈ کی رقم اس ملک کے بہت سے لوگوں سے جمع کی جائے گی اور اس رقم کو مضحکہ خیز طور پر گنتی کے چند لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے گا (جیسے کہ آج کل کے ممالک میں ہوتا ہے)۔ ایک فیصد سے بھی کم لوگ ننانوے فیصد لوگوں کے خرچے پر زندہ رہتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ایک فیصد لوگ صرف اپنے آپ کو دولت مند و مال مال کرنے کے لئے ننانوے فیصد لوگوں کو غربت و مفلسی کی آگ میں جھونک دیتے ہیں اور ایک شخص ننانوے فیصد لوگوں کو باقاعدہ طور پر بردار کرتے ہوئے ایک فیصد لوگوں کو کروڑ پتی بناتا ہے۔ پانے کے کھیل جن میں لالچیاں شامل ہیں چاہے وہ نجی و ذاتی سطح پر کھیلے جائیں یا قومی سطح پر، اُن کے ذریعے دولت کا چند ہاتھوں میں ارتکاز جیسی برائی، لوگوں کی وسیع تعداد پر اپنی پوری طاقت کے ساتھ اثر انداز ہوتی ہے لہذا اسلام میں پانے کے



کھیلوں اور لاریوں کی مکمل طور پر ممانعت کی گئی ہے۔ سرمایہ دارانہ بیمہ کی طرح پانے سے کھیلوں میں بھی یکطرفہ نقصان کا خطرہ و اندیشہ ہوتا ہے۔

## قرض پر سود:

﴿369﴾ دنیا میں شاید ایسا کوئی مذہب نہیں ہے جس نے بھاری سود سے منع نہ کیا ہو۔ اسلام کی اتنی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسلام نے نہ صرف سود کی شکل میں حاصل کیے گئے منافع سے منع فرمایا ہے بلکہ انسانی معاشرے میں سود جیسی برائی کو دہود میں لانے والی وبوہات کو ختم کرنے کے لئے حل بھی تجویز کیے ہیں۔

﴿370﴾ کوئی بھی شخص اپنی مرضی و منشاء سے اپنے قرض پر سود کی ادائیگی نہیں کرتا۔ وہ سود صرف اس لئے ادا کرتا ہے کیونکہ اسے روپوں کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ جانتا ہے کہ سود ادا کیے بغیر اسے قرض کی رقم نہیں مل سکتی۔

﴿371﴾ اسلام نے تجارتی منافع اور قرض پر سود کی شکل میں حاصل کیے گئے منافع میں ایک بہت ہی واضح فرق قائم کیا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

اَلَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ الرِّبَا لَا يَتَغَيَّرُ مَوْنٌ اِلَّا كَمَا يَتَغَيَّرُ الْمَرْءُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنْ الْمَسِّ ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّا اَتَيْنٰهُم مِّثْلَ الرِّبَا ۚ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا ۚ

(سورۃ البقرہ، آیت: 275 پہلا حصہ)

**ترجمہ** ”جو لوگ سود کھاتے ہیں قیامت کے دن وہ نہیں انھیں گے مگر جس طرح کہ وہ شخص المتا ہے جس کے حواس شیطان نے لپٹ کر کھود دیئے ہیں۔ یہ حالت ان کی اس لئے ہوئی کہ انہوں نے کہا تھا کہ سوداگری بھی تو ایسی ہی ہے جیسے سود لینا حالانکہ اللہ نے سوداگری کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔“

اور کچھ آگے چل کر مزید ارشاد ہوتا ہے کہ:

فَاِنْ لَّمْ تَقْعُدُوْا عَنْ رِّبَا الْحَرٰمِ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِٖ ۖ وَاِنْ تُبَيِّنْكُمْ فَلَکُمْ مَّرْغُوْلٌۭ ۚ اَمْۤ اَوْلٰی ۚ لَا تَقْظٰیۡوْنَ وَلَا تَقْضٰیۡوْنَ ۝

(سورۃ البقرہ، آیت 279)

**ترجمہ** ”اگر تم نے (سود) نہ چھوڑا تو اللہ اور رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے اور اگر تو بہ کر لو تو صل مال تمہارا تمہارے واسطے ہے نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔“

372 سود سے اس لئے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ ایک یکطرفہ نقصان کا باعث بنتا ہے۔ جب ایک شخص اپنی دولت میں اضافے کی غرض سے قرض لیتا ہے تو یہ ممکن ہے کہ حالات اس کے لئے اتنے موزوں و مناسب نہ ہوں کہ وہ اتنا منفعہ کما سکے کہ اُس سے سود کی لازمی رقم بھی ادا کر سکے۔ قرض دینے والا کسی بھی حوالے سے نقصان میں قرض دار کے ساتھ شریک نہیں ہوتا۔

373 یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک شخص کو دوسروں کو بڑے معاوضہ اور سود کے بغیر قرض دینے پر مجبور کر کے اُسے اس کے ردیوں سے محروم کر دیا جائے۔ ہم نے اس باب اشارہ کیا ہے کہ اسلام ریاستی اخراجات بھاری قرضوں میں ڈوبے ہوئے لوگوں پر بھی خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ لہذا بیت المال سود سے پاک قرضوں کا انتظام کرتا ہے اور محترم حضرات یا تنظیموں کی طرف سے پیش کش کیے گئے قرضوں میں اضافے کا بندوبست کرتا ہے تاکہ مستحق لوگوں کی مدد کی جاسکے۔ باہمی امداد اور تعاون سود سے پاک قرضوں میں اضافے کا ایک اصول ہے۔

374 تجارتی قرضوں کے لئے مضارب کا نظام بھی ہے جس میں ایک شخص رقم قرض دیتا ہے اور اُس قرض سے حاصل ہونے والے منافع کے ساتھ ساتھ نقصان میں بھی برابر کا شریک ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر دو لوگ مل کر ایک کمپنی بناتے ہیں اور دونوں اس کمپنی کو آدھا آدھا سرمایہ اور محنت کش افراد فراہم کر رہے ہوتے ہیں تو اس صورت میں منافع کی تقسیم میں مشکل پیش نہیں آتی تاہم اگر ایک شریک سرمایہ لگا تا ہے اور دوسرا محنت کش افراد فراہم کرتا ہے یا اگر دونوں سرمایہ فراہم کرتے ہیں اور صرف ایک شریک کام کرتا ہے یا دونوں شراکت داروں کا کٹیفی میں ایک جتنا حصہ نہیں ہے تو ان حالات و واقعات میں منافع کی تقسیم سے پہلے ابتداء میں طے کردہ شرائط و ضوابط کی بنیاد پر محنت کش افراد کے ایک معقول معاوضے کو ذہن میں رکھا جاتا ہے۔ ورنہ اس طرح منافع کی تقسیم اسن طور پر ہو جاتی ہے۔ یقیناً نقصان سے بچنے کے لئے تمام ممکنہ احتیاطی تدابیر عمل میں لائی جاتی ہیں۔ تاہم اسلام یہ قضا کرتا ہے کہ تمام معاہداتی شراکتوں میں دونوں معاہداتی فریقین کو نفع کے ساتھ ساتھ نقصان میں بھی برابر کا شریک ہونا چاہیے۔

375 جہاں تک بٹلوں کا تعلق ہے اُن کی سرگرمیاں بنیادی طور پر تین اقسام کی ہوتی ہیں۔ ① مختلف طریقے استعمال کر کے رقم ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنا ② کھاتہ داروں کو اُن کی رقم کی حفاظت کی یقین دہانی کرانا ③ منافع پر قرض دینا۔ وہ لوگ جو بینک کی خدمات سے استفادہ کرتے ہیں بینک کے اہلکاروں کے اخراجات وہی ادا کرتے ہیں۔ اسلام صرف اور صرف اس صورت میں بینکنگ کی اجازت دیتا ہے جب بینک اپنے قرض داروں کے نفع اور نقصان میں برابر کا شریک ہوتا ہے۔

376 اعتماد کے بل بوتے پر ہی اعتماد جنم لیتا ہے۔ حکومتی بچت بینک اگر کھاتے میں موجود رقم کے مطابق ممکنہ منافع بارے خاموشی اختیار کرنے کی بجائے سال کے شروع میں نہیں بلکہ آخر میں اس بات کا اعلان کرتے

ہیں کہ وہ اپنے کھتے داروں کو اتنے فیصد منافع ادا کر سکتے ہیں تو یہ عمل نہ صرف اسلام کے مطابق شرعی لحاظ سے صحیح و درست ہوگا بلکہ اس طرح عوام کو بھی حکومتی بجٹ بینکوں میں رقم جمع کرانے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوگی۔ کیونکہ ہر شخص کو عوامی نظامیہ پر اعتماد ہوتا ہے۔

﴿377﴾ آخر میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ نفع اور نقصان میں باہمی شراکت داری کے اصول کو تمام تجارتی معاہدوں میں استعمال کیا جانا چاہیے۔

## اعداد و شمار

﴿378﴾ کسی بھی شے بارے میں منصوبہ بندی سے پہلے دستیاب ذرائع کا اندازہ ہونا ضروری ہوتا ہے۔ البخاری کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان آبادی کی مردم شماری کا انتظام کیا۔ خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دو خلافت میں جانوروں، پھل دار درختوں اور دوسری مصنوعات کی تعداد و مقدار شماری کا انتظام کیا گیا۔ اور نئے مفتوحہ صوبوں کی زرخیز اراضی کا اندازہ بھی لگایا گیا۔ اپنی عوام کی بہبود و خوشحالی کے لئے بھرپور جوش و جذبہ رکھنے کی وجہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی یہ عادت تھی کہ سالانہ محصولات جمع ہو جانے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ مختلف صوبوں کے نمائندوں کو مدعو فرماتے تاکہ اس بات کا پتہ چلا سکیں کہ انہیں محصول وصول کرنے والوں کے پورے سال کے دوران اپنائے گئے روپے بارے میں کوئی شکایت تو نہیں ہے۔

## روزہ مرہ زندگی:

﴿379﴾ ہم خاصی اہمیت کی حامل دو ممنوعہ اشیاء پانے کے کھیل اور شراب بارے میں بیان کرتے ہوئے اسلام کے معاشی نظام بارے میں مختصر خاکے کا اختتام کر سکتے ہیں۔ درحقیقت پانے کے کھیل اور شراب ایک مسلمان کی روزمرہ زندگی کے امتیازی و خصوصی پہلو ہیں۔ ہمارے پاس پانے کے کھیلوں بارے میں بات کرنے کے لئے بہت سے مواقع موجود تھے۔ پانے کے کھیلوں پہ ایک شخص مسلسل ایک سال تک کوئی نفع حاصل کیے بغیر اپنا سر یہ خرچ کرتا ہے۔ اس طرح ان لوگوں کو کتنا نقصان ہوگا جو لوگ معاشی طور پر کمزور ہوتے ہیں۔ شراب نوشی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ تنہائی مقدار میں شراب کا استعمال ایک شخص کو اتنا نوش کر دیتا ہے کہ اُس کا شراب نوشی ترک کرنے کا راہ کمزور پڑ جاتا ہے اور جب ایک شخص شراب پیتا ہے تو وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہو جاتا ہے اور اس کا اپنی حرکات و سکنات پر قابو نہیں رہتا۔ اس طرح ایک شخص اس بات پر توجہ دے بغیر کہ اس کا پیسہ کہاں خرچ ہو رہا ہے اپنا پیسہ ضائع کر سکتا ہے۔ ان برائیوں سے جنم لینے والے مضر اثرات میں شراب نوشی سے پیدا ہونے والے غیر صحت بخش اثرات کا بھی انشانہ کیا جاسکتا ہے جو کہ بچوں اور اعلیٰ لیسوں میں بھی منتقل ہوتے ہیں۔ ایک قرآنی آیت میں اس بارے میں واضح طور پر توجہ دلائی گئی ہے

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْمِرِ ۚ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَصَافُةٌ لِلنَّاسِ لِذِكْرِهِمَا كَبِيرٌ  
مِنْ نَفْعِهِمَا

(سورۃ البقرہ، آیت: 219 پہلا حصہ)

**ترجمہ** ”آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں کہ وہ ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت بڑا ہے۔“

قرآن پاک اس بات سے انکار نہیں کرتا کہ الکحل کے استعمال کے کچھ فوائد بھی ہیں۔ تاہم قرآن پاک شراب نوشی و معاشرے، فرد اور یقیناً قانون ساز ادارے کے خلاف ایک گناہ و جرم قرار دیتا ہے۔ قرآن پاک میں مزید ارشاد ہوتا ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْمِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَذْنَانُ رِجْسٌ مِمَّنْ عَمِلَ  
الشَّيْطَانُ فَأَجْزِهِمْ يَوْمَ يُنْفَخُ الْأَعْيُنُ ۚ

(سورۃ المائدہ، آیت: 90)

**ترجمہ** ”اے ایمان والو! شراب اور جوئے اور بت اور فال کے تیر سب شیطان کے گندے کام ہیں۔ سو ان سے بچتے رہو تا کہ تم نجات پاؤ۔“

قرآن پاک شراب نوشی کو بت پرستی جیسے گناہ کے برابر پست ترین درجے پر لے آتا ہے۔ اور اسے شیطان کا کام قرار دیتا ہے اور قرآن پاک میں مزید ارشاد ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص دونوں دنیاؤں میں نوشیوں و مسرتوں کی خواہش و تمنا کرتا ہے تو اُسے چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو شراب و نشی اور پانے کے کھیلوں سے باز رکھے۔



## اسلام میں عورت کا مقام

﴿380﴾ جب اسلام میں عورت کے بنیادی و اصولی حقوق و فرائض کا محاسبہ و مشاہدہ کیا جائے تو یہ امر آغاز ہی میں واضح کر دینا از حد ضروری ہے کہ اسلامی قانون و ضابطہ کی اپنے آپ کو حالات و واقعات کے مطابق ڈھالنے کی وسعت و گنجائش کے باوجود عورت کی انتہا پسندانہ آزادی و کھینچنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی کہ جس سے وہ درحقیقت عملی طور پر معاشرتی و سماجی زندگی کے مختلف شعبوں میں سرمایہ دارانہ اور غیر سرمایہ دارانہ (کمیونسٹ) دونوں قسم کے مغرب میں لطف اندوز ہو رہی ہے۔ اسلام یہ تقاضا کرتا ہے کہ عورت کو ایک "حقول و مناسب وجود کے طور پر رہنا پائے۔ اسلام اس سے فرشتہ یا شیطان بننے کا تھمنا نہیں کرتا۔ اگر کوئی شخص اسلام میں عورت کے مقام کا موازنہ یا مقابلہ دوسری تہذیبوں یا قانونی نظام ہائے کار سے کرنا چاہتا ہے تو اسے صرف اکاؤنٹ کا قواعد کو نہیں بلکہ تمام تھنق و ذریعہ غور لانا چاہیے۔ جہاں تک اخلاقیات کے مختلف پیمانوں اور زاویوں کا تعلق ہے۔ اسلام درحقیقت موجودہ دور کے دوسرے نظام ہائے حیات کے مقابلے میں اس حوالے سے بے پلگ ہے اور یوں کسی طور بھی بے لگام آزادی کا قطعی قائل نہیں۔

## عام باتیں:

﴿381﴾ اسلامی روایات میں ماں کا درجہ و مرتبہ انتہائی اعلیٰ و ارفع ہے۔ داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرما دیا کہ "جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔" صحیح البخاری میں بیان ہے کہ کسی شخص نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ "وہ کون سا کام ہے جس سے اللہ تعالیٰ زیادہ خوش ہوتے ہیں؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ "وقت مقررہ پر عبادت کرنا" اور جب یہی سوال دہرایا گیا "اور اس کے بعد؟" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ "اپنی والدہ اور والد کے ساتھ تمہارا فیاض و فراخ دل ہونا۔" قرآن پاک بار بار اس طرف رجوع کرتا ہے اور آدمی کو یاد دلاتا ہے کہ وہ ہمیشہ اس حقیقت کو ضرور ذہن نشین رکھے کہ وہ اس کی ماں ہی تھی کہ جس نے اسے اپنے رحم میں اٹھائے رکھا۔ اس کے لئے تکالیف برداشت کیں اور جمعہ قسم کی قربانیاں دے کر اسے پروان چڑھایا۔

﴿382﴾ جہاں تک عورت کا بیوی کے روپ و رشتے کے حوالے سے تعلق ہے۔ معہم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور و معروف حدیث مبارکہ ہے کہ "تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنی بیوی کے

حق میں بہتر ہے۔“ جیتہ الوداع کے موقع پر اپنے یادگار آخری والوداعی خطاب و خطبے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے حقوق و فرائض بارے میں طویل ارشاد فرمایا جس میں خاص طور پر یہ احکامات دیئے گئے کہ:

”اے لوگو! درحقیقت تم پر تمہاری عورتوں کے حقوق ہیں اور اسی طرح تمہاری عورتوں پر تمہارے حقوق ہیں۔ جہاں تک ان پر تمہارے حقوق کا تعلق ہے تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستر پر تمہارے علاوہ کسی اور کو نہ بیٹھنے دیں اور جن لوگوں کو تم ناپسند کرتے ہو تمہاری اجازت کے بغیر انہیں تمہارے گھر داخل نہ ہونے دیں اور انہیں چاہیے کہ خبیثت والا کوئی کام نہ کریں اگر وہ ایسا کریں تو رب تعالیٰ نے تمہیں اجازت دی ہے کہ ان کی سرزنش کرو اور ان کے سونے کی جگہ اپنے سے الگ کر دو اور انہیں ہانکا مارو۔ پھر اگر وہ بز آ جائیں اور تمہاری بات مانیں تو انہیں معاشرتی رواج کے مطابق بہتر کھانا اور لباس مہیا کرو اور میں (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں حکم دیتا ہوں کہ عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ کیونکہ وہ تمہارے گھروں میں قیدیوں کی طرح ہیں جو اپنے لئے کچھ نہیں رکھتیں اور تم نے ان کو اللہ تعالیٰ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے اور اللہ کے کلمات کے ذریعے ان کو اپنے اوپر جو نزع و حلال کیا ہے۔ عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو اور میں (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں حکم دیتا ہوں کہ عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو و توجہ سے منو کہ کیا میں (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچا دیا؟ اے اللہ! گواہ رہنا۔“ (ابن ہشام)۔

383) اسلام میں عورت کا بیٹی کے رشتے کے حوالے سے مقام و مرتبہ کا صحیح طور پر انداز و قرآن پاک کے اس ملامت میز رویے کے ذریعے لگایا جاسکتا ہے جو اس نے زمانہ قبل از اسلام میں بیٹیوں کی پیدائش پر کفر کے رویے کے خلاف اپنایا ہے۔

وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْهَيْبَتِ سُبْحَانَهُ ۚ وَلَهُمْ مَا يَشْتَهُونَ ۝ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ  
 فَهَلْ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۝ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَبِهِ ۚ  
 أَيَسْكُنُ هَلِ عَلَىٰ خُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۚ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۝  
 (سورۃ اشل، آیات 57-59)

**ترجمہ** ”اور اللہ کے لئے تیاریاں ٹھہراتے ہیں۔ وہ اس سے پاک ہے اور اپنے لئے جو دل چاہتا ہے اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری دی جائے تو اس کا من سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غمگین ہوتا ہے۔ اس خوشخبری کے باعث لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے۔“ یا اسے ذلت قبول کر کے رہنے دے یا اس کو مٹی میں دفن کر دے۔ دیکھو کیا ہی بُرا فیصلہ کرتے ہیں۔“

قرآن پاک مسلسل و متواتر یہ بات یاد دلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزیں جوڑوں کی شکل میں پیدا کی ہیں اور افزائش نسل کے لئے دونوں اصناف کیساں ناگزیر ہیں۔ ہر ایک کا اپنا ایک خاص مقصد و فریضہ ہے۔ قرآن مجید،

فرقان میداں امر کا باضابطہ اعلان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

وَلَا تَتَّبِعُوا مَآ فَعَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ ۚ لَّيْسَ جَآلَ قَصِيْبٌ مِّمَّا كَتَبْنَا ۚ  
وَلَلْبَيِّنَاتِ قَصِيْبٌ مِّمَّا كَتَبْنَا ۚ وَرَأَوُا اللَّهَ بِفَضْلِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ  
شَيْءٍ عَٰنِيْنًا ﴿٣٢﴾

(سورۃ النساء، آیت: 32)

**ترجمہ** ”اور مت ہوں کرو اس فضیلت میں جو اللہ نے بعض کو بعض پر دی ہے۔  
مردوں کو اپنی کمائی سے حصہ ہے اور عورتوں کو اپنی کمائی سے حصہ ہے اور اللہ سے اس کا  
فضل مانگو۔ بے شک اللہ کو ہر چیز کا علم ہے۔“

384 دو متفرق و مختلف اصناف سے تعلق رکھنے والے مرد و عورت کے مابین مصروفیات، مشاغل اور  
فرائض منصبی کی ادائیگی کے علاوہ قدرت نے کسی بھی اور حوالے سے مکمل برابری نہیں چاہی۔ مثال کے طور پر ایک  
مرد کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ ایک بچے کو جنم دے۔ اسی طرح مرد کو دی گئی قدرتی صفات سے عورت فائدہ نہیں  
اٹھا سکتی۔ عورت کی جسمانی ساخت بہت نازک ہوتی ہے حتیٰ کہ اس کے دماغ اور ہڈیوں کا وزن بھی اس کی  
جسمانی ساخت کے مطابق ہوتا ہے اور اس کے فوق و جسمانی بناوٹ کی نزاکت و نفاست کی باہمی مطابقت  
ان دونوں کو مطلوبہ تحفظ فراہم کرتی ہے۔ مرد کے پاس عورت کی نسبت زیادہ قوت ہوتی ہے اور اسی لئے وہ زندگی  
کے تکلیف دہ مراحل کو اپنی قدرتی عطا کے ذریعے بہتر طریقے سے سرانجام دیتا ہے۔ عورت اور مرد دونوں کو  
قدرتی اور عقلی دونوں لحاظ سے اپنی اپنی ضرورت کے مطابق خصوصیات عطا کی گئی ہیں۔

385 اگر مرد و عورت کے درمیان فطری و قدرتی طور پر کچھ ہمواری و عدم مطابقت پائی جاتی ہے تو زندگی  
کے کئی دوسرے شعبوں میں وہ ایک دوسرے سے مماثلت بھی رکھتے ہیں۔ اسی لئے اس شعبوں میں ان دونوں  
کے حقوق و فرائض بھی یک جیسے ہوں گے۔

386 عورت کے بارے میں اسلامی تعلیمات کا عمومی و خصوصی خلاصہ و نتیجہ یہی ہے کہ کچھ شعبہ ہائے  
زندگی میں عورت، مرد کی برابری کرتی ہے اور کچھ میں نہیں کرتی۔ اس بات کو عورت کے حقوق و فرائض کے بیان  
میں بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔

**عورت کے فرائض:**

387 مذہبی معاملات میں، مرد کی طرح، عورت کا پہلا فرض خدا کی وحدانیت پر یقین رکھنا ہے۔ جو کہ  
آخرت میں اس کی بخشش و نجات کا واحد ذریعہ ہے۔ برکونی جانتا ہے کہ اسلام میں کسی کو زبردستی مسلمان کرنے  
سے باقاعدہ طور پر منع کیا گیا ہے اور اس کو اس طور بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ ایک مسلمان مرد کی غیر مسلم بیوی اپنے

مذہب کے تحفظ اور رسومات کی انفرادی طور پر ادائیگی کا پورا حق رکھتی ہے۔ اس دوران بھی جبکہ وہ ایک مسلمان مرد کی بیوی ہے۔ ہر شخص یہ بھی جانتا ہے کہ اسلامی بجائی چارے میں اس کے مکمل تحفظ اور اس کے ضابطہ حیات کی حفاظت کے لئے ایک مضبوط و مستحکم اصول قائم ہے۔ اس معاملے میں غدار کے لئے سزا مقرر کی جاتی ہے تاہم قیافہ و فرسودہ خیالات رکھنے والے خلفاء کے زور نے میں ایسے کچھ واقعات سامنے آئے ہیں جن میں انہوں نے مرتد مردوں کے مقابلے میں مرتد خواتین کو کم سزائیں دی ہیں۔

﴿388﴾ مردوں کی طرح عورتوں پر بھی مذہبی و دینی عبادات فرض ہیں چاہے وہ کچھ رعایات کے ساتھ ہی کیوں نہ ہوں۔ ایک بالغ عورت کو ہر مہینے کے کچھ دنوں میں روزانہ کی عبادات سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ جہاں تک جمعہ المبارک کی باجماعت نماز کا تعلق ہے۔ اس باجماعت نماز میں عورتوں کی مرضی ہے کہ وہ شامل ہوں یا نہ ہوں جبکہ مردوں پر جمعہ المبارک کی باجماعت نماز فرض کی گئی ہے۔ روزے کی سختیاں بھی عورت پر آسان کر دی گئی ہیں یعنی بچے کی ولادت کے مرحلہ، ماہواری سلسلہ وغیرہ کے دوران عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ماہ رمضان المبارک میں اپنے روزے مؤخر کر دے۔ جہاں تک حج بیت اللہ کا تعلق ہے تو اس مقدس و متبرک موقع پر بھی عورت کو بعض نسوانی وجوہ کی بناء پر کچھ ناسک حج سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا ہے۔ مختصراً یہ کہ اسلام عورت کے ہرے بہت نرم و مہربان اور شفقت و مروت آمیز رویہ رکھتا ہے۔ جبکہ اسلامی بنیادی فرائض کے آخری رکن زکوٰۃ کی ادائیگی میں عورت سوائے چند رعایات کے مرد کے برابر فرائض ادا کرتی ہے۔ بچت پر ٹیکس عائد ہوتا ہے تاہم وہ بچت جس کو عورت اپنی آرائش و زیبائش کی ذاتی اشیاء میں تبدیل کر لے اس بچت پر ٹیکس عائد نہیں ہوتا۔ یہ حقیقت بھی روز روشن کی طرح عیوں ہے کہ اسلام قومی خزانے میں اضافے کے مقصد کے تحت دولت کی مستقل گردش پر زور دیتا ہے اور ذخیرہ اندوزی کی ٹیکس کے ذریعے حوصلہ شکنی کرتا ہے چنانچہ اس معاملے میں اسلام نے کبھی بھی عورتوں کو ان کے فائدہ یا نسوانی ذوق کی وجہ سے رعیت و سہولت نہیں دی۔

﴿389﴾ عورت کے معاشرتی فرائض بھی ہیں۔ دین اسلام کی رو سے قومی خزانے کی برابر تقسیم کے نظریے کے تحت ان ذرائع سے منع کیا گیا ہے جن سے چند ہاتھوں میں دولت کے انبار لگ جاتے ہیں جیسا کہ سود اور پانے کے کھیلوں کے معاملات میں ہوتا ہے۔ اس بارے ایک عورت کے لئے بھی وہی اصول ہیں جو مرد کے لئے ہیں۔ لائریاں اور اڈمنٹ ووڈ یا گھڑ دوڑ پر ٹے بازی وغیرہ معاشرے کے معاشی توازن کو ناقابل تلافی نقصان پہنچاتے ہیں اور مردوں اور عورتوں دونوں کو واضح طور پر اس معاشی توازن کو نقصان پہنچانے سے منع کیا جاتا رہا ہے۔

﴿390﴾ آئیے شراب کا ذکر کریں جو ان گنت بد اعمالیوں، بد بختیوں اور خرابیوں کا ذریعہ ہے۔ یہ ہر مسلمان کا فرض اولین ہے کہ وہ شراب سے احتراز کرے۔ قرآن پاک اسے شیطان کا کام قرار دیتا ہے۔



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْغَيْرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْوَاجُ حَسْبُ الشَّيْطَانِ فَأَجْتَنِبُوا لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ ﴿٩٠﴾

(سورۃ المائدہ، آیت: 90)

**ترجمہ** ”اے ایمان والو! شراب اور جہاز اور بت اور فال کے تیر سب شیطان کے

گندے کام ہیں۔ سو ان سے بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ۔“

شراب کی حفاظت صحت کے اصولوں کے مطابق، معاشی، اخلاقی اور دوسری مریاں بھی جانی پہچانی ہیں جن کی وضاحت کی ضرورت ہے۔ نشہ آور مشروبات عورتوں سے متعلق ایک خاص عنصر رکھتے ہیں۔ یہ عورت ہی ہے جو پہلے اپنے خون سے اور پھر اپنے دودھ سے اپنے بچے کی پرورش کرتی ہے۔ پس وہ اپنی صحت یا اپنی بیماری بھی اپنے بچے کو منتقل کرتی ہے اور یوں وہ بیماری غبی نسل اور انسانیت کے مستقبل کو منتقل ہوتی ہے۔

﴿391﴾ ایک قابل ذکر فرض اخلاقیات ہے۔ اگر اپنے خالق و مالک کے ساتھ تعلقات میں ہمارا فرض روحانیت ہے تو اپنے جانے والوں کے ساتھ اپنے باہمی تعلقات میں اخلاقیات بھی بالکل ایسی ہی اہمیت کی حامل ہے۔ اسلام کی شدید خواہش اور کوشش و کاوش یہی ہے کہ وہ مہدائیوں کے ظاہری عناصر پر حملہ آور ہونے کی بجائے ان کے بنیادی و اصلی ذرائع کو ختم کرے۔ اسلام کچھ خوال بارے میں شور مچاتا ہے۔ انہیں لاگو کرتا ہے یا پھر ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ اگر ہم ان خوال کے مقاصد پر گہرائی سے غور و فکر نہ کریں تو بعض اوقات ہم حیران و پریشان ہو جاتے ہیں۔ تمام مذاہب کے مطابق شادی شدہ و غیر شادی شدہ جوڑوں کا زنا بے لقصہ جرم ہے لیکن اسلام اس معاملے میں در تک رسائی رکھتا ہے اور ایسے ذرائع کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو اس قسم کی ترغیبات کو کم کرنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ یہ امید کرنا آسان ہے کہ ہر فرد خود اپنی خفاقیات کو پختہ کرے گا تاکہ وہ بُری ترغیبات کا مقابلہ کر سکے لیکن یہ فیصلہ زیادہ عس مندانه ہے کہ ایسے مواقع کو ہی کم یا ختم کر دیا جائے جن میں پست کردار والے لوگ (کہ جن کی زیادہ تعداد مردوں پر مشتمل ہوتی ہے) ایک ایسی جنگ میں شامل ہو جاتے ہیں جہاں شکست ایک ناگزیر نتیجہ ہوتی ہے۔

﴿392﴾ پروے کی تائید سب سے پہلے قرآن پاک نے کیا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِئِهِنَّ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿٥٩﴾

(سورۃ الاحزاب، آیت: 59)

**ترجمہ** ”اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں

سے کہہ دو کہ اپنے مونسوں پر نقاب ڈالنا کریں۔ یہ اس سے زیادہ قریب ہے کہ پہچانی

جائیں پھر نہ ستائی جائیں اور اللہ بخشے والا نہایت رحم والا ہے۔“

یہ آیت اس لئے نازل کی گئی تاکہ مخالف جنس کی کشش کے مواقع کم سے جائیں اور عورتوں کو مردوں کے شر سے بچایا جاسکے۔ اس کے بعد گھریلو افراد دوستوں اور مہمانوں کے ساتھ سلوک بارے وحی نازل ہوئی۔

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ مِمَّا كَسَبُوا وَجْهٌ ۖ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَكُمْ ۚ  
 إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَصْنَعُونَ ۝ قُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ مِمَّا كَسَبْنَ وَجْهٌ ۚ  
 وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلَا يَضْرِبْنَ  
 بِخُصْرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ۚ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ  
 أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ هُنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانَهُنَّ أَوْ  
 إِخْوَانِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ نِسَاءَهُنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ الْوُجُوهُ  
 غَيْرُ أُولَٰئِكَ مِنَ الرِّجَالِ أَوْ الْطُّفُلِ الَّذِينَ لَمْ يَكْظُرُوا عَلَىٰ عُرُوفِ  
 النِّسَاءِ ۚ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ ۚ وَتَوْبُوا  
 إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ مَنَّانٌ لَّعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

(سورۃ النور، آیات: 30-31)

**ترجمہ** ”ایمان والوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہ نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کو بھی محفوظ رکھیں۔ یہ ان کے لئے پاکیزہ ہے۔ بے شک اللہ جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔ اور ایمان والوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو جگہ اس میں سے کھلی رہتی ہے اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رکھیں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں پر یا اپنے باپ یا خاوند کے باپ یا اپنے بیٹوں یا خاوند کے بیٹوں یا اپنے بھائیوں یا بھتیجیوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنے غلاموں پر یا ان خدمت گاروں پر جنہیں عورت کی حاجت نہیں یا ان لڑکوں پر جو عورتوں کی پردہ کی چیزوں سے واقف نہیں اور اپنے پاؤں زمین پر زور سے نہ ماریں کہ ان کا مخفی زیر معلوم ہو جائے اور اے مسلمانو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تاکہ تم نجات پاؤ۔“

تاریخ اسلام کے ہر دور میں کہ جس میں رہبر کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ بھی شامل ہے ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان عورت زندگی کے ہر اس شعبے سے منسلک تھی جس میں اس کے لئے آسانی پائی جاتی تھی۔ خواتین نے بطور نرسوں، استادوں اور حتیٰ کہ جہاں ضرورت پڑی وہاں بطور جنگجو کے بھی فرائض سرانجام دیئے اور مزید یہ کہ بطور ٹھکانہ، مثلاً (گیسو تراش) اور بارہن وغیرہ کے طور پر بھی کارہائے حیات میں حصہ لیا۔ ابن

حجر ”الاصابہ“ میں لکھتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک خاتون شفاء بنت عبد اللہ کو دارالحجاز مدینہ کے ایک بازار میں جائزہ کار مقرر کیا۔ شفاء بنت عبد اللہ نے بی ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو پڑھنا اور لکھنا سکھایا۔ ماہرین قانون اور فقہاء اس امکان کو تسلیم کرتے ہیں کہ عورتوں کی خصوصی عدالتوں میں بطور جج تقرری کی گئی اور اس حوالے سے کئی مثالیں موجود ہیں۔ مختصر یہ کہ عورت کسی کی محتاجی قبول کرنے کی بجائے مسم معاشرے میں مردوں کے ساتھ مل کر کام کر سکتی ہے اور اپنے لئے روزی ماسکتی ہے اور اپنی صلاحیتوں کو منور و ابان کر سکتی ہے۔

393 ﴿قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے کہ﴾

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٢١﴾

(سورۃ الروم، آیت: 21)

**ترجمہ** ”اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تمہارے لئے تمہیں میں سے

بیویاں پیدا کیں تاکہ ان کے پاس چین سے رہو اور تمہارے درمیان محبت اور مہربانی پیدا

کردی۔ جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لئے اس میں نشانیاں ہیں۔“

مرد اور عورتیں باہمی طور پر ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ ﴿١٨٧﴾ (سورۃ البقرہ، آیت: 187)

**ترجمہ** وہ (عورتیں) تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو۔“

اسی لئے انہیں چاہیے کہ وہ اپنے باہمی مفاد میں ایک دوسرے کے ساتھ مروت و لحاظ کا رویہ اپنائیں۔ دو ایک

جیسے افراد تمام معاملات میں ایک دوسرے کے ساتھ سو فیصد مطابقت و موافقت نہیں رکھ سکتے۔ گھریلو دلچسپی کے

امور اور خاندان کے اندر بہتر ادا رکھنا اور اندیشی کے لئے باہمی رعایت و التفات کی ضرورت ہوتی ہے۔ خاندان

کو اپنی بیوی کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ کرنا چاہیے اس بارے قرآن پاک کا حکم انجانی خیال آفریں اور فکر انگیز

ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَجْعَلْ لَكُمْ أَنْ تَرْتُوا النِّسَاءَ كُرْهًا وَلَا تَعْصُوهُنَّ لَمَّا تَبْغُونَهَا بِمَعْصِيَةِ اللَّهِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَمَعْسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا يَجْعَلُ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ﴿١٩﴾

(سورۃ النساء، آیت: 19)

**ترجمہ** ”اے ایمان والو! تمہیں یہ حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کو میراث میں لے لو

اور ان کو اس واسطے نہ روکے کہو کہ ان سے کچھ اپنا دیا مومال واپس لے لو۔ ہاں اگر وہ کسی

صریح بد چلتی کار اکاب کریں۔ اور سورتوں کے ساتھ اچھی طرح سے زندگی بسر کرو۔ اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تمہیں ایک چہرہ پسند نہ آئے مگر اللہ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھی ہو۔“

اور حقیقت عقلمند شخص وہ ہے جو دوسروں سے بہت نرم رہے اور مختلف روش اپناتا ہے خاص طور پر اس وقت جبکہ وہ دوسروں سے زیادہ طاقتور ہو۔

﴿394﴾ ہر انسان شادی کے لئے ایک ایسے ساتھی کی جستجو و آرزو کرتا ہے اور اس ترجیح دیتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ لیکن انسانی تاریخ میں پیار و محبت کا سلسلہ افسردہ و غمزدہ ہی رہا ہے۔ خصوصاً جو ان افراد کے درمیان، پیار و محبت کے مقاصد اکثر عارضی اور خفیہ لاتی ہوتے ہیں جیسا کہ خوب صورت آواز، لطیف انداز مسکراہٹ، فنیلی آنکھیں، جسم و جلد کا رنگ، بال بنانے کا انداز یا چشم و ابرو کی اشارہ بازی اور جسم و جاں کی آناہی سازی پیار و محبت کے ذرائع کی ابتدا کا باعث بنتے ہیں۔ تاہم ایک خوشگوار اور سچی ازدواجی زندگی کے لئے صرف یہی صفت کافی نہیں ہوتیں۔ اس بارے میں سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت عقل مندانہ و مدبرانہ نصیحت فرمائی۔ حدیث شریف میں ہے کہ ”صرف خوبصورتی کی خاطر شادی نہ کرو، ہو سکتا ہے کہ خوب صورتی اخلاقی گراؤ کا باعث بنے۔ حتیٰ کہ صرف دولت کی خاطر شادی نہ کرو۔ ہو سکتا ہے کہ دولت نافرمانی کا باعث بنے۔ بہتر تو یہ ہے کہ مذہبی عبادت و الٹ کی بنیاد پر شادی کی جائے۔“ (بن ماجہ، 1859) چونکہ دین اسلام جملہ شعبہ ہائے حیات میں باقاعدگی اور نظم و ضبط پیدا کرتا ہے اس لئے یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ جو شخص اپنے مذہبی فرائض میں بڑا ہار یک بن ہوتا ہے وہی اپنی ذہانت و سیاحت سے گھر میں بہتر حریت سے امن و آشتی پیدا کرتا ہے۔ ایک دوسرے موقع پر سرور کوئین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”دنیا ایک عارضی شے ہے جس میں سے ہر شخص وقتی مفاد حاصل کرتا ہے اور دنیاوی نعمتوں میں اچھی اور نیک بیوی سے بہتر کوئی اور چیز نہیں ہے۔“ (ابن ماجہ، 1855)۔ ترمذی اور نسائی شفیق المذنبین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسا اور حدیث بیان کرتے ہیں کہ ”کامل مومن وہ ہے جس کا کردار اکمل ہو اور جو اپنی شریک حیات کے ساتھ مہربانی سے پیش آئے۔“

﴿395﴾ جیسا کہ ہم نے ابھی پڑھا کہ دین اسلام اخلاقیات کو خاص اہمیت و فوقیت دیتا ہے۔ لہذا اسلام میں آزادانہ جنسی تعلقات کو برذرینے سے ختم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ وَالَّذِي تَخَافُونَّ لَّشَوْذَهُنَّ  
فَعَبُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِی النِّصَاحِ جِهًا وَّاَصْرُہُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعَكُمْ فَلَا تَبْغُوا  
عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا کَبِيْرًا ۝

(سورۃ النساء، آیت: 34)

ترجمہ ”پھر جو عورتیں نیک ہیں وہ تبعدار ہیں مردوں کی پیٹھ پیچھے اللہ کی گمراہی میں

(ان کے متعلق کی) حفاظت کرتی ہیں اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا خطرہ ہو تو انہیں سمجھاؤ اور سونے میں جدا کر دو اور مارو۔ پھر اگر تمہارا کہہ مان جائے تو ان پر الزام لگانے کے لئے یہاں مت تلاش کرو۔ بے شک اللہ سب سے اوپر بڑا ہے۔“

اسی طرح عورتوں سے بھی کہا گیا کہ اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی بد خلاق و ناموافقیت (نشوز) سے خوفزدہ ہو تو اس پر لازم ہے کہ حالات کو بہتر بنانے کی کوشش کرے کیونکہ رب تعالیٰ کے نزدیک میاں بیوی کی صلح ایک بہتر امر ہے تاہم اگر مرد کسی طرح بھی ٹھیک نہ ہو تو اس کا آخری اختیار حق یہی ہے کہ وہ عدالت سے میحدگی کا مطالبہ کرے۔

﴿395﴾ (اف) ایک شادی شدہ جوڑے کے خیالات و نظریات میں مطابقت و موافقت ان کے باہمی اعتماد و استحوا کی نکاسی کرتی ہے۔ بیشتر اوقات یہ از خود واقع ہو جاتا ہے کہ دونوں میاں بیوی ایک ہی نتیجہ اخذ کرتے ہیں جبکہ کئی دوسرے مواقع پر میاں بیوی میں سے کسی ایک کو رعایت دیتا پڑتی ہے وراپنے ذاتی خیال سے دستبردار ہونا پڑتا ہے۔ تاہم اس کی بھی ایک حد ہوتی ہے اور کسی بھی شخص کو قرآن پاک کی اس نصیحت پر حیران نہیں ہونا چاہیے کہ:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَسَنًا ۖ وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَالَيْسَ لَكَ بِهِ جِلْمٌ فَلَا تُطَعُهُمَا ۚ إِنَّ مَرْجِعَكُمْ فَأْتِنَا ۚ ﴿٨﴾  
(سورۃ النحل، آیت: 8)

**ترجمہ** ”اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ سے اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور اگر وہ تجھے اس بات پر مجبور کریں کہ تُو میرے ساتھ اسے شریک بنائے جسے تُو جانتا بھی نہیں تو ان کا کہنا نہ۔ ورنہ تم سب نے لوٹ کر میرے ہاں ہی آنا ہے۔ تب میں تمہیں بتا دوں گا جو کچھ تم کرتے تھے۔“

اسی ضمن میں حدیث مبارکہ ہے: ”مخلوق کی فرمانبرداری خالق کی نافرمانی میں نہیں ہے۔“ ہر شخص کو جس قسم کے معاملات میں رعایت برتنے کی ”زادی حاصل ہے چاہے وہ پیار و محبت سے ہو یا کسی مصلحت اور مجبوری کے تحت ہو۔ بشرطیکہ یہ کل اسلامی ضابطہ قانون کی خلاف ورزی نہ ہو کیونکہ یہ امر انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ اسلامی و مذہبی احکامات کی کسی بھی صورت و قیمت پر خلاف ورزی نہیں ہونی چاہیے۔

﴿395﴾ (ب) ایک چیز شافعہ عشرہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پیاری تھی اور داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کئی مواقع پر ذکر بھی فرمایا کہ مردوں کو چاہیے کہ اپنے معاملات میں زمانہ پن اختیار نہ کریں اور لڑکیوں کو اپنے بال بنانے کے انداز، لباس، طرزِ گفتگو اور اسی طرح دوسری چیزوں میں لڑکوں جیسا رویہ نہیں اپنانا چاہیے۔ بہتر یہ ہے کہ ہر شخص قدرتی و فطری طریقہ و سلیقہ کے مطابق اپنی شخصیت کو پروان چڑھائے اور مخالف سمت اختیار نہ کرے ورنہ ”اللہ کی لعنت“ ہوگی اس شخص پر جو اسلامی راستہ چھوڑ کر دوسری راہ پر گامزن ہوگا۔

## عورتوں کے حقوق:

396 قبل از اسلام عرب میں عورتوں کو مردوں کے مقابلے میں کمزور و کمتر سمجھا جاتا تھا اس دور میں اگر عورت کسی مرد کے ظلم و ستم کا شکار و نشانہ بنتی تھی تو وہ اس سے بدلہ و انتقام نہیں لے سکتی تھی۔ قرآن پاک نے اس نا انصافی اور عدم توازن کو یکسر ختم کیا اور شخصیت، جائیداد یا عزت و وقعت کے معاملے میں عورتوں کو بھی مردوں کے برابر معاشرتی و عدالتی انصاف و داد دے کا حق دیا۔ حتیٰ کہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ کچھ معاملات میں عورتوں کے حقوق کی مردوں کے حقوق سے زیادہ حفاظت کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر قرآن پاک کا فرمان ہے کہ:

وَالَّذِينَ يَزُمُونَ الْمَحْصَنَاتِ ثُمَّ قَالُوا لَا تُبَرِّئُوا مَا كُنَّا فَعَلْنَا ۚ وَالَّذِينَ يَتَّبِعُوا آيَاتَنَا أَعِدْنَا لَهُمُ الْمَغْنَمَ الْكَبِيرَ ۚ وَالَّذِينَ يَتَّبِعُوا آيَاتَنَا أَعِدْنَا لَهُمُ الْمَغْنَمَ الْكَبِيرَ ۚ وَالَّذِينَ يَتَّبِعُوا آيَاتَنَا أَعِدْنَا لَهُمُ الْمَغْنَمَ الْكَبِيرَ ۚ وَالَّذِينَ يَتَّبِعُوا آيَاتَنَا أَعِدْنَا لَهُمُ الْمَغْنَمَ الْكَبِيرَ ۚ (سورۃ النور، آیات 4، 5)

**ترجمہ** ”اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں اور پھر چار گواہ نہیں لاتے تو انہیں 80 دُڑے مارے اور بھی ان کی گواہی قبول نہ کر دو اور وہی لوگ نافرمان ہیں مگر جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور درست ہو گئے تو بے شک اللہ بھی بخشے والا نہایت رحم والا ہے۔“

یہ سزا اس کے علاوہ ہے جو آخرت میں ملے گی۔ اضافی طور پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ توبہ و پچھتاوے کی صورت میں شاید بروز محشر یہ خدائی سزا ختم ہو جائے۔ عقیدہ جزا و سزا کے مفہوم و مطلب کے حوالے سے یہ رائے مختلف ہے کہ توبہ و پچھتاوے کی صورت میں گناہ مٹ جاتا ہے تاہم احساسِ ندامت و پشیمانی کے باوجود جہنم کی عدم فراہمی و عدم دستگیری ہمیشہ باقی رہتی ہے۔ قرآن پاک معاشرے کو خاص طور پر ان خود غرضانہ و بے رحمانہ اعمال و افعال شر سے پاک و صاف کرنے کا مطالبہ کرتا ہے کہ جن سے معاشرے کو نقصان و ضرر پہنچانا آسان اور اس نقصان و ضرر کا ازالہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔

397 جائیداد کے معاملات میں دین اسلام عورت کی مکمل شخصی انفرادیت و اہمیت کا اظہار غیر معمولی انداز میں اقرار و اظہار کرتا ہے۔ اسلامی قانون کے مطابق عورت اپنی جائیداد پر مکمل و مطلق اختیار رکھتی ہے۔ اپنے معاملات کو منظم کرنے کی صلاحیت و اہلیت رکھنے والی طبعی و قانونی عمر بلوغت کو پہنچنے کی صورت میں عورت اپنی جائیداد کو اپنے والد، بھائی، شوہر، بیٹے یا کسی بھی اور فرد کو درمیان میں لائے بغیر اپنی مرضی کے مطابق فروخت کر سکتی ہے۔ اس معاملے میں مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اگر عورت سے خاوند، باپ یا کسی اور رشتہ دار پر اس کے پاس موجود سرمائے یا اثاثے سے بڑھ کر ذمہ داریاں ہیں تب بھی وہ اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کی خاطر عورت کی جائیداد کو کسی صورت ہاتھ نہیں لگ سکتا اور اسی طرح عورت کے مقررہ حق ہونے کی صورت میں بھی یہ رشتہ دار ذمہ دار نہیں ہوتے ہیں۔ جائیداد کے حصول کے لئے عورت کے بھی وہی حقوق ہیں جو مرد کے ہیں۔ جائیداد اسے ورثے میں ملے، تحفے میں ملے یا امداد و اعانت کے طور پر ملے یا وہ خود اپنی محنت و مشقت سے کام کر کے کمائے یہ سب صرف اور صرف اسی کی رہتی ہے۔ وہ اپنی جائیداد کی بلا

شرکت غیرے مالک ہوتی ہے یہ اس کی مرضی پر ہے کہ وہ اس سے فائدہ اٹھائے یا کسی کو بھی تحفے کے طور پر دے دے یا فروخت کر کے یا کسی اور قانونی ذرائع سے اس سے مفاد حاصل کرے۔ یہ تہم عورت کے موروثی حقوق ہیں انہیں (مثال کے طور پر) خوند کے ساتھ خصوصی معاہدے یا کسی اور شخص کے فیصلے کو بنیاد بنا کر حاصل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

398 ﴿حق وراثت کے بیان کے لئے قدرے تشریح و توضیح کی ضرورت ہے۔ قبل از اسلام عرب عورت کو یہ حق حاصل نہیں تھا کہ وہ اپنے باپ، خاوند یا کسی اور رشتہ دار سے ورثے کی مد میں کچھ لے۔ محبوب خدہ، داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پایزہ مشن و تبلیغ کے لئے پندرہ سالوں کے دوران اس مسئلہ کی باب متوجہ نہ ہوئے۔ تاریخ نویس اس حوالے سے بتاتے ہیں کہ تین ہجری میں ایک دولت مند انصاری، حضرت اوس بن ثابتؓ جلیفی وفات فرما گئے اور اپنے پیچھے ایک بیوہ اور چار نو عمر معصوم بچیوں کو چھوڑ گئے۔ مدینہ کے رواج کے مطابق صرف بالغ مرد ہی جنگ میں حصہ لے سکتے تھے اور وراثت کا حق رکھتے تھے یہاں تک کہ ایک کسمن بیٹے کو بھی اپنے مرحوم باپ کی جائیداد پر کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ چنانچہ حضرت اوس بن ثابتؓ کے چچا اور بھائیوں نے ان کی جائیداد پر قبضہ کر لیا اور ان کا خاندان راتوں رات ہی بالکل مفلس اور ذلیل و معاش و آمدنی سے محروم ہو گیا۔ اس وقت کلام الہی بصورت وحی نازل ہوا جس نے قانون وراثت کے نفاذ کا اعلان کیا۔ جس پر ہمیشہ سے مسلمان عمل پیرا ہیں اور حتیٰ کہ دوسری قوموں جیسا کہ لیونت Levant (شرقی بحیرہ روم کے علاقے کا قدیم نام جس پر آج کل لبنان، شام اور اسرائیل کا قبضہ ہے) کے رہائشی عیسائیوں نے بھی اسے اپنایا۔

الْمَرْحَلِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۖ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ فَأَنزِلُوا قَوْلَهُمْ وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۖ وَلِيَشْخِشَ الَّذِينَ لَمْ يَكُنُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ضَعْفًا فَإِذَا عَلَيْهِمْ ۖ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۖ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلُونَ سَعِيرًا ۖ يُؤْتِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلَّذِي كَرِهْتُمْ حَدًّا ۚ لِيُؤْتِيَكُمْ بَسًا فَوْقَ الْاِثْمَيْنِ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مِّمَّنْ تَرَكَ ۖ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلَئِنْ بَوَّيْتُمْ لِوَلَدٍ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الشَّدَسَ مِمَّا تَرَكَ ۖ إِنْ كَانَ لَكَ وَلَدٌ ۖ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَكَ وَلَدٌ ۖ وَوَرِثَتُهُ أَبَوَاكَ فَلِلَّهِ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكَ إِخْوَةٌ فَلِلَّهِ الشَّدَسُ مِنْ بَنِي وَجِيئَةٍ يُؤْتِي بِهَا أَوْ دِينَ ۚ أَبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْسًا ۚ فَرِيضَةٌ مِنَ اللَّهِ ۚ إِنْ اللَّهُ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۖ وَلَكِنَّهُ نَصْفُ مِمَّا تَرَكَ آؤُاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَكُمْ

الرُّبُعَ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِيَنَّ بِهَا أَوْ ذَيْنَ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُم مَوْلًى فَلَكُمُ الشُّعْبُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ ذَيْنَ ۚ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُؤْتِيكُمُ الْكُلَّةَ أَوْ امْرَأَتٌ وَلَهُ الْأَمْرُ أَحْتَفَظْ لَهَا وَاحِدًا مِمَّا السُّدُسَ ۚ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثَّلَاثِ ۚ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِيَنَّ بِهَا أَوْ ذَيْنَ ۚ غَيْرَ مَضَاهِ ۚ وَصِيَّةٌ مِنَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ۝

(سورۃ النساء، آیات 12 تا 7)

**ترجمہ** ”مردوں کا اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کا بھی اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو۔ تھوڑا ہو یا بہت یہ حصہ مقرر ہے اور جب تقسیم کے وقت رشتہ دار اور یتیم اور مسکین آئیں تو اس مال میں سے کچھ انہیں بھی دے دو اور ان کو معقول بات کہہ دو اور ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہیے اگر اپنے بعد چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ جائیں جن کی انہیں فکر ہو۔ ان لوگوں کو چاہیے کہ خدا سے ڈریں اور سیدھی بات کہیں۔ بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں اور عنقریب آگ میں داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے حق میں تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے پھر اگر دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو ان کے لئے دو تہائی اس مال میں سے ہے جو میت نے چھوڑا اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لئے آدھا ہے اور اگر میت کی اولاد ہے تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو کُل مال کا چھٹا حصہ ملنا چاہیے اور اگر اس کی کوئی اولاد نہیں اور ماں باپ ہی اس کے وارث ہیں تو اس کی ماں کا ایک تہائی حصہ ہے پھر اگر میت کے بہن بھائی بھی ہوں تو اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے (یہ حصہ اس) وصیت کے بعد ہوگا جو وہ کر گیا تھا اور بعد ازاں قرض کے۔ تم نہیں جانتے تمہارے باپوں اور تمہارے بیٹوں میں سے کون تمہیں زیادہ نفع پہنچانے والا ہے۔ اللہ کی طرف سے یہ حصہ مقرر کیا ہوا ہے۔ بے شک اللہ خبردار حکمت والا ہے۔ جو مال تمہاری عورتیں چھوڑیں اس میں تمہارا آدھا حصہ ہے بشرطیکہ ان کی اولاد نہ ہو اور اگر ان کی اولاد ہو تو اس میں سے جو وہ چھوڑ جائیں ایک چوتھائی تمہارا ہے اس وصیت کے بعد جو وہ کر جائیں یا قرض کے بعد وہ عورتوں کے لئے چوتھائی مال ہے جو تم چھوڑ کر مرد بشرطیکہ تمہاری اولاد نہ ہو۔ پس اگر تمہاری اولاد ہو تو جو تم نے چھوڑا اس میں سے ان کا آٹھواں حصہ ہے اس وصیت



کے بعد جو تم کر جاؤ یا قرض کے بعد اور اگر وہ مرد یا عورت جس کی یہ میراث ہے باپ بیٹا کچھ نہیں رکھتا اور اس میت کا ایک بھائی یا بہن ہے تو دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے۔ پس اگر اس سے زیادہ ہوں تو ایک تہائی میں سب شریک ہیں وصیت کے بعد جو ہو بچی ہو یا قرض کے بعد بشرطیکہ اوروں کا نقصان نہ ہو۔ یہ اللہ کا حکم ہے اور اللہ جاننے والا قائل کرنے والا ہے۔“

اسی طرح رب خبیر و عظیم کا مزید ارشاد ہے کہ:

يَسْمَعُونَكَ ۖ قُلِ اللَّهُ يَفْتِيكُمْ فِي الْكَلِمَةِ ۚ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِن لَّمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ ۚ وَإِن كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الْخُصْمَانِ مِمَّا تَرَكَ ۚ وَإِن كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً فَلِلَّذَكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَن تَصَلُّوا ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٧٦﴾

(سورة النساء، آیت: 176)

**ترجمہ** ”آپ (سلی اللہ علیہ وسلم) سے حکم دریافت کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ اللہ تمہیں کالہ کے بارے حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص مر جائے جس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو اسے اس کے تمام ترکہ کا نصف ملے گا اور وہ شخص اس بہن کا وارث ہوگا اگر اس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اگر وہ بہنیں ہوں تو انہیں کل ترکہ میں سے دو تہائی ملے گا اور اگر چند وارث بھائی بہن ہوں مرد اور عورت تو ایک مرد کو دو عورتوں کے حصہ کے برابر ملے گا۔ اللہ تم سے اس لئے بیان کرتا ہے کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔“

اس قانون کے مطابق مختلف رشتہ دار خواتین کے علاوہ خاص طور پر بیوی، بیٹی، ماں اور بہن کو وراثت کا حق حاصل ہوا۔ اسلامی وراثتی قانون کے مطابق منتقلہ اور غیر منتقلہ جائیداد میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ہر چیز اصلی وارثوں میں قانون کے مطابق تقسیم ہونا ضروری ہے۔ اسلام نے بری تخیل کاری سے بچو کی خاطر وصیت کے ذریعے قریبی رشتہ داروں کو جائیداد سے محروم کرنے اور اجنبیوں کو وراثت بنانے سے بھی منع فرمایا ہے۔ دراصل قریبی رشتہ دار تو خود بخود ہی جائیداد کے وارث بن جاتے ہیں، وصیت میں ان کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ ایک وصیت متعلقہ قریبی رشتہ داروں کے ان حقوق میں کمی یا اضافہ نہیں کر سکتی جو حقوق ان کے لئے قانونی طور پر مقرر و متعین کیے گئے ہیں۔ وصیت تو قانونی طور پر صرف اجنبیوں کے لئے جائز ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر وہ وگ جن کو مرحوم کی جائیداد پر براہ راست کوئی حق حاصل نہیں ہوتا ہے۔ اسلام نے پوری جائیداد کا زیادہ سے زیادہ ایک تہائی حصہ مقرر کیا ہے جو کوئی فرد، وصیت کے ذریعے

رشتہ داروں کے علاوہ کسی اور کے لئے چھوڑ سکتا ہے جبکہ وہ تہائی حصہ قریبی رشتہ داروں کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت تب مؤثر و معتبر ہوگی جب تمام ورثاء ورثے کی تقسیم کے وقت اسے مختلف طور پر تسلیم کر لیں۔

399 ورثت کا قانون کافی حد تک پیچیدہ ہے کیونکہ اس میں انفرادی حالات کے مطابق مختلف ورثاء کے وراثت میں حصے تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ اکیلی بیٹی کا اکیلا حصہ یا ایک بیٹے کی موجودگی میں حصہ، والدہ کا اکیلا حصہ یا والدین کی موجودگی میں حصہ، بچوں کے ساتھ یا ان کے بغیر حصہ، اکیلی بہن کا اکیلا حصہ یا مرحوم کے بھائی، باپ یا بچوں کی موجودگی میں حصہ، یوں ہر فرد کو اپنی انفرادی حیثیت کے مطابق مختلف تناسب سے ورثہ ملتا ہے۔ یہاں ہمارا مقصد ان سب باتوں کی تفصیل بیان کرنا نہیں ہے تاہم خواتین ورثاء کے ورثت میں حصوں کو مختصر طور پر بیان کیا جاسکتا ہے۔ اگر مرحوم کا ایک بھی بچہ ہے تو اس کی بیوی کو جائیداد کا آٹھواں حصہ ملتا ہے دوسری صورت میں اسے چوتھائی حصہ ملتا ہے۔ کلبتی بیٹی کو جائیداد کا آدھا حصہ ملتا ہے اور زیادہ بیٹیوں کی صورت میں انہیں جائیداد کا دو تہائی حصہ ملتا ہے جنہیں وہ سب آپس میں برابر تقسیم کرتی ہیں۔ یہ سب اس صورت میں ہوتا ہے جب کوئی بھائی نہ ہو۔ بیٹے کی موجودگی میں بہن کو بھائی سے آدھا حصہ ملتا ہے۔ ماں کو تیسرا حصہ ملتا ہے جبکہ دو اکیلی بیواؤں کو مرحوم کے باپ، بچے یا بھائیوں اور بہنوں کی موجودگی میں ماں کو پھنسا حصہ ملتا ہے۔ اگر مرحوم اپنے پیچھے ایک بیٹا چھوڑتا ہے تو بہن کو جائیداد میں سے کچھ نہیں ملتا لیکن اگر وہ اکیلی ہے تو اس صورت میں اسے آدھا حصہ ملتا ہے۔ دو یا اس سے زیادہ بہنوں کی صورت میں انہیں دو تہائی حصہ ملتا ہے جسے وہ آپس میں برابر تقسیم کرتی ہیں۔ بیٹی کی موجودگی میں بہن کو چھٹا حصہ ملتا ہے اور بھائی کی موجودگی میں اسے بھائی کے حصے کا آدھا حصہ ملتا ہے۔ مکمل حقیقی بہنوں، سوتیلی والدہ والی بہنوں اور سوتیلے والد والی بہنوں کے بھی ورثت میں مختلف حصے مقرر کیے گئے ہیں۔

400 یوں محسوس ہوتا ہے کہ وراثت کی تقسیم میں بہن و بھائی، والدہ والدہ اور بیٹی و بیٹا کے درمیان غیر مساوی حصوں کی وضاحت و جواز پیش کرنا ضروری ہے۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ قوانین غیر معمولی اور شاذ و نادر حالات کو مد نظر رکھ کر بنائے گئے ہیں بجائے عام حالات زندگی کے پیش نظر تشکیل و تنظیم کیے جاتے ہیں مگر قادر و قدیر قانون ساز نے عورتوں کے تمام تر حقوق کو زیر غور و زیر نظر رکھا ہے (واضح ہو کہ شاذ و نادر حالات کے لئے غیر معمولی ذرائع ہمیشہ مہیا کیے جاتے ہیں)۔ ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ عورت کی جائیداد پر اس کے باپ، خاوند یا کسی اور رشتہ دار کا حق نہیں ہوتا۔ وہ اپنی جائیداد کی اکیلی حق دار ہوتی ہے۔ مزید یہ کہ ان وراثتی مالکانہ حقوق کے علاوہ عورت نان نفقہ کے حصول کا حق بھی رکھتی ہے مثلاً خوراک، لباس، سونے کے لئے چھت وغیرہ اور مدد اس کے باپ، خاوند، بیٹے وغیرہ پر یہ فرض عائد کرتی ہے کہ وہ عورت کی ان ضروریات کو تنہا اپنے خرچے پر پورا کر لیں۔ پہلے کی طرح ایک بار پھر عورت اپنے خاوند سے عہدہ داتی رقم کے

طور پر مہر وصول کرتی ہے جو قبل از اسلام عورت کا باپ وصول کرتا تھا لیکن اسلام میں اس کا فائدہ خاص طور پر خود عورت کو ہی ہوتا ہے۔ یہ مہر اس چیز کی مانند نہیں ہے جو کہ ایک ضروری ولازنی شے نہیں ہے۔ مہر ایک ایسا ضروری عنصر ہے جس کے بغیر قانونی طور پر شادی جائز نہیں ہوتی۔ پس یہ دیکھ جائے گا کہ مرد کی نسبت کہ جس پر بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، عورت کو اپنے لئے کم مائی ضروریات چاہیے ہوتی ہیں۔ ان حالات میں یہ سمجھنا نہایت آسان ہے کہ مرد، عورت کی نسبت ورثت کے زیادہ حصے کا حقدار ہوتا ہے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ عورت کو دوسروں کے خرچے پر گزار بسر کا حق حاصل ہے یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام اسے وراثت کی شکل میں جائیداد میں حصے کا اضافی حق دیتا ہے۔ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ ایک اچھے گھریلو نظام کے لئے باہمی تعاون کی ضرورت ہوتی ہے اور عورت بھی اپنے خاندان یا کنبے کی آمدن بڑھانے یا ان اخراجات کو گھٹانے کے لئے کام کرتی ہے جو اس کے کام نہ کرنے کی صورت میں بڑھ جائیں گے۔ لیکن ہم عورت کے حقوق بارے بات کر رہے ہیں تاکہ معاشرتی رواج و روایات بارے جو کہ مختلف افراد کے حوالے سے مختلف ہو سکتے ہیں۔ اسلام میں مان نھتے کا نظریہ اس حد تک آگے جاتا ہے کہ اسلامی قانون کے مطابق، ایک بیوی پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اپنے شیر خوار بچے کو اپنا دودھ پلائے، اگر شیر خوار بچے کی ماں اسے اپنا دودھ نہیں پلانے چاہتی تو یہ ذمہ داری بچے کے باپ پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اس کے لئے اپنے خرچے پر ایک رضائی ماں کا انتظام کرے۔

401 ﴿﴾ آئیے شادی کے حوالے سے بات کرتے ہیں جو بہت سے سوالات کو جنم دیتی ہے۔ اسلام کے مطابق شادی ایک ایسا باہمی معاہدہ ہے جس کی بنیاد دونوں معاہداتی فریقین کے آزادانہ فیصلے پر رکھی جاتی ہے۔ والدین اپنے مشورے کے ذریعے اور اپنے تجربے کی بنیاد پر اپنے بچے کی اس کے جیون ساتھی کی تلاش یا پسند کرنے کے معاملے میں اس کی مدد کرتے ہیں تاہم اس معاملے میں آخری فیصلہ جوڑے کا ہی ہوتا ہے۔ جہاں تک قانون کا تعلق ہے اس معاملے میں عورت اور مرد کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ غیر قانونی طریقہ کار کے درجات ایک ملاقات سے دوسرے ملاقاتے اور ایک طبقے سے دوسرے طبقے میں مختلف ہو سکتے ہیں لیکن قانون ان رواجوں کو نہیں پہچانتا و ماننا کہ جو اس کے ضوابط و شرائط کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

402 ﴿﴾ یہ سچ ہے کہ اسلام کثیرالازدواجی کی اجازت دیتا ہے لیکن اس مقام پر اسلامی قانون ان دوسرے قوانین کی نسبت زیادہ چلک دار اور معاشرے کی ضروریات سے زیادہ ہم آہنگ ہے کہ جو کسی بھی صورت کثیرالازدواجی کی اجازت نہیں دیتے۔ فرض کیجیے ایک ایسی صورت حال ہے جس میں ایک عورت کے جوان بچے ہیں اور وہ دائمی مرض کا شکار ہو جاتی ہے اور گھریلو کام کاج کے قابل نہیں رہتی۔ اس کے خاندان کی آمدنی بھی اتنی نہیں ہے کہ وہ گھر کے کام کاج کے لئے نوکرائی کا انتظام کر سکے یہاں ہم ازدواجی زندگی کی قدرتی و فطری ضروریات

بارے بات نہیں کرتے۔ یہ بھی فرض کریتے ہیں کہ وہ دائمی بیمار و عورت اپنے خاوند کو دوسری شادی کی اجازت دے دیتی ہے اور یہ کہ ایک ایسی عورت بھی مل جاتی ہے جو کچھ تعرض کے بعد اس آدمی سے شادی کرنے پر راضی ہو جاتی ہے مگر مغربی قانون اس رخ و الم اور مصیبت سے گھرے گھر میں خوشی لانے کے لئے ایک قانونی شادی کی بجائے بد اخلاقی و فحاشی کی اجازت دے گا۔

**403** اور اصل اسلامی قانون عقل و فہم سے قریب تر ہے کیونکہ یہ صرف اس صورت میں کثیرالازدواجی کو تسلیم کرتا ہے جب عورت خود اس قسم کی زندگی کے لئے رضا مند ہوتی ہے۔ اسلامی قانون کثیرالازدواجی کو لاگو نہیں کرتا بلکہ صرف چند حالات و واقعات میں اس کی اجازت دیتا ہے۔ ہم نے ابھی دیکھا کہ اس کا انحصار صرف اور صرف عورت کی رضا مندی پر ہوتا ہے۔ وقت و زاویہ نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ پہلی اور دوسری بیوی دونوں کے حوالے سے صحیح ہے۔ یہ کہنا غلط نہیں ہو گا کہ دوسری عورت پہلے سے شادی شدہ آدمی سے شادی کرنے سے منع کر سکتی ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ کوئی بھی شخص عورت پر اس کی رضا مندی کے بغیر شادی کے بندھن میں باندھنے کے لئے زبردستی نہیں کر سکتا۔ اگر عورت دوسری بیوی بننے پر راضی ہو جاتی ہے تو قانون کو مرد کے حق میں بہتر اور عورت کے لئے ظالم اور نا انصاف تصور نہیں کیا جاتا چاہیے۔ کثیرالازدواجی کا انحصار پہلی بیوی پر ہوتا ہے۔ کیونکہ اپنی شادی کے وقت وہ نکاح نامے میں اس شخص کے اندراج اور قبولیت کا تقاضا کر سکتی ہے کہ اس کا خاوند صرف ایک شادی کرے گا۔ یہ شرط بھی کسی دوسرے قانونی معاہدے کی شرط کی طرح قانونی طور پر جائز ہوگی۔ اگر عورت اپنے اس حق سے استفادہ نہیں کرنا چاہتی تو قانون اسے ایسا کرنے پر مجبور نہیں کرے گا۔ ہم نے صرف غیر معمولی و شاذ و نادر حالات و واقعات بارے بات کی ہے اور قانون کے پاس ان کے ممکن حل ہونا ضروری ہیں۔ کثیرالازدواجی اصول نہیں بلکہ استثناء ہے اور اس استثناء کے معاشرتی و سماجی کے ساتھ ساتھ مختلف و متنوع اور بھی فوائد و ثمرات ہیں۔ (یہاں ان کی تفصیلات کا بیان قدرے بھاری پن پیدا کرے گا) اور اسلامی قانون اپنی اس چمک دار ساخت پر واضح طور پر قابل فخر و اعزاز ہے۔

**404** قدیم مذہبی قوانین میں مردوں کی کثیرالازدواجی بارے کوئی پابندی نہیں پائی جاتی۔ تمام انجیل پیغمبر کثیرالازدواج تھے۔ یہاں تک کہ عیسائیت میں جو کہ ایک زوجگی کے مترادف بن چکا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کثیرالازدواجی کے خلاف ایک لفظ تک نہیں کہا دوسری طرف لوتھر (Luther)، میلکٹھن

(Melanchthon)، بوسر (Bucer) وغیرہ (محوالہ) "Dictionnaire de la Bible by Vigouroux زیر عنوان (Polygamie) جیسے ممتاز و نمایاں مذہبی پیشواؤں نے مینتھو (Matthew) کی انجیل (12-25:1) کا حوالہ دیتے ہوئے، دس دو ٹیڑھوں کی تمثیل کی کہانی سے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی کہ کثیرالازدواجی قانونی طور پر جائز ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے وہاں اس امکان کو مکمل طور پر محسوس کیا کہ ایک آدمی بیک وقت دس لڑکیوں سے شادی کر سکتا ہے۔ اگر عیسائی اپنے پیغمبر

این کی طرف سے، ای گئی اجازت سے مستفید نہیں ہونا چاہتے تو اس طرح قانون تو تبدیل نہیں ہو جاتا۔ مسلمانوں کے لئے بھی ایک واضح قانون موجود ہے جو کہ انسانی تاریخ میں واحد قانون ہے کہ جس نے قصعی طور پر کثیرالازدواجی تنہا قرار مقرر و متعین کی۔ عیسائی نظریہ و عیس اور رواج و روایت کو سمجھنے کے لئے اور اس کے علاوہ عام بحث کے لئے بھی ہم "انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا" کے مضامین "شادی" اور "کثیرالازدواجی" کے ساتھ ساتھ ویسٹر مارک (Westermarck) کی کتاب "History of Human Marriage" کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ ایک زوجگی کو اگر دوسری شادی کے خطر میں دیکھا جائے تو یہ شادی کی ایک خاص اور منفرد قسم لگتی ہے کیونکہ دوسری شادی کو ایک سنگین بحرانہ خوف و رزی اور گناہ کے ساتھ ساتھ مقدس چیز کی بے حرمتی جیسا فعل تصور کیا جاتا ہے جس کا ارتکاب واقعی بہت شاذ و نادر ہوتا ہے۔ شادی پر اس طرح کا خاص نمونہ اور بے چلک نظریہ جدید ترقی یافتہ مغربی ثقافت کے علاوہ شاید کہیں نہیں پایا جاتا۔ حتیٰ کہ عیسائی عقیدے میں بھی یہ اصول لاگو نہیں ہوتا۔ (مثلاً "انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا" زیر عنوان "شادی")۔ ایسا نہیں کہا جاسکتا کہ مغربی دنیا میں لازمی ایک زوجگی کو عیسائیت نے متعارف کروایا۔ عیسائیت نے سقف (Deacon) اور اسقف اعظم (Bishop) یعنی چھوٹے پادری اور بڑے پادری کے علاوہ کسی اور کو کثیرالازدواجی سے واضح طور پر منع نہیں کیا (1 Timothy, iii, 2) جو کہ سینٹ پال (St. Paul) کا مشورہ ہے جبکہ حضرت علیؑ نے اس بارے کچھ نہیں فرمایا۔ لیکن پچھلی اولین صدیوں میں کسی بھی چرچ کی کونسل نے کثیرالازدواجی کی مخالفت نہیں کی اور عیسائیت سے پہلے زمانہ کفر میں جب مختلف ملکوں کے بادشاہوں نے ایسا کیا تو ان کے راستے میں کسی بھی قسم کی رکاوٹ نہیں ڈالی گئی۔ چھٹی صدی عیسوی میں آئر لینڈ کے بادشاہ Diarmait کے حوالہ عقد میں دو ملکہ اور دو کنیزیں تھیں۔ (H.d'Arbois be Jubainville, "Cours de literature Celtique", vi, 292) فرانکس کے میروونجین (Merovingian) بادشاہ بھی کثیرالازدواج تھے۔ چارلس عظیم شاہی مین (Charlemagne) کی دو بیویاں اور کئی کنیزیں تھیں اور اس کے قوانین میں سے ایک قانون یہ ظاہر کرتا ہے کہ پادری بھی کثیرالازدواجی سے مستثنیٰ نہیں تھے۔

(A. Thierry, "Recits des temps Merovingiens" & L. Hallam, "Europe during the Middle Ages 1, 420" & Hellwald, "Die menschliche Familie", p. 588)

بعد ازاں ہس (Hesse) کے Philip اور پرشا (Prussia) کے فریڈرک ولیم دوم (Frederick William II) نے بھی لوٹھران چرچ کے منسز کی اجازت سے دو، دو شاہیاں کیں۔

(Friedberg, "Lehrbuch des katholischen und evangelischen kirchenrechts I, 436)

لوثر (Luther) نے خود و شادیوں کی اجازت دی اور پھر میلکنٹھن (Melanchthon) نے بھی ایسا کیا۔ (Koslin, "Martin Luther" II, 476) کئی مواقع پر کثیر الازدواجی بارے بات کرتے ہوئے لوثر نے لحاظ و مروت اور رواداری کا مظاہرہ کیا۔ (ایضاً، 693) ... 1650ء میں ویسٹ فلیا (Westphalia) میں اسن و سکون کے فوراً بعد (جب تیس سالہ جنگ کے نتیجے میں آبادی میں خاطر خواہ کمی واقع ہوئی) جنگی مجلس قانون ساز نے مغربی جرمنی کے شہر نیو رمبرگ (Nuremberg) میں ایک قرارداد منظور کی جس میں کہا گیا کہ اس وقت سے ہر شخص کو دو عورتوں سے شادی کی اجازت دی جانی چاہیے۔

(V. Hellwald, "Cours de literature celtique, p.599 note)-

کئی عیسائی فرقوں نے کثیر الازدواجی کے حق میں پرجوش و ولولہ انگیز دلائل دیے ہیں۔ سولہویں صدی کی پریسٹنٹ تحریک کے رکن نے منسٹر (Munster) شہر میں علی الاعلان تبلیغ کرتے ہوئے کہا کہ جو کوئی بھی سچا و مخلص عیسائی بننا چاہتا ہے تو اس کی بہت سی بیویاں ہونا ضروری ہیں۔ (ایضاً، صفحہ 558 نوٹ 1)۔ اور ساری دنیا جانتی ہے کہ مورمنز (Mormons) یعنی نیو یارک کے مسیحی کلیسا کے ممبران کثیر الازدواجی کو خدائی دستور و رواج قرار دیتے ہیں۔

(Westmarck, "History of Human Marriage III, 50-51)

اور یہ کہ مستند و معتبر مؤرخین نے اپنی مشہور زمانہ کتب میں واضح طور پر لکھا ہے کہ عیسائیوں کے عظیم مبلغین اور مہتمم مذہبی پیشواؤں مارٹن لوثر (Martin Luther) اور فلپ میلکنٹھن (Philip Melanchthon) دونوں نے انگلستان کے بادشاہ کو یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ شادی کے بندھن سے اکتنا بے گنجی کرنے کی بجائے ایک کے بعد دوسری شادی کر لے۔ ان کے اس مشورہ سے دنیا کا ہر صاحبِ فہم و بصیرت عیسائیوں کی ذہنیت کا بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے۔

(J.B. Boussuet, "Histories des variations des eglises Protestantes" livre VI, depuis 1573 jusqu'a l'an 1546 in: Oeuvres completes de Bousset, new edition at Bar-le-Duc, 1877, vol.III, 233-250, in particular p-244) مزید ملاحظہ کیجیے۔ "Dictionnaire de la Bible", by F.Vigouroux, Paris, 1912, vol. IV. 513, بعنوان ("Polygamie")

405 ﴿﴾ اسلامی قانون میں تنفیخ نکاح کا امکان بھی ہمیشہ سے موجود رہا ہے۔ خاوند کو اپنی بیوی کو طلاق دینے کا یکطرفہ حق حاصل ہے۔ بیوی بھی نکاح نامہ (شادی کا معاہدہ) پر دستخط کے دوران خلع کا حق حاصل کر سکتی ہے۔ عدالت انصاف بھی بیوی کی شکایت پر جوڑے کی علیحدگی کا حق رکھتی ہے بشرطیکہ اگر خاوند ازدواجی فرائض

پورے کرنے کے قابل نہ رہا ہو یا وہ کسی خاص نوعیت کی سنجیدہ بیماری میں مبتلا ہو یا وہ بغیر کسی اطلاع کے لمبے عرصے تک غائب رہے وغیرہ۔ مزید یہ کہ دوطرفہ طلاق بھی اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ جس میں دونوں فریقین باہمی رضامندی سے کچھ شرائط کی بنیاد پر اپنا ازدواجی تعلق مزید برقرار نہ رکھنا چاہتے ہوں۔ قرآن پاک اس بات پر زور دیتا ہے کہ میاں بیوی کو مکمل اور قطعی صحیحگی اختیار کرنے سے پہلے اپنے اختلافات کسی ثالث کے زور و پیش کرنے چاہئیں۔

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَأَبْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِمَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

(سورۃ النساء، آیت: 35)

**ترجمہ** ”اگر تمہیں کہیں میاں بیوی کے تعلقات بگڑنے کا خطرہ ہو تو ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کے خاندان میں سے مقرر کرو۔ اگر یہ دونوں صلح کر چاہیں گے تو اللہ ان دونوں میں موافقت کر دے گا۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے۔“

شافع محشر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بہر طور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ”اللہ عز و جس کے نزدیک جائز اشیاء میں سے سب سے نفرت انگیز شے طلاق ہے۔“ قوانین، اخلاقیات اور نصائح سبھی ایک دوسرے کی تکمیل کا باعث بنتے ہیں اور ان سب کا منبع و ماخذ صرف اور صرف قرآن وحدیث ہی ہے۔



## اسلام میں غیر مسلموں کا مقام و مرتبہ

406 دوری و نزدیکی، رشتہ داری و اجنبیت کے مابین فرق و تمیز اور امتیاز و تفریق کرنا ایک قدرتی و فطری امر ہے۔ ذہنی و اخلاقی ترقی و ارتقاء کے ساتھ ساتھ نسائی معاشرے میں غیر ملکیتوں کو جذب و قبول کرنے کا میلان و رجحان رہا ہے۔ اگر معاشرہ اپنے آپ کو محض خونی رشتہ داری اور قبائلی تعلق داری کی گروہ بندی تک محدود نہیں کرنا چاہتا تو غیر ملکیتوں کو حقوق قومیت و شہریت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نہ مل سکتے۔ اگر نسل کے علاوہ رنگ کو بنیاد بنا کر ایسا کیا جاتا تو پھر بھی یہی نتیجہ نکلتا کیونکہ جلد کے رنگ کو تو چھپایا بھی نہیں جاسکتا۔ جہاں تک زبان کا تعلق ہے سماجی و معاشرتی اتحاد و یکجہت میں اس حوالے سے غیر ملکیتوں کے جذب و قبول کے لئے طویل عرصہ درکار ہوتا ہے۔ اس ضمن میں مقام پیدائش بھی کسی خاص اہمیت کا حامل نہیں رہا کیونکہ انسان ہمیشہ شہری رہا۔ انہوں کی حد بندیوں کو عبور کرتے رہا ہے۔ سماجی و معاشرتی اتحاد و اتحاق کے مختلف نظریات و خیالات کے مطابق محض ایک قدرتی واقعہ و مادہ ہی اس کی بنیاد بنتا رہا ہے جو انسانی عقلیت پسندی سے زیادہ حیوانی جبلت پر انحصار رکھتا ہے۔ یہ ایک عام فہم امر ہے کہ اسام نے قومیت کے ان تمام نظریات و تصورات کو یکسر رد کیا ہے اور محض عقائد و افکار کی مطابقت کو قومیت کی بنیاد و اساس بنایا ہے اور اسے معاشرے کا بنیادی بندھن اور اتحاد و ملاپ کا بنیادی عنصر قرار دیا ہے کیونکہ یہ وہ نکتہ و نظریہ ہے جو پیدائشی مقامات اور دوسرے واقعات و حوالہ جات کو بنیاد بنانے کی بجائے انسان کے ذاتی فکری انتخاب و فوقیت دیتا ہے۔ چنانچہ ایسا معاشرہ ہی غیر ملکیتوں کو بہ آسانی قومیت و شہریت دینے اور جذب و قبول کرنے کا حامل ہوتا ہے اور اسی میں نسل انسانی کے تمام طبقات و قبائل بہ سہولت زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ یہ نکتہ و نظریہ زیادہ قابل عمل اور منطقی و دلیس کے قریب تر ہونے کی بنا پر کسی بھی فرد کو اسن و سکون اور اطمینان و تسلی کے ہم رکاب حیات مستعار و ناپائیدار کے لمحات بہتر طور پر گزارنے کا بہترین موقع فراہم کرتا ہے۔

407 اگر ایک توحید پرست مومن یا سرمایہ دار کو میڈیٹ ممالک میں ایک اجنبی و غیر متعلق فرد سمجھا جاتا ہے، ایک سیاہ فام کو سفید فام ممالک میں سماجی و معاشرتی تفریق و تمیز کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا ایک نمراطالوی کو اٹلی (اطالیہ) کا حقیقی باشندہ قرار نہیں دیا جاتا تو یہ امر بھی باعزت و احترام نہیں ہونا چاہیے اگر ایک غیر مسلم کو کسی اسلامی مملکت میں اجنبی و غیر متعلق فرد سمجھا جائے۔ خیالات و نظریات یا نکتہ ہائے نظر میں اختلاف ہو سکتا ہے تاہم ہر شخص اپنے قبیلہ و مکتبہ فکر اور دوسرے قبیلہ و مکتبہ فکر میں امتیاز ضرور کرتا ہے۔



﴿408﴾ ہر قسم کے دوسرے سیاسی یا سماجی نظام کی طرح، دین اسلام بھی اپنے ”متعلقین“ اور ”غیر متعلقین“ میں امتیاز کرتا ہے۔ مگر اس کی دو خصوصیات منفرد و ممتاز اور قابل ذکر ہیں۔ اول: یہ کہ جو افراد اس کے نظریات سے اتفاق کرتے ہیں وہ درمسانی طور پر اس امتیاز اور حد بندی سے مستثنیٰ قرار پاتے ہیں۔ دوم: یہ کہ دنیاوی معاملات میں دونوں کے ساتھ یکساں سلوک کیا جاتا ہے اور کسی قسم کا غیر مساویانہ دیتا نہیں دیا جاتا۔ اب ہم اس دوسرے پہلو پر روشنی ڈالنے کی بھرپور کوشش و کاوش کریں گے۔

## فرائض کا خدائی ماخذ:

﴿409﴾ کسی کو بھی اس حقیقت کی عملی اہمیت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ مسلمان جس نظام قانون کو ٹھہری اور عملی طور پر مانتے ہیں اس کا منبع و ماخذ خدائی ہے یعنی وہ نظام قانون محض کسی ملک کے لیڈروں کی اکثریت کی مرضی و مصلحت کا مجموعہ ہونے کی بجائے خلاقِ عظیم، رب کریم و رحیم کا تخلیق کردہ ہے۔ انسانوں کی اکثریت کے بنائے ہوئے قانون میں اقلیت کو اپنے خیالات و نظریات منونے کے لئے جدوجہد اور کوشش و کاوش کرنا پڑتی ہے۔ ہمارے دور کی جمہوری حکومتوں میں نہ صرف یہ کہ ہر الیکشن میں بیشتر اوقات اکثریتی جماعت مختلف ہو جاتی ہے بلکہ یہ جمہوری حکومتیں ہمہ قسم کے ذرائع ابلاغ اور اتحادی گروپوں کے زور پر فنی یا بگڑتی رہتی ہیں اور جو بھی جماعت برسرِ اقتدار آتی ہے وہ سابقہ حکمرانوں کی پالیسیوں کو تہ و بالا کرتے ہوئے دوسری تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ قوانین کو بھی بدل ڈالتی ہے۔ قطع نظر اس کے کہ اسلامی قوانین سماجی و معاشرتی رشتہ میں کس قدر جذب و قبولیت کی صلاحیت رکھتے ہیں یہ حقیقت بے مثل و ناقابل تردید ہے کہ اسلامی قوانین اپنے خدائی منبع و ماخذ ہونے کی بناء پر دنیا کے کسی بھی سیکولر نظام قانون کے مقابلے میں زیادہ مضبوط و مستحکم ہیں۔

﴿410﴾ اسلامی نظام قانون غیر مسلموں کے ساتھ انصاف کا حکم دیتا ہے اور ان کے ہرے مختلف قوانین پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت کرتا ہے۔ چنانچہ اسلامی مملکت و ریاست میں سیاسی لڑائیوں اور پارلیمانی انتخابات کے باعث غیر مسلموں کو کسی قسم کا کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوتا کیونکہ اسلامی حکمران یا پارلیمنٹ ان کے بارے میں اسلامی قوانین کو کسی صورت تبدیل نہیں کر سکتے۔

## بنیادی نظریات:

﴿411﴾ مومن و مسلمان اور منکر و کافر کسی صورت برابر نہیں ہو سکتے۔ مومن و مسلمان جنت الفردوس میں جائیں گے جبکہ منکر و کافر جہنم میں جائیں گے لیکن اس حقیقت کا تعلق آخرت سے ہے۔ جہاں تک دنیاوی زندگی کا تعلق ہے مسلمہ فقہاء نے ”متعلقین“ اور ”غیر متعلقین“ کے درمیان ہمیشہ تر مساویانہ سلوک و رویہ بارے بات کی ہے۔

﴿412﴾ جہاں تک مذہبی رہ اداری کا سوال ہے قرآن حکیم واضح طور پر بیان کرتا ہے کہ دین میں کوئی جبر نہیں۔

لَا اِكْرَاہُ فِي الدِّينِ ﴿٦﴾ (سورۃ البقرہ آیت)

**ترجمہ** ”دین کے معاملہ میں زبردستی نہیں ہے۔“

اسلامی مملکت میں متعل اور عارضی دونوں کے باشندوں کو محفوظ رکھنا دینی اور ضمیر کی آزادی کے حوالے سے مکمل ضمانت دی جاتی ہے۔

413 ﴿﴾ جہاں تک مہمان نوازی اور جائے پناہ و محفوظ ٹھکانہ دینے کا تعلق ہے چودہ سو سال سے زائد عرصہ سے اس پر بحسن و خوبی عمل ہو رہا ہے جس سے اس کی نظریاتی پوزیشن مزید مضبوط و مستحکم ہوئی ہے۔ ارشاد رب العزت ہے۔

وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الشُّرَکِیْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجْرُكَ حَتّٰی یَسْمَعَ کَلِمَ اللّٰهِ  
ثُمَّ اَبْلَغْهُ مَآرِفَهُ - ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿٦﴾

(سورۃ التوبہ، آیت: 6)

**ترجمہ** ”اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دو یہاں تک کہ اللہ کا

کلام سنے پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دو۔ یہ اس لئے ہے کہ وہ لوگ بے سمجھ ہیں۔“

نسلی، مذہبی، سیاسی تقصبات، زیادتیوں کے شکار اور دوسرے مظلومین نے ہمیشہ اسلامی مملکت میں ہی محفوظ ٹھکانہ اور جائے پناہ پائی ہے۔

**داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل:**

414 ﴿﴾ مدینہ منورہ میں داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام و استحکام حاصل کرنے کے بعد دیکھا کہ وہاں مکمل طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ اس علاقہ میں نہ تو کبھی سلطنت و مملکت قائم ہوئی تھی اور نہ ہی کسی بادشاہ نے طرفین کی تباہی کا موجب بننے والی خانہ جنگیوں میں ملوث قبائل کو یکجا و متحد کرنے کی کوشش و کاوش کی تھی۔ محض چند ہفتوں کے اندر ہی منتظم معظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم علاقہ کے تمام باشندوں کو منظم و متحد کرنے میں کامیاب و کامران ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی شہری ریاست تشکیل دی کہ جس میں مسلمان، یہودی اور عربی کفار کی کثیر تعداد کے ساتھ ساتھ قدرے مختصر تعداد میں عیسائی ایک معاشرتی معاہدہ کے تحت ایک ریاستی نظام و انتظام کے زیر اثر آ گئے۔

415 ﴿﴾ ”اولین مسلم“ ریاست مدینہ منورہ کے مختلف رہائشی گروپوں کی ایک کنفیڈریشن (نیم وفاقی حکومت) تھی۔ وہاں اس کی پہلی ”مسلم“ ریاست کا آئین و قانون اپنی مکمل حالت اور پورے متن کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے۔ اس کی شق نمبر 25 میں واضح لکھا ہے کہ ”مسلمانوں کا اپنا مذہب جبکہ یہودیوں کا اپنا مذہب کہ جس پر وہ عمل پیرا ہوں گے“ یا یہ کہ ”امداد و اعانت، تعاون و معاونت اور انصاف کی مملداری ہوگی“ لیکن اس کے

باوجود اسی شق نمبر 25 میں ایک غیر متوقع پیرا گراف بھی شامل ہے جس کے مطابق ”یہودی، مسلمانوں کے ساتھ ایک اتحادی (تشکیلی منصہ کے طور پر) قوم ہیں یعنی یہودی، مومنین کے ساتھ ایک سیاسی وحدت (یا اُمت) تسلیم کیے جاتے ہیں۔ (بحوالہ ابن بشر، ابو عبید)

416 یہ حقیقت ہے کہ مدینہ منورہ کی اس شہری ریاست کی تشکیل کے وقت خود مختار یہودی علاقوں نے مکمل آزادی اور اپنی مرضی و منشاء سے اس نیم وفاقی ریاست کو قبول و منظور کرتے ہوئے داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا اعلیٰ اور سب سے بڑا سیاسی حاکم و سربراہ تسلیم کیا۔ یہ امر ہمیں یہ رائے قائم کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے کہ کم از کم ملک کی سیاسی زندگی کے حوالے سے غیر مسلم رہنایا کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ مسلم ریاست کے سربراہ کے انتخاب میں اپنا دور استعمال کر سکے۔

417 دنیا کے اس پہلے تحریری دستور کے مطابق ریاست کا فوجی دفاع یہودیوں سمیت آبادی کے تمام طبقات کی ذمہ داری تھی اس سے ان کی ریاست کے منصوبوں، مشوروں میں شمولیت و ان کی تشکیل و تکمیل میں حصہ داری ظاہر ہوتی ہے۔ اس تحریری دستور کی شق 37 کے مطابق ”یہودیوں پر ان کے خرچہ کا ہر ہوگا جبکہ مسلمانوں پر ان کے خرچہ کا بار بار ہوگا اور جو کوئی اس دستور والوں سے جنگ کرے گا تو ان (یہودیوں اور مسلمانوں) میں ہا ہی مدد و معاونت ملے گی۔“ مزید یہ کہ شق 45 کے مطابق ”اگر اس دستور والوں (یہودیوں اور مسلمانوں) سے کوئی کسی ایک کے ساتھ صلح یا جنگ کرے گا تو یہ باہم متعلق و متحد رہیں گے اور منقسم نہیں ہوں گے۔“

418 داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شہری ریاست کے قیام کے چند ماہ بعد مدینہ منورہ کے گرد و نواح کے عربی کفار کے ساتھ دفاعی اتحاد اور باہمی امداد و اعانت کے قبضہ خیز اور فیصلہ کن معاہدے کیے۔ جن میں سے کچھ کفار نے تقریباً دس سال بعد اسلام قبول کر لیا۔ اس طویل عرصہ کے دوران باہمی مدد و معاونت کو عمل میں نہیں ہوا تھا جیسا کہ درج ذیل واقعات سے ظاہر ہوتا ہے۔

419 سن 2 ہجری میں کفار مکہ نے شاہ حبشہ نجاشی کے پاس ایک سفارتی وفد بھیجا تاکہ اس سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ اپنے ملک میں پناہ لینے والے انکی مسلمانوں کو ”محرم پناہ گزین“ قرار دے کر ان کے حوالے کرے۔ کفار مکہ کی اس مہم جوئی کی مدافعت کرنے کے لئے داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مسلمانوں کی حمایت کی خاطر کہ جنہوں نے اپنے ہی شہر کے باشندوں کے ہاتھوں مذہبی ظلم و ستم کی بناء پر حبشہ میں جائے پناہ تلاش کی تھی ایک سفیر حبشہ کی جانب روانہ فرمایا یہ سفیر اسلام حضرت عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ درحقیقت وہ مدینہ منورہ کے ہمسایہ اتحادی قبائل میں سے کسی ایک قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔

420 ایک دور میں جبکہ اسلامی مملکت کی وسیع و عریض سرحدوں پر مستقل جنگیں لڑی جا رہی تھیں تو اس وقت زندگیاں کے خاتمہ کے اندیشے اور جنگجوؤں کی معاشی صورت حال کو دیکھتے ہوئے فوجی خدمت و ملازمت کو

ذریعہ معاش کے طور پر اختیار کرنا آسان و اہل نہیں تھا۔ غیر مسلموں پر اعتماد بھروسہ بارے شکوک و شبہات کے پیش نظر جب انہیں فوجی سروس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا تو تمام غیر مسلم کہ جنہوں نے مسلم حکمرانی کو قبول و منظور کر لیا تھا غیر ملکیوں کے ساتھ جنگ سے اپنے اس اسٹیج کا خیرہ قدم کیا۔ وہ اب امن و سکون اور خوشی و خوشحالی کے ساتھ زندگی کے سفر میں رواں دواں رہ سکتے تھے جبکہ مسلمانوں کو جنگ سے منسلک تمام خطرات اور اندیشوں کے باوجود فوجی فرائض کی وجہ آوری کے لئے ذمہ داری دینی جاسکتی تھی۔ چنانچہ غیر مسلم معمولی انداز میں ٹیکس ”جزیہ“ ادا کرتے تھے جو کہ نہ تو بھاری تھا اور نہ ہی غیر منصفانہ تھا اور یہ کہ اس سے ان کی غورتیں، بچے اور غریب افراد مستثنیٰ تھے۔ رحمتہ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جزیہ کی رقم محض دس درہم سالانہ تھی جو کہ ایک اوسط درجہ کے خاندان کے دس روز کے اخراجات کے برابر تھی۔ مزید یہ کہ اگر کوئی غیر مسلم کسی سال کسی جنگی مہم میں حصہ لیتا تھا تو اس سے متعلقہ سال کا جزیہ نہیں ایا جاتا تھا۔ چند مخصوص و پیدہ مثالیں جزیہ کے حقیقی و اصلی کردار پر بہتر روشنی ڈال سکتی ہیں۔

﴿421﴾ اسلام کے آغاز میں جزیہ نہ ہی ریاست مدینہ منورہ اور نہ ہی کہیں اور نافذ ہوا تھا۔ اس کا حکم قرآن پاک میں سن 9 ہجری میں نازل ہوا۔ یہ موزونیت و اقدیت کا معاملہ تھا۔ سلام میں یہ کوئی لازمی و ضروری اعتقادی فریضہ نہیں تھا۔ ان واقعات سے یہ بات کافی حد تک واضح ہو جاتی ہے۔ ابن سعد کے مطابق رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرزند ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کے موقع پر اعلان کیا تھا کہ ”اگر یہ زندہ رہتا تو میں ابراہیم کی والدہ کی تعظیم و تکریم کے اظہار کے طور پر تمام قبیلوں کو جزیہ ادا کرنے سے مستثنیٰ کر دیتا۔“ (حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام حضرت ماریہ بنت الحنفیہ تھا اور وہ قبیلہ تھیں) اسی طرح امام سیوطی رحمہ اللہ (حسن المحضرہ، باب خلیج امیر المؤمنین) بیان کرتے ہیں کہ جب غیر مسلم مصریوں نے قدیم نہر (مشہور نہر امیر المؤمنین) کو فسطاط (قبرہ) سے بحیرہ احمر تک دوبارہ کھودنے و کھولنے کے منصوبہ پر عمل درآمد کے لئے مسلم حکومت کو اپنا ارادہ و عندیہ بیان کیا (تاکہ مصر سے اشیائے خوردنی مدینہ منورہ لانے کے لئے بحری ذریعہ مدد و رفت جاری کیا جاسکے) تو امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں جزیہ کی ادائیگی سے تاحیات مستثنیٰ قرار دے دیا۔ کچھ فقہاء کی رائے میں جزیہ کے حوالے سے مسلمانوں کے مفادات پر بین الاقوامی رد و عمل کو ضرور زیرِ غور لایا جانا چاہیے کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام پوری دنیا میں سرایت کر چکا ہے اور لاکھوں کی تعداد میں مسلمان ایسے ممالک میں رہ رہے ہیں جہاں غیر مسلم حکومتیں ہیں اور اگر اسلامی ممالک میں عیسائیوں، یہودیوں، ہندوؤں اور دوسرے غیر مسلموں سے جزیہ لیا جائے تو یقینی طور پر غیر مسلم حکومتوں والے ممالک میں موجود مسلمانوں کو رد و عمل کا سامنا ہوگا۔

﴿422﴾ داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہسٹری وصال پر حجاز کی یہودی اور عیسائی آبادیوں کی دوسرے علاقوں میں منتقلی کی ہدایت دی۔ اس کا سیاق و سباق روایات میں بیان نہیں کیا گیا تاہم یہ واضح ہے کہ اس کا تعلق علاقے کی کچھ آہوچوں کے سیاسی رویے سے تھا اور یہ کہ یہ پابندی عیسائی اور یہودی اقوام کے تمام افراد کے لئے عمومی طور پر نہیں تھی۔ یہ امر زیرِ غور رکھنا چاہیے کہ خلفاء راشدین کے ادوار میں مسلمانوں کے

غیر مسلم غلام اور لونڈیاں تھیں جو اپنے اپنے مالک و آقا کے ساتھ مکہ و مدینہ وغیرہ میں رہ کر پیش پذیر تھے۔ آزاد غیر مسلموں میں سے ایک مشہور و معروف حوالہ اس عیسائی ڈاکٹر کا ہے جس کے مریضوں کی مشاورت کے لئے مخصوص کمرہ کعبہ کی مسجد کے مینار کے عین نیچے تھے۔ وہاں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یا اس کے فوری بعد کے دور میں رہتا تھا۔ (ابن سعد جلد پنجم) اسی طرح ابن سعد (جلد سوم صفحہ 258) ایک عیسائی جندیہ کا بھی حوالہ دیتا ہے جو مدینہ منورہ کے رہائشی بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھاتا تھا۔

﴿423﴾ رحمۃ اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بستر وصال پر دی گئی ایک اور ہدایت یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ”غیر مسلم رعایا کو میری طرف سے دیئے گئے تحفظ و امان پر احتیاط و التزام کے ساتھ عمل کرو۔“ ابو داؤد نے داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور حدیث بیان کی ہے کہ ”جو کوئی غیر مسلم رعایا پر زیادتی و ظلم کرے گا وہ مجھے روزِ محشر غیر مسلم کی وکالت کرتا ہوا پائے گا۔“

﴿424﴾ ”علم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات و فرمودات اور اسوۂ حسنہ مسلمانوں کے لئے عظیم و ارفع ترین آئین کو وجود دیتے ہیں۔ مسلمانوں کے لئے جہاں تک اس آئین اور قوانین و ضوابط کو اپنی زندگیوں میں رائج و لاگو کرنے اور انہیں سیکھنے اور عمل کرنے کا تعلق ہے تاریخ کا مطالعہ از حد مدد و معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ سرِ وارد وہاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے ادوار میں ان پر کس طرح عمل و آمد ہوا اسے جانتا بھی ضروری ہے۔ اس ضمن میں ہم یہاں چند حقائق کو حوالہ دیتے ہیں۔“

## مابعد عمل:

﴿425﴾ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایک صوبائی گورنر نے اپنے لئے ایک غیر مسلم سیکرٹری کا انتخاب کیا۔ اس خبر کو سنتے ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حکم جاری کیا۔ ”غیر مسلم سیکرٹری کی جگہ مسلمان سیکرٹری رکھا جائے۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب متعلقہ صوبہ میں ابھی تک آسن و سکون قائم نہیں ہوا تھا بلکہ جنگِ جرنی و ساری تھی۔ اس حکم کو نئے فتح شدہ ملک کے باشندوں پر فطری و قدرتی عدم اعتماد اور سیکرٹری کے عہد کی اہمیت کے تناظر میں بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے رویہ کو بہتر طور پر جاننے و سمجھنے کے لئے آئیے اسی عظیم خلیفہ کے ایک اور واقعہ پر نظر ڈالتے ہیں۔ اس واقعہ کو اہلِ اذری نے ”الانساب“ میں بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ”ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شرم کے گورنر کو لکھ کر ان کے پاس ایک ایسا یونانی بھیجا جائے جو مملکت کی آمدنی کے حسابات کی بہتر طور پر ترتیب و تنظیم کر سکے۔“ اسی طرح انہوں نے مدینہ منورہ میں اس نظامت کا سربراہ ایک عیسائی کو مقرر کیا۔

﴿426﴾ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فوجی، معاشی اور انتظامی معاملات میں اکثر و بیشتر غیر مسلموں سے مشاورت کیا کرتے تھے۔

﴿427﴾ کسی کو بھی اس بات پر مسلمہ نوں کو مومور و الزام نہیں ٹھہرانا چاہیے کہ مسلمانوں نے اپنی مساجد میں

نماز کی امامت کی ذمہ داری محض مسلمانوں یعنی اپنے ہم مذہب افراد ہی کے لئے مخصوص کی ہوئی ہے۔ اسلام دراصل روحانی و دنیاوی تمام شعبہ ہائے حیات میں ربط و تعاون کی خواہش رکھتا ہے۔ یہ حقیقت ناقابل تردید ہے کہ مسجد میں نماز کی امامت کا اعزاز اور ذمہ داری سربراہ مملکت کی ہوتی ہے جو کہ مذہبی سربراہ بھی ہوتا ہے۔ اگر معاملے کی اس صورت حال کو مد نظر رکھا جائے تو یہ بات آسانی کے ساتھ سمجھ آ سکتی ہے کہ کسی مسلمان ریاست کا سربراہ کسی غیر مسلم کو کیوں منتخب نہیں کیا جاسکتا۔

﴿428﴾ یہ استثنائی صورت حال اس امر کی اجازت نہیں دیتی کہ ملک کے سیاسی و انتظامی معاملات میں غیر مسلموں کو شامل نہ کیا جائے۔ خلفائے راشدین کے دور سے غیر مسلم افراد مسلم ریاست میں وزراء کے عہدوں پر فائز رہے ہیں اس کے برعکس دنیا کے بہت زیادہ اہم اور مشہور سیکوریکر جمہوری ممالک میں بھی اس قسم کا عمل نظر نہیں آتا کیونکہ وہاں مسلم رعایا کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ خلفائے راشدین کا یہ عمل اسلامی تعلیمات کے خلاف نہیں تھا۔ اس کی شہادت معتبر و جید اور مستند قدیم لکھاریوں نے دی ہے اور شافعی فقہاء (جیسا کہ الماوردی) اور حنبلی فقہاء (جیسا کہ ابویعلیٰ الفراء) نے اس نظریہ کی حمایت کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی کہ غلیظہ وقت غیر مسلم رعایا کے افراد کو قانونی طور پر وزراء اور ایگزیکٹو کونسل سے ممبران نامزد کر سکتا ہے۔ ہم پہلے ہی اس بات کا تذکرہ کر چکے ہیں کہ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غیر مسلم کوسنیر کے طور پر حبشہ بھیجا تھا۔

## سماجی و معاشرتی خود مختاری:

﴿429﴾ غیر مسلموں کے ساتھ رویہ و برتاؤ کے حوالے سے دین اسلام کا شاید یہ سب سے روشن اور ممتاز و منفرد پہلو یہی ہے کہ اس نے غیر مسلموں کو سماجی و معاشرتی اور عدالتی خود مختاری عطا کی ہے۔ قرآن اس بارے میں تفصیل سے کہتا ہے کہ:

سَمِعُونَ لِلْكَذِبِ أَكْثُونَ لِلسُّبْحِ ۚ فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ  
أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَصُدُّكَ شَيْئًا ۚ وَإِنْ  
حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿٤٢٩﴾ وَكَيْفَ  
يَحْكُمُ لَكَ وَعِنْدَهُمُ الشُّرُوعُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ  
وَمَا أُولَئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٣٠﴾ إِنْ أَنْزَلْنَا الشُّرُوعَ فِيهَا لَهِيَ ذُنُوبُهَا  
يَهَا الشَّيْئُونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبِّيُّونَ وَالْأَخْبَانُ بِهَا  
اسْتَحْفَظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ ۚ فَلَا تَحْشَوْا نَاسًا وَاحْشَوْا  
وَلَا تَتَشَتَّرُوا بِالِأَيْتِي شِمَا قَلِيلًا ۚ وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِهَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ  
الْكٰفِرُونَ ﴿٤٣١﴾ وَكُتِبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنْ النَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنُ بِالْعَيْنِ وَ



برابر ہے۔ پھر جس نے معاف کر دیا تو وہ گناہ سے پاک ہو گیا اور جو کوئی اس کے موافق حکم نہ کرے جو اللہ نے اُتارا ہے تو وہی لوگ ظالم ہیں اور ہم نے ان کے پیچھے انہی کے قدموں پر عیسیٰ علیہ السلام، مریم کے بیٹے کو بھیجا جو اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا تھا اور ہم نے اسے انجیل دی جس میں ہدایت اور روشنی تھی۔ (وہ) اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والی تھی اور راہ بتانے والی اور ڈرنے والوں کے لئے نصیحت تھی اور چاہیے کہ انجیل والے اس کے موافق حکم کریں جو اللہ نے اس میں اُتارا ہے اور جو چیز اللہ نے اتاری ہے جو شخص اس کے موافق حکم نہ کرے تو وہی لوگ نافرمان ہیں۔ ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر بھی کتاب اتاری جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کے مضامین پر نگہبانی کرنے والی ہے۔ سو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان میں اس کے موافق حکم کریں جو اللہ نے اُتارا ہے اور جو حق آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آیا ہے اس سے منہ موڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور ایک واضح راہ مقرر کر دی ہے اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی امت کر دیتے لیکن وہ تمہیں اپنے دیئے ہوئے احکام میں آزمانا چاہتا ہے لہذا انبیوں میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو۔ تم سب کو اللہ کے پاس پہنچنا ہے پھر وہ تمہیں جنائے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔“

430 انہی احکامات انہی کی بنیاد پر داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں نے اسلامی ریاست و مملکت میں رہائش پذیر غیر مسلم رعایا کو عدالتی خود مختاری دی جو کہ نہ صرف غیر مسلموں کے ذاتی تشخص کے لئے تھی بلکہ کارجیات کے تمام معاملات (معاشرتی، تعزیری وغیرہ) کے لئے تھی۔ مثلاً صحیح العقیدہ قدامت پسند خلفاء کے دور کے ہم عصر عیسائی اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ مسلم حکومت نے عیسائی پادریوں کو کئی دنیوی و زمینی عدالتی اختیارات دیئے ہوئے تھے۔ عباسی خلفاء کے دور میں عیسائی اور یہودی سردار متعلقہ سلطنت کے ارفع و اعلیٰ طبقہ اور انتہائی معزز و مکرم افراد میں شمار ہوتے تھے اور ان کا خلیفہ سے بااواصلہ رابطہ رہتا تھا۔

431 پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں یہودیوں کا دینی عبادت و تعلیم کا اپنا ادارہ تھا۔ نجران (یمن) کے عیسائیوں کے ساتھ معاہدہ میں داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف وہاں کے رہائشیوں کی زندگیوں اور پرپرئی کی حفاظت کی ضمانت دی تھی بلکہ انہیں اپنے پادری اور بشارت کی تازہ دہی خود کرنے کا بھی اختیار دیا تھا۔

432 لوگوں کی کثیر تعداد میں یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ وہ اپنے گورنروں اور سرداروں کی زندگی کے ظاہری



اطوار (جیسا کہ لباس، اندازِ رُف آرائی، آبِ محفل و مجلس وغیرہ) کی اقل کرنے کی بھونڈی کوشش کرتے ہیں۔ نتیجتاً وہ اطوار سطحی طور پر عوام میں رچ بس جاتے ہیں جس سے حکمران طبقہ کو اگرچہ کوئی فائدہ نہیں ہوتا لیکن اس طبقے کا اخلاقی نقصان ضرور ہوتا ہے جو غلامانہ انداز سے نفل کا مرتکب ہوتا ہے۔ ایک اسلامی مملکت میں غیر مسلم افراد محفوظ طبقہ (ذمی) کے طور پر رہے ہوتے ہیں چنانچہ حکومتِ وقت کا فرض ہوتا ہے کہ وہ ان ”غیر متعلقین“ کے قانونی مساوات کا تحفظ کرے اور یہی بات ہمیں عباسی خلفاء کے دور میں نظر آتی ہے کہ جس میں ”غیر متعلقین“ کو قوت و طاقت کے زور پر اپنے رنگ میں رنگ لینے کے بجائے حکومتِ وقت نے ہمہ قسم کی نقالی کی حوصلہ شکنی کی۔ یوں مسلمانوں، عیسائیوں، یہودیوں، زرتشتیوں اور دوسروں نے اپنے اپنے لباس کے انداز، سہجی و معاشرتی اطوار اور اپنی ممتاز و نمایاں انفرادیتوں کو قائم و برقرار رکھا۔ مختلف اقوام کو غلط ملط کر کے ابتری و بے ترتیبی پیدا کرنے کی بجائے دینی و مذہبی تبدیلی اور رجوع الی اللہ کے ذریعے اپنے میں عمل طور پر سمو لینے کی خواہش کی گئی۔ یہ اس حقیقت کا واضح ثبوت ہے کہ اسلام میں مذہبی و دینی ضروریات کے تحت مسلمانوں کے کلچر کا فروغ کوئی مسئلہ و معاملہ نہیں رہا (داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں کسی بھی صورت ایسی کوئی بات نہیں ملتی) بلکہ متعلقہ دور کے سماجی و معاشرتی نظریات سے مطابقت رکھتے ہوئے اپنی زندگی، اپنے کلچر کے مطابق گزارنے کی ہر کسی کو اجازت دی گئی اور اس کا بنیادی مقصد اور مطمح نظر یہی تھا کہ پسینی نظر میں ہر شخص اور ہر فرد کے بارے علم ہو جائے کہ وہ کس قوم سے تعلق رکھتا ہے تاکہ ہر کسی کی داخلی و باطنی اور اصلی حقیقی اقدار اور ان کے نقائص نمایاں اور واضح طور پر ابھر کر سامنے آجائیں۔ برسیل تذکرہ یہ بات بھی دہرائی جاسکتی ہے کہ اسلام میں قومیت کی بنیاد نسلی و خاندانی تعلق اور جائے پیدائش کی بجائے نظریاتی نظام (دین) کی شناخت پر قائم ہے۔

﴿433﴾ اسلامی سلطنت و مملکت میں ہر فرد (چاہے وہ دیسی ہو یا بدیسی، ملکی ہو یا غیر ملکی) کی شخصیت، دوست اور عزت کی مکمل طور پر حفاظت کی جاتی ہے۔ لمحہ موجود میں نافذ قانونی کتاب ”شرح الہدایہ“ میں یہ صریحاً درج ہے کہ ”کسی فرد کی جبک عزت اور بدنامی و رسوائی کرنا، چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، منع ہے۔“ مستند و معتبر فقہی کتاب ”بحر الرعیق“ میں واضح طور پر لکھا ہے کہ ”جس طرح موت کے بعد مردہ مسلمانوں کی ہڈیوں کی حفاظت کی جاتی ہے اسی طرح غیر مسلموں کا بھی حق ہے کہ ان کی موت کے بعد ان کی ہڈیوں کی عزت و حفاظت کی جائے۔ ان کی بے حرمتی کی قصعی اجازت نہیں ہے کیونکہ اگر غیر مسلم کی زندگی میں اس کی جبک عزت کرنا منع ہے تو اس کو دی گئی محافظت کی بنیاد پر اسی طرح اس کی موت کے بعد بھی اس کی ہڈیوں کی بے حرمتی منع ہے۔“ فقہاء اس امر پر متفق ہیں کہ اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم خاتون کی معصمت دری کرتا ہے تو اسے بھی وہی سزا ملے گی جو کسی مسلمان خاتون کی معصمت دری پر مقرر ہے۔

﴿434﴾ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دو خلافت میں چند مسلمانوں نے ایک یہودی کی زمین پر ناجائز قبضہ کر کے اس پر مسجد تعمیر کر دی۔ خبر ملنے ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مسجد شہید کرنے اور یہودی کو زمین واپس کرنے کا حکم جاری کیا۔ ایک لبنانی عیسائی پروفیسر کر دی (Cardahi) اس حوالے سے لکھتا ہے کہ ”اس

شدہ مشروبات کا استعمال مسلمانوں کے لئے ممنوع ہے جبکہ مسلم ملک کے غیر مسلم باشندوں کو نہ صرف الکحل سے تیار شدہ مشروبات پینے کی مکمل آزادی ہے بلکہ ان کے تیار کرنے، درآمد کرنے اور فروخت کرنے کی بھی اجازت ہے۔ یہی صورت سال قمار بازی، قمری رشتہ داروں سے شادی اور سود سے مشروط معاہدوں وغیرہ کے لئے بھی ہے۔ پرانے اور میں اس سے مسلمانوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا، اور ان کا غلط استعمال اور رُغل بھی شرف، نام اور بھی بکھار ہی ہوتا تھا۔ جہاں تک بین الاقوامی تجارت کا تعلق ہے جدید فقہاء نے اس کی آزادی پر پابندی لگائی ہے۔ الکحل سے تیار شدہ مشروبات کے استعمال پر پابندی کی کوششیں غیر موثر رہیں گی اگر انہیں تمام آبادی (مسلم وغیرہ مسم) پر لاگو نہ کیا جائے مگر غیر مسلموں کے نمائندوں کی مرضی و منشاء نے فقہاء کا کام آسان کر دیا ہے جو اصولی طور پر اپنے مذہب سے مختلف رکھنے والی اقوام کے معمولات و اعمال میں مداخلت نہیں کریں گے۔

439 جہاں تک مسلمانوں سے رشتہ داری کا تعلق ہے اسلامی قانون مختلف غیر مسلم اقوام میں تمیز و امتیاز کرتا ہے۔ اسلامی قانون غیر مسلموں کو دو طبقوں میں تقسیم کرتا ہے جنہیں ”ترقی یافتہ“ اور ”قدیم“ کہہ سکتے ہیں۔ دوسرے اقلوں میں ایک وہ جو خدائے واحد پر یقین رکھتے ہیں اور اپنے مذہب کے بانی پیغمبروں پر اتارے گئے خدائی احکامات پر عمل کرتے ہیں۔ دوسرے وہ جو ایسا نہیں کرتے (مثلاً بت پرست، ہیریہ، ملحد کافر، روحیت، مظاہر پرست، مشرک وغیرہ) مسلم مملکت و سلطنت میں ان تمام کو بطور رعایا و رواداری کے ساتھ قبول کیا جاتا ہے اور انہیں ضمیر و زندگی کی حفاظت و آزادی کی ضمانت دی جاتی ہے تاہم ایک مسلمان اپنی پرائیویٹ زندگی میں مختلف سلوک دروہہ رکھتا ہے۔ ایک مسلمان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ”ترقی یافتہ“ غیر مسلم عورت سے شادی کر سکتا ہے مگر ”قدیم“ غیر مسلم عورت سے شادی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح ایک مسلمان نہ صرف عیسائی یا یہودی خاتون سے شادی کر سکتا ہے بلکہ اسے اپنے مذہب کو برقرار رکھنے کی بھی اجازت دے سکتا ہے۔ وہ خاتون چرچ یا یہودی معبد میں جا سکتی ہے، وہ شراب پی سکتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایک مسلمان مرد و عورت سے شادی کرنا منع ہے جو ایک خدا پر یقین نہ رکھتی ہو یا بت پرست ہو، مشرک ہو۔ ایک مسلمان عورت کسی بھی غیر مسلم مرد سے شادی نہیں کر سکتی چاہے وہ غیر مسلموں کے کسی بھی طبقہ سے تعلق رکھتا ہو۔ مزید یہ کہ ایک مسلمان ”قدیم“ اقوام کے افراد کے ہاتھوں ذبح کیے گئے جانوروں کا گوشت نہیں کھا سکتا۔

## تبدیلی مذہب:

440 اسلامی قانون واضح اور غیر مبہم انداز میں غیر مسلموں کو ان کے اپنے عقائد و نظریات قائم رکھنے کی اجازت دیتا ہے اور اگر اسلامی قانون سر سچا اس بات سے منع کرتا ہے کہ دوسرے مذاہب کے افراد کو زور و زبردستی کے ساتھ دائرہ اسلام میں داخل کیا جائے تو وہ اپنے ماننے والوں اور پیروکاروں کے لئے انتہائی سخت نظم و ضبط بھی برقرار رکھتا ہے۔ اسلامی ”قومیت“ کی بنیاد نسلی، لسانی یا علاقائی پہلوؤں پر استوار ہونے کی بجائے خالص مذہبی و دینی معاملات پر قائم ہے۔ نتیجتاً اپنے مذہب سے غداری و ارتداد کو ناگوار سمجھنا سیاسی بغاوت سمجھا جاتا

یہودی کا گھر ”بیت الیہودی“ کے نام سے اب بھی موجود ہے اور اس واقعہ کی نسبت سے مشہور و معروف ہے۔ ایک اور نمایاں مثل ابن کثیر اور دوسروں نے دمشق کی جامع مسجد کی دی ہے۔ ایک اموی خلیفہ نے مسجد کی توسیع کے لئے چرچ پر قبضہ کر لیا تھا۔ بعد ازاں جب خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو اس امر کی شکایت کی گئی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد کے توسیعی حصہ کو گرانے اور چرچ کو بحال کرنے کا حکم دیا لیکن عیسائیوں نے اپنی مرضی و منشا اور خوشی و خوشدلی سے مالی تلافی کو ترجیح دی اور یوں معاملہ باہمی رضہ مندی سے طے ہو گیا۔

﴿435﴾ آئے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ (طبقات ابن سعد، جلد پنجم، صفحہ 280) کے ایک سرمکر کا حوالہ دیتے ہیں جو کہ مزید ایک واضح شہادت ہے۔

”اللہ تبارک و تعالیٰ کے نام سے جو از حد مہربان، ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔ رب (قادر و قدیر) کے (سپاہی) خدمت گار اور مومنین کے کمانڈر عمر بن الخطاب (ابن عبدالعزیز) کی جانب سے (گورنر) عدی ابن ارت اور اس کے مصاحب مسلمانوں کے نام۔ تم پر سلامتی ہو۔ تمام تعریفیں اس اللہ کے ستے ہیں کہ جس کے عاواہ اور کوئی خدا نہیں۔ ازاں بعد: غیر مسلموں کی حالت پر توجہ دو اور ان کے ساتھ نرم رویہ رکھو۔ اگر ان میں کوئی بڑھاپے کی منزل کو پہنچ جائے اور اس کے پاس (آمدنی کے) ذرائع نہ ہوں تو یہ تم ہو گے جو ان پر خرچ کر دو گے۔ اگر اس کی برادری کے افراد موجود ہیں تو ان سے مطالبہ کرو کہ وہ اس پر خرچ کریں۔ اگر کوئی شخص اس کے ساتھ سماجی و معاشرتی ظلم و زیادتی کرے تو اس کا قصاص و بدلہ لو۔ یہ ایسے بے جیسا کہ تمہارا کوئی غلام ہو اور وہ بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائے تو تمہیں چاہیے کہ یا تو اس کی موت تک اسے خرچ دو یا اسے آزاد کر دو۔ مجھے علم ہوا ہے کہ تم شراب کی درآمد پر عشر قبول کرتے ہو اور اسے رب العزت سے منسوب خزانے میں جمع کرتے ہو۔ میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ چاہے وہ کتنی ہی تھوڑی رقم کیوں نہ ہو اسے رب العزت سے منسوب خزانے میں کبھی بھی جمع نہ کرو جب تک کہ وہ قانونی طور پر پاکیزہ و خالص نہ ہو۔ تم پر سلامتی ہو۔“

﴿436﴾ خلیفہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اور خط (طبقات ابن سعد، جلد پنجم، صفحہ 252) اس طرح ہے کہ:

”اپنے بھی کہتے (رجسز) غیر منصفانہ نامہ کیے گئے ٹیکسوں سے پاک صاف کر لو اور پرانی فائلوں کا (بھی) مطالعہ کرو۔ اگر کسی مسلم یا غیر مسلم کے ساتھ کسی قسم کی نا انصافی ہوئی ہے تو اسے اس کا حق واپس کر دو۔ اگر ایسا کوئی فرد فوت ہو گیا ہے تو اس کے حقوق اس کے ورثاء کو ملو۔“

﴿437﴾ یہ ایک عالم عام کی بات ہے کہ مسلمان فقہاء بمسایوں کا حق شیعہ تسلیم کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنی غیر منقول جائیداد فروخت کرتا ہے تو اجنبی کی نسبت ہمسائے کا حق فاق ہے۔ یہ حق غیر مسلموں کے لئے بھی تسلیم کیا گیا۔

﴿438﴾ مسلم مملکت و سلطنت میں غیر مسلموں کے حقوق کی اس حد تک محافظت کی گئی ہے کہ انہیں دین اسلام کی روایات و رسومات سے یکسر متصادم رسومات پر عمل پیرا ہونے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ مثلاً الکمل سے تیار

ہے۔ یہ سچ ہے کہ اس جرم کی مزاحمت جاتی ہے لیکن تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ اس کی ضرورت بمشکل ہی پڑی ہے۔ نہ صرف اس دور میں کہ جب بحر الکاہل سے بحر اوقیانوس تک مسلمانوں کی عظیم حکمرانی تھی بلکہ ہمارے اپنے دور کہ جہاں اب مسلمانوں میں سیاسی، دینی اور ذہنی و فکری تنزوریات پائی باقی ہیں یہ ایک حیران کن حقیقت ہے کہ مسلمانوں میں ارتداد اور تبدیلی مذہب کا جو بالکل نہیں پایا جاتا۔ یہ بات نہ صرف ان علاقوں کے لئے سچ ہے کہ جہاں مسلم ریاست کی مشابہت پائی جاتی ہے بلکہ دوسرے ممالک میں استعماری و مستعمراتی طاقتیں اپنی حتی المقدور اور حتی الوسع کوششوں کے باوجود مسلمانوں کو ان کا مذہب تبدیل کرانے میں ناکام و نامراد رہی ہیں جبکہ اس کے برعکس فن لینڈ اور ناروے سے اٹلی تک، کینڈا سے ارجنٹائن تک کی مغربی عوام میں اسلام اپنی جڑیں مضبوط و مستحکم کر رہا ہے اور یہ سب کچھ کسی منظم مشنری و تبلیغی تحریک و تنظیم کے بغیر ہو رہا ہے۔

### مقدس جنگ (HOLY WAR):

﴿441﴾ آئیے اس مختصر بیان کو اس سوال بارے چند الفاظ کھ کر ختم کرتے ہیں کہ جس کی وجہ سے غیر مسلم حلقوں میں از حد غلط فہمی پائی جاتی ہے۔ یہ اس خیال و تصور اور فکر و نظریہ کے حوالے سے ہے کہ جو عام طور پر ”مقدس جنگ“ بارے قائم کیا جاتا ہے۔ ایک مسلمان کی تمام تر زندگی (چاہے اس کا تعلق روحانی معاملات سے ہو یا دنیاوی و زمانی حالات سے ہو) قانون الہی کے تحت نظم و ضبط سے عبارت ہے اگر ایک مسلمان اثبات جرم اور توثیق گناہ کے بغیر محض دکھاوا بناوٹ کی نماز ادا کرتا ہے تو وہ اس کی عبادت نہیں بلکہ اللہ کے خلاف جرم اور اپنی ذات و شخصیت کی پرستش ہے کہ جس کی مزار و محشر ملے گی۔ اس کے برعکس اگر ایک مسلمان اس نیت سے کھنا کھاتا ہے تاکہ احکامات الہی کی دانگی کے لئے ضروری قوت و طاقت حاصل کر سکے اور حتیٰ کہ وظیفہ و وجیت بھی اس نیت سے ادا کرتا ہے کہ وہ حکم الہی کی اطاعت کر رہا ہے تو اس کے یہ دونوں ضرورت و لطف اندوزی کے عمل متبرک و مقدس عمل کہلائیں گے اور عبادت میں شریہوں گے و در رسول رحمت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق رب رحمن و رحیم نے ان کی بہتر جزا کا وعدہ فرمایا ہے۔

﴿442﴾ یہی ہے زندگی کا وہ نظریہ جو اسلام کی عطا ہے کہ جس میں دیانندارانہ و منصفانہ کوشش و کاوش ایک متبرک و مقدس عمل کے سوا اور کچھ نہیں۔ اسلام میں حکم الہی کے تحت اعلیٰ و ارفع اور بہتر و برتر مقصد کے حصول کی خاطر جنگ کے علاوہ ہمہ قسم کی جنگ کی ممانعت ہے۔ داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ سے محض تین قسم کی جنگوں کا حوالہ ملتا ہے: ① دفاعی ② تعزیری ③ احتیاطی..... بازنطینی سلطنت میں مسلمان سفیر کے قتل کے حوالے سے بازنطینی شہنشاہ ہرقل کے نام مشہور و معروف خط میں معلم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کو تین مقادیر تجاویز دی تھیں۔ ”مشرف بہ اسلام ہو جاؤ یا اگر تمہاری رعایا میں

سے کوئی اسلام قبول کرنے کی خواہش رکھتا ہے تو تم کسی قسم کی مداخلت نہ کرو یا جزیہ ادا کرو۔“ (ابو عبیدہ کتاب الاموال 55) سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہد کا مقصد و محور یہی تھا کہ دنیا میں ضمیر کی آزادی قائم کی جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کسی کی عظیم تر اتھارٹی ہو سکتی ہے؟ یہ بے مسلمانوں کی ”مقدس جنگ“ (HOLY WAR) کہ جس کا مقصد استحصال و ناجائز انتفاع نہیں بلکہ قربانی کے جذبہ کے تحت حکم خداوندی کی ترویج و شاعت ہے۔ اس کے علاوہ باقی سب کچھ غیر قانونی ہے۔ لوگوں کو زور و جبر اور جنگ و جدال کے ساتھ دائرۃ اسلام میں داخل کرنے کا مطلقاً سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ تو پھر غیر مقدس جنگ ہو گئی۔



## آرٹس اور سائنسی علوم میں مسلمانوں کا کردار

﴿443﴾ جس قدر زیادہ تعداد میں سائنسی علوم میں ترقی ہی زیادہ تعداد میں مستند و ماہر مومنین کی ضرورت ہے جو سائنسی علوم کے ہر شعبہ و شاخ کی ترقی میں مسلمانوں کے کردار کا حقیقی احاطہ کرنے اور اس از حد وسیع موضوع کے عام جائزہ کی ترتیب و تشکیل میں مدد و معاون ثابت ہو سکیں۔ اس موضوع سے ساقطہ عہدہ برآ ہونے کا اضع کے بغیر یہاں وہ معلومات دینے کی کوشش و کاوش کی گئی ہے کہ جو آرٹس اور سائنسی علوم کی ترویج و ترقی میں مسلمانوں کے عمومی کردار پر روشنی ڈالتی ہیں۔

### عمومی رویہ:

﴿444﴾ اسلام محض انسان و ربّ ربّین کے مابین رشتہ و تعلق سے بیان پر مشتمل دین نہیں بلکہ یہ ایک جامع اور کامل و اکمل نظریہ حیات ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ آرٹس اور سائنسی علوم کے حصول کے حوالے سے اسلامی رویہ کا جائزہ پیش کیا جائے۔

﴿445﴾ سلام کسی صورت بھی اعلیٰ و ارفع اور بہتر و برتر دنیاوی زندگی کی حوصلہ شکنی نہیں کرتا۔ ربّ ربّین و رحیم قرآن پاک میں بار بار اس حوالے سے ہدایات دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس کی عطا کروہ نعمتوں سے پورا پورا فائدہ اور لطف اٹھاؤ۔ مثلاً

قُلْ مَنْ حَزَنَهُ زِينَةُ الدُّنْيَا أَلَّتْ يَآخِرَ جَلْبَابِهِ ۖ وَالْظَّالِمِينَ مِنَ الدُّنْيَا قُلْ  
لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً ۖ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ كَذَلِكَ  
نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٣٢﴾

(سورۃ الاعراف: آیت: 32)

**ترجمہ** ”(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجیے کہ اللہ کی زینت کو کس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے اور کس نے کھانے کی صاف ستھری چیزیں (حرام کیں)۔ کہہ دو کہ دنیا کی زندگی میں یہ نعمتیں اصل میں ایمان والوں کے لئے ہیں۔ قیامت کے روز خالص انہی کے لئے ہو جائیں گی۔ اسی طرح ہم آیات مفصل بیان کرتے ہیں ان کے لئے جو سمجھتے ہیں۔“

اور رب قادر و قدیران بندوں کی تعریف فرماتا ہے کہ جو:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿٢٠١﴾

(سورۃ البقرہ، آیت: 201)

**ترجمہ** ”اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں نیکی اور آخرت میں

بھی نیکی دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔“

قرآن الحکیم لوگوں کو تعلیم دینا ہے کہ:

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ فِيمَ بَيْنَ الدُّنْيَا  
وَالْآخِرِينَ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفُسَادَ فِي الْأَمْوَالِ ۚ إِنَّ اللَّهَ  
لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٢٠٢﴾

(سورۃ القصص، آیت: 77)

**ترجمہ** ”اور جو کچھ تجھے اللہ نے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر حاصل کر اور اپنا حصہ

دنیا میں سے نہ بھول اور بھلائی کی طرح اللہ نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے ورنہ

میں فساد کا خواہاں نہ ہو۔ بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

بہتری و بھلائی کی یہی تلاش و جستجو ہے جو انسان کو پڑھنے اور سیکھنے کی طرف مائل و قائل کرتی ہے اور اسے ترغیب و

تحریر دیتی ہے کہ وہ کائنات میں موجود ہر شے کا اتنی الوع بہتر و برتر طریقہ و سیلہ سے علم حاصل کرے تاکہ وہ نہ

صرف ان کے فوائد و ثمرات پاسکے بلکہ رب قادر و قدیر کا شکر گزار بھی بن سکے۔ قرآن مجید فرقان حمید واضح طور پر

اعلان کرتا ہے کہ

وَلْتَذْكُرُوا مَن لَّا يَشْكُرُ فِي الْأَمْوَالِ ۚ وَجَعَلْنَا لَكُمُ فِيهَا مَعَاشٍ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿١٠﴾

(سورۃ الاعراف، آیت: 10)

**ترجمہ** ”اور ہم نے تمہیں زمین میں جگہ دی اور اس میں تمہاری زندگی کا سامان بنا

دیا۔ (مگر) تم بہت کم شکر کرتے ہو۔“

رب کریم و عظیم نے ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ:

وَجَعَلْنَا لَكُمُ فِيهَا مَعَاشٍ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهُ بِزَاقِينَ ﴿٢١﴾ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ  
إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ نُمُودُهُ أَلا يُفْقَدُ بِمَعْلُومٍ ﴿٢٢﴾

(سورۃ الحجر، آیات: 21, 20)

**ترجمہ** ”اور اس (زمین) میں تمہارے لئے روزی کے اسباب بنا دیئے اور ان کے

لئے بھی جنہیں تم روزی دینے والے نہیں ہو۔ اور ہر چیز کے ہمارے پاس خزانے ہیں اور ہم صرف اسے اندازہ معین پر نازل کرتے ہیں۔“

اور مزید یہ کہ:

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَلَوَاتٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٩﴾

(سورۃ البقرہ، آیت: 29)

**ترجمہ** ”اللہ وہ ہے جس نے جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے لئے پیدا کیا ہے پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو انہیں سات آسمان بنایا اور وہ ہر چیز جانتا ہے۔“

رب قادر و قدیر نے مختلف مقامات پر انسان کو غور و فکر کی دعوت دیتے ہوئے اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے مثلاً  
الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرًا وَبَاطِنًا ۚ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُبَادِلُ فِي الشُّبُهَاتِ عِلْمَ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿٣٠﴾

(سورۃ لقمان، آیت: 20)

**ترجمہ** ”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اللہ نے تمہارے کام پر لگا رکھا ہے اور تم پر اپنی ناطہ بری اور باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں اور لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں جو اللہ کے معاملے میں جھگڑتے ہیں۔ نہ انہیں علم ہے اور نہ ہدایت ہے اور نہ روشنی بخشنے والی کتاب ہے۔“

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَعْيُنِكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ذَاتَ بَيِّنَاتٍ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ

(سورۃ ابراہیم، آیات: 32، 33)

**ترجمہ** ”اللہ وہ ہے جس نے آسمان اور زمین بنائے اور آسمان سے پانی نازل کیا۔ پھر اس سے تمہارے کھانے کو پھل نکالے اور کشتیاں تمہارے تابع کر دیں تاکہ دریا میں اس (اللہ) کے حکم سے چلتی رہیں اور زمیں تمہارے تابع کر دیں۔ اور سورج اور چاند کو تمہارے تابع کر دیا جو ہمیشہ چلنے والے ہیں اور تمہارے لئے رات اور دن کو تابع کیا۔“



وَسَخَّرْنَا لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِي ۚ  
إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿١٢﴾

(سورۃ النحل، آیت: 12)

**ترجمہ** ”اور رات اور دن اور سورج اور چاند کو تمہارے کام میں لگا دیا ہے اور اسی کے حکم سے ستارے بھی کام میں گئے ہوئے ہیں۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سمجھ رکھتے ہیں۔“

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۚ  
وَيُوسِطُ السَّمَاءَ أَنْ تَقْدَمَ عَلَى الْأَرْضِ ۚ وَالْأَيَادِي ذُنُوبُهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ  
لَخَبِيرٌ وَدُفٍ ۝ ﴿١٣﴾

(سورۃ الحج، آیت: 65)

**ترجمہ** ”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے زمین کی سب چیزوں اور کشتیوں کو تمہارے تابع کر دیا ہے جو دریا میں اس کے حکم سے چلتی ہیں اور آسمان کو زمین پر گرنے سے تھامے ہوئے ہے مگر اس کے حکم سے۔ بے شک اللہ لوگوں پر نرمی کرنے والا نہایت رحم والا ہے۔“

رُسُلًا يَشَاءُ عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ مَبِينَاتٍ لِّبِخُرَجِ الَّذِينَ آمَنُوا أَوْ يَعْبُوهَا  
الضَّلَاحِ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَجْعَلْ لَهُ مَا يَلْفِظُ مِنْ  
جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ قَدْ أَحْسَنَ اللَّهُ لَهُ  
رِزْقًا ۝ ﴿١٤﴾ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ  
الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۚ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ  
بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝ ﴿١٥﴾

(سورۃ الملاق، آیت: 12, 11)

**ترجمہ** ”ایک رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) جو تمہیں اللہ کی واضح آیت پڑھ کر سناتا ہے تاکہ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے جائے اور جو اللہ پر ایمان لائے اور اس نے نیک کام بھی کیے تو وہ اسے ایسے ہنسون میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ نے اس (مومن) کو بہت اچھی روزی دی ہے۔ اللہ ہی ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور

زمینیں بھی اتنی ہی (پیدا کیں) ان میں حکم نازل ہوا کرتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ نے ہر چیز کو علم سے احاطہ کر رکھا ہے۔“

ایک طرف قرآن انجیم انسان کو رب وحدہ لاشریک کی پوجا و پرستش اور عبادت و اطاعت کی یاد دہانی کراتا ہے:

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ ۚ الَّذِي أَنشَأَهُمْ مِنْ جَوْعٍ وَأَمْنَهُمْ  
مِنْ خَوْفٍ ۖ

(سورۃ الفریقین، آیات: 3، 4)

**ترجمہ** ”ان کو اس گھر کے مالک کی عبادت کرنی چاہیے جس نے ان کو بھوک میں کھلایا

اور ان کو خوف سے امن دیا۔“

جبکہ دوسری طرف قرآن مجید فرقان جمید کاشش و کاوش اور جدوجہد کی ضرورت پر زور دیتا ہے۔

وَأَنْ تَكُونَ لِلنَّاسِ إِلَّا مَاسِيًۖ

(سورۃ النجم، آیت: 39)

**ترجمہ** ”اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جو وہ کوشش کرتا ہے۔“

قرآن پاک نہ صرف انسان کو غور و فکر اور تحقیق کے لئے راغب کرتا ہے:

قُلْ سَيُّئُوا إِلَى الْأَرْضِ فَادْطَرُّوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ ۚ كَانَ  
أَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ۝

(سورۃ الروم، آیت: 42)

**ترجمہ** ”(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دو کہ زمین میں چلو، پھر اور دیکھو جو لوگ پہلے

گزرے ہیں ان کا کیسا انجام ہوا۔ ان میں سے اکثر مشرک ہی تھے۔“

بلکہ قرآن پاک نئی دریافتیں کرنے کی کاوش کی بھی تلقین کرتا ہے۔

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَمًا وَقُعُودًا ۖ وَأَعْلَىٰ جُنُوبِهِمْ ۚ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي  
خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ مِمَّا بَنَيْنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۖ سُبْحٰنَكَ  
قِيَمًا عَذَابِ الْآلَاٰ

(سورۃ آل عمران، آیت: 191)

**ترجمہ** ”وہ جو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کھڑے پر لیٹے یاد کرتے ہیں اور آسمان و

زمین کی پیدائش میں فکر کرتے ہیں (کہتے ہیں) اے ہمارے رب! انہوں نے یہ بے فائدہ

نہیں بنایا۔ پاک ہے تُو (برعیب سے)، بچالے ہمیں گ کے عذاب سے۔“

جہاں تک علم میں وسعت کے حصول کے طریقہ (سلیقہ کا تعلق ہے تو یہ حقیقت از حد دلورہ انگیز و ترغیب آمیز ہے کہ داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر جو سب سے پہلی وحی نازل ہوئی وہ پڑھنے اور لکھنے کا حکم تھا اور قلم کی تعریف و توصیف تھی کہ جو انسانی علم کا ذریعہ و وسیلہ بھی ہے اور محافظ بھی ہے۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ  
الْأَكْرَمُ ۝ ۱۱ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝  
(سورۃ العلق، آیات: 1 تا 5)

**ترجمہ** ”(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے رب کے نام سے پڑھئے کہ جس نے  
(سب کو) پیدا کیا۔ انسان کو تھے ہوئے خون (خون بستہ) سے پیدا کیا۔ پڑھیے اور آپ  
(صلی اللہ علیہ وسلم) کا رب سب سے بڑھ کر کرم کرنے والا ہے جس نے قلم سے سکھایا۔  
انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔“

قرآن ہمیں یہ بھی یاد دلاتا ہے کہ:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِيَ إِلَيْهِمْ فَسَلُّوا أَهْلَ الذِّكْرِ  
إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝

(سورۃ النحل، آیت: 43)

**ترجمہ** ”اور ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے بھی تو انسان ہی بھیجے تھے جن  
کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے تھے۔ پس اگر آپ کو معلوم نہیں تو اہل علم سے پوچھ لو۔“

اسی طرح:

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِيَ إِلَيْهِمْ فَسَلُّوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ  
لَا تَعْلَمُونَ ۝

(سورۃ الانبیاء، آیت: 7)

**ترجمہ** ”اور ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے بھی تو آدمیوں کی کو رسول بنا  
کر بھیجا تھا۔ ان کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے تھے۔ اگر آپ نہیں جانتے تو علم والوں سے  
پوچھ لیں۔“

اور علم کے حوالے سے فرمایا گیا کہ:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۖ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ  
إِلَّا قَلِيلًا ۝

(سورۃ بنی اسرائیل، آیت: 85)

**ترجمہ** ”اور یہ لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے روح کے بارے سوال کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمہیں جو علم دیا گیا ہے وہ بہت ہی محدود ہے۔“

مزید یہ کہ:

لَقَدْ كُنَّا مِنْ حِجَّتِ مَنْ تَشَاءُ غُرًّا وَقَوْمِي كُنْ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ﴿٥﴾

(سورۃ یوسف، آیت: 76 آخری حصہ)

**ترجمہ** ”ہم جس کے چاہیں درجات بلند کرتے ہیں اور ہر ایک دانا سے بڑھ کر دوسرا دانا ہے۔“

کس قدر جامع، دشمنیں اور علم فروز و ماوالہ التجا ہے جو قرآن مجید انسان کو سکھاتا ہے۔

وَقُلْ رَبِّ ارْزُقْنِي زَيْنًا ۝۱

(سورۃ طہ، آیت: 114 دوسرا حصہ)

**ترجمہ** ”اور کہہ دو (محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) اے میرے رب مجھے اور زیادہ علم عطا فرما۔“

447 داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ذی شان ہے کہ ”اسلام کے پانچ بنیادی ارکان ہیں 1 رب وحدۃ الاشریہ پر ایمان و اعتقاد 2 نماز 3 روزہ 4 حج بیت اللہ 5 زکوٰۃ“ اگر ایمان و عقیدہ دینی سائنس کی ترویج و اشاعت اور حصول و قبول کا مطالبہ کرتا ہے تو دوسرے دنیاوی و زمانی سائنسی علوم کی تدریس و توفیر کا تقاضا کرتے ہیں۔ نماز کی ادائیگی کے لئے نماز کی کو اپنا چہرہ کعبۃ اللہ (مکہ مکرمہ) کی جانب کرنا ہوتا ہے اور یہ کہ نماز کی ادائیگی لازماً چند مصدقہ و معتبر اور مقررہ و تعین قدرتی مظاہر وقوع ہونے پر ہی ہونی چاہیے۔ اس کے لئے جغرافیہ اور فلکیات کے موسم سے آگاہ و آشنا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ روزہ رکھنے اور افطر کرنے کے لئے بھی قدرتی مظاہر کے علم کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً صبح صادق کا طلوع اور سورج کا غروب وغیرہ۔ حج بیت اللہ کے لئے راستوں اور رائع آمد و رفت کے علم سے آگاہی کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ مکہ مکرمہ احسن طریقہ پر پہنچا جاسکے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے ریاضی (ساب) کا علم جاننا ضروری ہے اور نبی علم کسی مردم کی وراعت کی منصفانہ تقسیم کے لئے بھی اہمیت و افادیت رکھتا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید فرقان حید کو اس میں بیان کیے گئے حوالہ جات، تلمیحات اور تاریخی حقائق کی روشنی میں سمجھنا بنیادی ضرورت ہے۔ درحقیقت مطالعہ قرآن کے لئے سب سے پہلے اس زبان کا علم ہونا ضروری ہے کہ جس میں وہ نازل ہوا ہے (یعنی لسانی سائنس)۔ مزید یہ کہ قرآن پاک میں مختلف اقوام کے حوالے اس امر کے متقاضی ہیں کہ تاریخ اور جغرافیہ کا علم حاصل کیا جائے۔ وغیرہ وغیرہ۔

448 ﴿برسبیل نہ کرو آئیے ان لمحات ایمان افرہ کو یا کرتے ہیں کہ جب نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ منتقل ہونے کے بعد زادان زندگی کا آغاز کیا۔ اس وقت سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسجد تعمیر کرائی جس کا ایک حصہ تدریسی مقصد کے لئے مخصوص تھا (مشہور و معروف منہ) اس حصہ میں دن کے اوقات میں تدریس و تعلیم ہوتی تھی جبکہ رات کو اسے طلباء بطور قامت گاہ استعمال کرتے تھے۔

449 ﴿رب وحد لا شریک اس کی مدد کرتا ہے جو خدائی مشن کی ترویج و ترقی کے لئے کوشش و کادش اور اعانت و معاونت کرتے ہیں۔ اس بات کا ذکر قرآن پاک میں اکثر ملتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَصَرَّوْا اللَّهَ يُصَرِّكُمْ وَيُخَيِّتْ أَقْدَامَكُمْ ﴿٦﴾  
(سورۃ محمد، آیت: 7)

ترجمہ ”اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم ہمائے رکھے گا۔“

ایک اور جگہ ارشاد باری ہے کہ:

وَلَيْتُصْنَأَ اللَّهُ مِنْ يٰصَصْرًا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٦﴾

(سورۃ الحج، آیت: 40 - آخری حصہ)

ترجمہ ”اور اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اللہ کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ

زبردست غالب ہے۔“

یہ امر باعث حیرانی و حیرت نہیں ہے کہ مسلمان از حد خوش قسمت و خوش بخت رہے کیونکہ انہیں رب رحمن و رحیم نے عوام الناس میں ترویج و اشاعتِ علم کے لئے سستے اور کثیر مقدار میں کاغذ سے نوازا۔ سن 2 ہجری سے ہی وسیع و عظیم اسلامی سلطنت میں کاغذ تیار کرنے کے کارخانے وجود میں آچکے تھے۔

450 ﴿اس مختصر سی تمہید کے بعد اب ہم صرف ان چند سائنسی علوم کا حوالہ دیں گے جن میں مسلمانوں کا کردار خاص طور پر اپنی نوع انسان کے لئے از حد اہمیت و افادیت کا حامل رہا۔

مذہبی اور فلسفیانہ سائنسی علوم:

451 ﴿قدرتی و فطری طور پر مذہبی سائنس اس وقت شروع ہوئی جب پیغامات و احکامات الہی قرآن کی شکل میں مسلمانوں کے لئے نازل ہوئے۔ قرآن مجید فرقانِ حید کے مطالعہ اور ہمہ وادراک کے لئے زبانِ دانی کی سائنس، گرامر (قواعد زبان) کی سائنس، تاریخ کی سائنس اور حتیٰ کہ قیاسی سائنس کی ضرورت پڑی۔ یہ

سائنسیات تدریجاً ترقی کرتے ہوئے عام استعمال کی آزاد سائنسی بن گئیں۔ دوسری سائنسوں کے ساتھ ساتھ

مقدس و مطہر متن (قرآن پاک) کی تلاوت کی سائنس و جود میں آئی جو ترقی کرتے ہوئے اسلام کی مذہبی ”موسیقی“ میں ڈھل گئی۔ قرآن کی حفاظت و محافظت نے عربی رسم الخط میں ترقی و بہتری اور اصلاحات کی راہ دکھائی اور یہ ترقی و بہتری نہ صرف یہ کہ عربی رسم الخط کی درستی میں ہوئی بلکہ اس کی خوب صورتی میں بھی اضافہ ہوا۔ اور یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ عربی رسم الخط اپنے تلفظ اور ادائیگی کے حسن کے باعث دنیا کی کسی بھی زبان کی ضرورت پوری کرنے کے لئے درست ترین رسم الخط ہے۔ اسلام کے آفاقی و کائناتی کردار نے اس ضرورت کو جنم دیا کہ اسے غیر عرب بھی بخوبی سمجھ سکیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور ہی سے اس کے ترجمہ کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اس کے کچھ حصے فارسی میں ترجمہ کیے اور مختلف زبانوں میں تراجم کا یہ ختم نہ ہونے والا سلسلہ آج تک جاری و ساری ہے۔ یہ امر قابل غور ہے کہ قرآن پاک کے تراجم محض اس کے متن کو سمجھنے کی خاطر ان لوگوں کے لئے کیے گئے جو عربی نہیں جانتے تھے۔ یہ تراجم کبھی بھی عبادت و ریاضت کے لئے نہیں کیے گئے کیونکہ نماز کی ادائیگی میں ہر نمازی صرف عربی متن ہی استعمال کرتا ہے۔ قرآن پاک کے مود و متن کو داعی و دوائی حیثیت دینے اور اس کی سالمیت کی حفاظت کے لئے نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ایک ساتھ دو طریقے استعمال کیے گئے۔ اول یہ کہ اسے لکھ کر ریکارڈ کیا گیا۔ دوم یہ کہ اسے زبانی یاد (حفظ) کیا گیا۔ دونوں طریقوں نے ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوئے قرآن پاک کو بھونے یا کسی قسم کی غلطی کے امکان کو معدوم و ختم کرنے میں معاونت کی۔ تصدیق و توثیق کے فقہی طریقہ نے اس نظام کو مزید مضبوط و مستحکم کیا۔ یوں کسی بھی فرد و مستند و معتبر ہونے کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کے لئے نہ صرف یہ کہ قرآن پاک کے ایک نسخہ کو محفوظ کرنا ہوتا تھا بلکہ اسے کسی تسلیم شدہ فاضل استاد کے رو بہ و شروع سے آخر تک پڑھ کر سنانا ضروری تھا۔ یہ عمل اور یہی طریقہ و سلیقہ موجود تک جاری و ساری ہے۔

﴿452﴾ قرآن مجید کی حفاظت کی طرح مسلمانوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و فرمودات (احادیث) کے ساتھ بھی از حد قہمی و ذہنی تعلق کا مظاہرہ کیا۔ داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پبلک اور پرائیویٹ زندگی کے اقوال و افعال کی رپورٹس کو پوری کوشش و کاوش کے ساتھ محفوظ کیا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہ عظام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں اپنی ذاتی حیثیت و دلچسپی سے آگہیوں دیکھی کانوں سنی تازہ ترین معلومات کی بنیاد پر یادداشتوں کی تیاری کا مفروضہ و مطہر عمل شروع کر دیا تھا اور یہ عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی جاری رہا۔ قرآن کے معاملے کی طرح احادیث کی ترسیل و ابلاغ میں بھی مستند و معتبر ہونے کا اہم و ارفع معیار قائم رکھنے پر زور دیا گیا۔ کوئی فرد حضرت نوح علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ساتھ گوتہ بدھ اور دوسری قدیم و عظیم شخصیات کی حیات ناپائیدار بارے و متیاب جملہ معلومات کی بنیاد پر محض چند صفحات ہی لکھ سکتا ہے لیکن رحمتہ لاحقین صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح

حیات کی مستند، معتبر و متیاب تفصیلات سے سینکڑوں صفحات بھر سکتا ہے۔ آنے والی نسلوں تک از حد درست اور صحیح کوائف و معلومات پہنچانے کے لئے بہت زیادہ احتیاط و استناد سے کام لیا گیا۔

453 ﴿﴾ خاص طور پر اعتقادات و عقائد کے معاملات پر ایمان و یقین کے قیاسی پہلو کے حوالے سے ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں شروع ہونے والے مباحث بعد ازاں ”کلام“ اور ”تصوف“ جیسی مختلف سائنسوں کے وجود کی بنیادی وجہ ہے۔ غیر مسلموں کے ساتھ اور حتیٰ کہ مسلمانوں کے مابین آپس میں ہونے والے مذہبی مناظروں کے باعث یونانی اور ہندوستانی فلاسفے و غیرہ کے غیر ملکی عناصر متعارف ہوئے۔ بعد ازاں مسلمانوں کو اکنڈی، الفارابی، ابن سینا، ابن رشد اور ان جیسے اپنے مسلمان فلسفیوں کی کمی نہ رہی کہ جو تخلیقی قوت و ہلیت اور علم و فضل کی دولت سے مال مال تھے۔ غیر ملکی زبانوں کی کتب کے عربی تراجم کا از حد خوش بخت اور خوش کن نتیجہ نکلا کہ یونانی اور سنسکرت کی وہ کتب کہ جن کے اصلی و حقیقی نسخے اب نہ پید ہو چکے ہیں عربی تراجم کی بدولت آنے والی نسلوں (اخلاف) کے لئے محفوظ ہو گئے۔

## نئے سائنسی علوم:

454 ﴿﴾ سماجی و معاشرتی سائنسی علوم کی ترویج و ترقی میں مسلمانوں کا مردار انتہائی اہمیت و افضلیت کا حامل رہا۔ اس کی نمایاں اور قابل ذکر خوبی اس کی ترقی کی تیزی اور برق رفتاری تھی۔ عربی زبان میں لکھی گئی پہلی کتاب قرآن مجید فرقان حمید تھی۔ بمشکل دو صدیوں کے اندر ہی ان پڑھ بدویوں کی زبان ترقی کرتے ہوئے دنیا کی ارفع و اعلیٰ ترین زبانوں میں شمار ہونے لگی۔ بعد ازاں یہ نہ صرف واحد ارفع و اعلیٰ ترین زبان کے تمام تک پہنچی بلکہ ہمہ قسم کے سائنسی علوم کے لئے بین الاقوامی زبان بن گئی۔ اس منظر کی وجہ دریافت کرنے سے پہلے آئیے ایک اور حقیقت کو زیر غور مانتے ہیں۔ اگرچہ ابتدائی اور اولین مسلمان تمام تر عربی تھے لیکن انہوں نے عربی زبان میں احکامات ربانی (قرآن) اور فرمودات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم (احادیث) کے ذخیرہ کی حفاظت کرتے ہوئے ہر زبان و نسل کے افراد کو منطق مساببات کی بنیاد پر دائرہ اسلام میں داخل کرنے کے لئے اپنی شخصیت تک کو ذین اسلام کی خاطر مٹا کر رکھ دیا۔ یوں ”اسلامی“ سائنسوں کی ترویج و ترقی میں تمام نسلوں سے تعلق رکھنے والے افراد نے حصہ یا جن میں عربی، ایرانی، یونانی، ترکی، چھٹی، ہندوستانی اور دوسرے شامل تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ مسلمہ نسل کی مذہبی رواداری از حد مثالی اور عظیم تھی اور حصول علم میں ان کی سرپرستی اس قدر کامل و اکمل تھی کہ عیسائیوں، یہودیوں، مجوسیوں، بدھ مت سے ہر وکاروں اور دوسروں نے مسلم سائنسوں کی ترویج و ترقی میں امانت و معاونت کی اور یہ امداد و تعاون نہ صرف ان کے متعلقہ مذہبی لٹریچر کے میدان میں تھا بلکہ علم کی دوسری شانوں اور شعبوں میں بھی تھا۔ دنیا کی کسی بھی دوسری زبان کی نسبت عربی زبان زیادہ وسعت و قوت کے ساتھ عام ہوئی کیونکہ یہ اس عظیم مسلم سلطنت کی سرکاری زبان تھی کہ جس کی حدود چین سے چین تک پھیلی ہوئی تھیں۔

## قانون:

﴿455﴾ قانونی سائنس نے اپنے جامع وارفیع کردار کے ساتھ مسلمانوں میں بہت پہلے ابتداء اور جلدی ترقی کی۔ دنیا میں مسلمانوں ہی نے پہلے پہل قانون کی اس مجرہ سائنس بارے غور و فکر کیا کہ جس کی دفعات ملک کے عمومی قوانین سے ممتاز و منفرد تھیں۔ قدیم زمانے کے افراد و اشخاص کے اپنے قوانین تھے جو اگرچہ کم و بیش ترقی یافتہ شکل میں تھے اور حتیٰ کہ مرتب شدہ بھی تھے تاہم ایک ایسی سائنس کی ضرورت ضرور تھی کہ جو قانون کی فلاحی اور ذرائع، قانون سازی کے طریقہ کار، قانون کی تشریح و توضیح اور نفاذ و عین درآمد بارے ٹھوس نظام دے سکے۔ ایسی سائنس کی ضرورت باہمت کا احساس قانون دانوں کو اسلام کی آمد سے پہلے نہ ہو سکا اور انہوں نے اس حوالے سے کبھی غور و فکر نہ کیا۔ تاہم دوسری صدی ہجری (آٹھویں صدی عیسوی) سے قانون کے میدان میں اسلامی کام (کاوشیں) اسلامی قانون (شروع ہو گیا تھا جسے اصول الفقہ کہا جاتا تھا۔

﴿456﴾ زمانہ قدیم میں بین الاقوامی قانون نہ تو بین الاقوامی تھا اور نہ ہی قانون تھا۔ یہ سیاست کا حصہ تھا اور اس کا انحصار سیاست دانوں کی مرضی، افشاء اور ریم و کرم پر تھا۔ مزید یہ کہ اس کے قاعدے و ضابطے محض محدود تعداد کی ان ریاستوں پر لاگو ہوتے تھے جن میں یک ہی نسل، ایک ہی مذہب اور ایک ہی زبان کے افراد و اشخاص رہتے تھے۔ یہ مسلمان ہی تھے جنہوں نے سب سے پہلے قانونی نظام کو مقام دیا اور حقوق و فرائض کی تفکیک کی۔ بین الاقوامی قانون کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے کہ جو پرانے وقتوں سے مسلم لاء کے ضوابط اور رسالہ و مقالہ کے خصوصی باب کا ایک حصہ ہے۔ درحقیقت ہمارے پاس موجود قدیم ترین رسالہ و مقالہ زید ابن علی رحمۃ اللہ علیہ (وفات 120 ہجری 737 عیسوی) کا ہے جس کا عنوان ”بحر“ ہے۔ اس رسالہ و مقالہ میں مذکور باب بھی شامل ہے۔ مزید یہ کہ مسلمانوں نے علم کی اس برائے کو زہد سائنس کی حیثیت سے ترقی دی اور ”سمیر“ کے عنوان سے اس موضوع پر لکھا گیا تحقیقی مقالہ دوسری صدی ہجری کے وسط سے بھی پہلے موجود تھا۔ بن حجر کے مطابق اس موضوع پر پہلا رسالہ و مقالہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا جو کہ زید ابن علی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے۔ اس بین الاقوامی قانون کا خصوصی و امتیازی پہلو یہ ہے کہ یہ غیر ملکیوں کے۔ بین کوئی فرق و تفریق نہیں رکھتا۔ اس کا مسلمانوں کے باہمی تعلقات سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ یہ صرف اور صرف تمام دنیہ کی غیر مسلم ریاستوں کے بارے بات کرتا ہے۔ اسلام اصولی طور پر منگل یونٹ کی تشکیل کرتا ہے اور منگل کیونٹی کی تنظیم کرتا ہے۔

﴿457﴾ قانون کے میدان میں مسلمانوں کے کردار کا ایک اور پہلو قانون قابل مسائل و معاملات ہے۔ مسلم لاء کے مختلف نظریاتی گروہوں اور گروہوں کی تشکیل نے اس قسم کے مطالعہ کی ضرورت کو جنم دیا تاکہ اختلافی نکتہ ہائے نظری و جہت کو واضح اور نمایاں کرنے کے ساتھ ساتھ زیر بحث قانونی نکتہ بارے اصولی اختلاف کے اثرات کو بھی سامنے لایا جاسکے۔ اس ضمن میں دہلوی اور ابن رشد کی کتب معیاری، مستند اور کلاسیکل ہیں۔



سموری نے بھی اصول قانون کے تقابلی مطالعہ پر ایک کتاب لکھی ہے۔

**458** ریاست و سلطنت کا تحریری دستور آئین بھی مسلمانوں کی اختراع و ایجاد ہے۔ درحقیقت مقنن اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس تحریری دستور کے مصنف تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں شہری ریاست قائم کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک تحریری آئین دیا۔ یہ تحریری دستور آئین ہم تک پہنچا ہے جس کے لئے ہم ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے شکر گزار ہیں۔ اس دستور کو 52 دفعات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ یہ انتظامی و انصرامی معاملات، قانون سازی، انصاف، دفاع وغیرہ کے حوالے سے **1** سربراہ مملکت **2** ریاست کی ترکیبی و تشکیلی اکائیوں اور **3** عوام الناس کے حقوق و فرائض کا ذکر و تذکرہ کرتا ہے۔ اس کا زمانہ 622 عیسوی کا ہے۔

**459** قانون کے میدان میں مناسب و موزوں قواعد کا ظہور دوسری صدی ہجری کے آغاز سے ہوا۔ یہ تین بنیادی حصوں میں منقسم ہیں۔ **1** دینی و مذہبی رسومات و عبادات **2** ہمہ قسم کے معاہداتی تعلقات **3** تعزیرات .... نظر یہ حیات کے وسیع تر مفہوم کے تناظر میں اسلام، مسجد اور جائے پناہ میں کوئی فرق و امتیاز نہیں رکھتا۔ ریاست کا دستور آئین، مذہبی و دینی رسومات و عبادات کا حصہ ہوتا ہے کیونکہ ریاست کا سربراہ، عبادت و اطاعت الہی (نماز) کا بھی امام (سربراہ) ہوتا ہے۔ محصولات و لیت (زکوٰۃ) بھی عبادت و اطاعت الہی کا حصہ ہوتے ہیں کیونکہ داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز، روزہ اور حج کے ساتھ ساتھ انہیں بھی اسلام کے چار ستونوں میں سے ایک ستون قرار دیا۔ بین الاقوامی قانون، تعزیرات کے ساتھ ساتھ لوٹ مار کی خاطر جنگی مہم، زمینی رہزنی و سمندری قرانی اور قانون شکنی و عہد شکنی کے خلاف مساوی سطح کی جنگ پر مشتمل ہوتا ہے۔

**460** یہ مسلمانوں کے نزدیک قانون ہارے وسیع و جامع ذمہ نظریہ کی وجہ سے کہ ہم نے اس موضوع پر قدرے تفصیلی بحث کی ہے۔

## تاریخ اور عمرانیات:

**461** تاریخ اور عمرانیات میں مسلمانوں کا کردار دو پہلوؤں کی بناء پر ہمیت کا حامل ہے **1** متن و مواد کے ثقہ و مصدقہ ہونے کی بھرپور ضمانت **2** مختلف النوع معلومات و تفصیلات کی تلاش و ترتیب اور حفاظت و محافظت .... تاریخ کی چکا چوند روشنی کے معرض وجود آنے کے باعث اسلام کو فرضی کہانیوں، خیالی قصوں اور سنی سنائی باتوں کی بھی ضرورت نہیں رہی۔ جہاں تک دوسری اقوام ہارے معلومات و شماریات کا تعلق تھا ان کی ہر تفصیل و بیان کو معیار و میرٹ کی بنیاد پر دہیشت و اہمیت دی گئی۔ عہد جدید کی تاریخ اس امر کی متقاضی ہے کہ قدیم دور سے جاری و ساری تاریخی صداقت و سالمیت کو کامل و اکمل اقدامات کے ذریعے قائم و دائم رکھا جائے۔

مسلمانوں کے اوہ میں دور میں عدالتی طریقوں کے روبرو گواہوں کی شہادت اور تصدیق و توثیق ایک غیر معمولی امر ہوتا تھا۔ مسلمانوں نے اس طریقہ کار کو تاریخ پر استعمال کرتے ہوئے ہر راوی و روایت کنندہ اس کے بیان کی شہادت و ثبوت طلب کیا۔ واقعہ و وقوعہ کے بعد اگر پہلی نسل میں محض ایک مستند و معتبر گواہ کی توثیق و تصدیق کافی تھی تو دوسری نسل میں اس کی تصدیق و توثیق دو افراد یا دو ذرائع سے ہونا لازمی قرار پائی مثلاً ”میں نے الف سے سنا جس نے بتایا کہ اس نے ب سے سنا جو کہ بیان کردہ واقعہ و وقوعہ کے موقع پر زندہ و حیات تھا۔“ یوں تیسری نسل میں تین ذرائع یا گواہاں کی ضرورت ہوتی تھی علیٰ حذو القیاس۔ ان محنت و مشقت طلب حواہیوں نے فرد در فرد اور ذریعہ بہ ذریعہ کے سلسلہ صداقت و ثقاہت کی ضمانت فراہم کی۔ کوئی بھی محقق یا لکھاری سوانح عمریوں کی ان لغات کا حوالہ دے سکتا ہے جن میں نہ صرف ممتاز و منفرد افراد کے کردار بارے مواد ملتا ہے بلکہ ان کے اساتذہ اور نمایاں شاگردوں کے نام بھی دیئے گئے ہیں۔ اس قسم کے مضبوط و محکم حوالہ جات و واقعات نہ صرف داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ بارے دستاویز ہیں بلکہ علوم کی تمام شاخوں اور برانچوں کی یہی صورت حال ہے اور یہ کہ یہ مواد ایک نسل سے دوسری نسل کو بحسن و خوبی منتقل ہوتا رہا حتیٰ کہ بعض اوقات اس نے محض لطف اندوزی اور وقت گزاری کی خاطر کہانیوں کی شکل اختیار کر لی۔

﴿462﴾ ممتاز و متمیز افراد کی سوانح عمریوں پر مشتمل لغات مسم تاریخ ارب میں مخصوص و منفرد مقام کی حامل ہیں۔ یہ لغت ذریعہ ہائے روزگار، شہروں یا علاقوں اور صدیوں یا زمانوں کی درجہ بندی کے تحت ترتیب دی گئی ہیں۔ شجرہ ہائے نسب کو بھی مساوی اہمیت دی گئی۔ اس طرح لاکھوں لوگوں کے باہمی ربط و رشتہ داری و تعلق و واسطہ کا تذکرہ کیا گیا جس نے اس محقق کا کام سہل اور آسان کر دیا ہے کہ جو تاریخ و واقعات کی وجوہات کے اندر جھانکن چاہتا ہے۔

﴿463﴾ جہاں تک علم تاریخ کا تعلق ہے رسائل کے موضوعات کی آفاقیت نے ان کی اہمیت و ضرورت میں نمایاں اضافہ کیا ہے۔ اگر قبل از اسلام کی اقوام نے قومی و ملکی تاریخ پر کام کیا تو مسلمان اولین مؤرخ ہیں جنہوں نے دنیا کی تاریخ بارے لکھا۔ مثلاً ابن اسحق اسلام کے ابتدائی ترین مؤرخین میں سے ہے۔ اس نے نہ صرف کائنات کی تخلیق اور تاریخ آدم بارے ضخیم مواد تحریر کیا بلکہ اپنے دور کی مختلف نسلوں بارے بھی حاصل شدہ معلومات فراہم کیں۔ اس کام کو بعد ازاں اس کے جانشین مؤرخین نے فزوں تر جذبہ و دلولہ کے ساتھ آگے بڑھایا۔ ان میں الطبری، المسعودی، سعید اللاندلی، رشید الدین خان وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ ان مؤرخین (مثلاً الطبری سے ہی آغاز کر لیں) نے اپنے متعلقہ دور کے نظریات و تصورات بارے بحث سے اپنے کام کا آغاز کیا۔ ابن خلدون نے تاریخ کائنات کے مشہور و معروف ”مقدمہ“ میں سماجی و معاشرتی اور فلسفیانہ مباحث کو انتہائی گہرائی و گیرائی کے ساتھ نوک قلم کی زینت بنایا ہے۔

﴿464﴾ پہلی صدی ہجری میں تاریخ کی دو شاخیں پہلے ہی آزاد طور پر ترقی کرنا شروع ہو گئی تھیں۔ بعد ازاں یہ ایک دوسرے میں مدغم ہو گئیں۔ ان میں ایک تو تاریخ اسلام تھی جو داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی

اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ سے سفر کا آغاز کرتی ہوئی خلفائے راشدین کے ادوار تک کو احاطہ کرتی تھی جبکہ دوسری تاریخ غیر مسلموں بارے تھی چاہے اس کا تعلق قبل از اسلام کے عرب سے تھا یا وہ ایران، بازنطینہ وغیرہ کی طرح کے غیر ممالک سے متعلق تھی۔ اس حوالے سے بہت واضح مثال رشید الدین خان کی تحریر کردہ تاریخ کی ہے جسے عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں ایک ساتھ تحریر کیا گیا۔ یہ انبیاء، خلفاء اور اہل باور یوں کے ساتھ ساتھ روم، چین، ہندوستان اور منگولیا وغیرہ کے بادشاہوں بارے غیر جانبدارانہ و مساویانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے معلومات فراہم کرتی ہے۔

## جغرافیہ اور نقشہ سازی:

465 وسیع و عریض مسلم ریاست و سلطنت میں حج اور تجارت کے لئے ذرائع ابلاغ و روابط کی ضرورت تھی۔ بلا ذری اور ابن الجوزی بیان کرتے ہیں کہ ”ڈاک روزانہ وقفہ وقفہ کے ساتھ ترکستان سے مصر تک پھیلے ہوئے وسیع علاقے میں مختلف مقامات کے لئے روانہ کی جاتی تھی۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے عروس البلاد (دار الخلافہ) میں اعلان کرا دیا کرتے تھے تاکہ نجی خطوط بھی سرکاری کوریئر کے ذریعے روانہ کیے جاسکیں۔“ ڈاک کے لئے مقرر کردہ ڈائریکٹرز مختلف راستوں کی گائیڈیں تیار کرتے تھے جن میں کم و بیش تفصیل کے ساتھ ہر مقام کی تاریخی و معاشی صورت حال شائع کی گئی ہوتی تھی جبکہ مقامات کے نام حروف تہجی کے تحت ترتیب شدہ ہوتے تھے۔ اس جغرافیائی ادب نے دوسرے سائنسی علوم کا راستہ ہموار کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی رہنمائی بھی کی۔ دوسری صدی عیسوی کے نامور یونانی جغرافیہ دان تالمی (PTOLEMY) کی تحتیاتی تحریروں کے ہر کاہ ہندوستانی لکھاریوں کی سنسکرت میں لکھی کتب کے بھی عربی میں تراجم کیے گئے۔ بحری اور غیر بحری سفر ناموں نے نام شخص کی معومات میں روز بروز اضافہ کیا۔ معلومات و شماریات اور مفروضات کے اختلاف نے وطن پرستی کے ادکانات کو معدوم کر دیا اور ہر محقق و متلاشی پر یہ لازم ہو گیا کہ وہ ہر چیز کو عملی طور پر پرکھے اور اسے آزمائش و تجربہ کے ذریعے جانچے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور و معروف مکالمہ (علامہ الموفق، المناقب ابی حنیفہ) ہے کہ ایک معترضی نے آپ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ زمین کا مرکز کہاں ہے؟ تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا۔ ”عین اسی جگہ پر ہے جہاں تم بیٹھے ہو!“ ایسا جواب محض اسی وقت ہی دیا جاسکتا ہے جب کوئی فرد یہ بات بتانا چاہتا ہو کہ زمین ایک کڑہ و سیارہ ہے۔ مسلمانوں کے تیار کردہ قدیم ترین نقشوں میں بھی زمین کو دائروی شکل میں ظاہر کیا گیا ہے مثلاً ابن حوقل کی نقشہ کشی بحیرہ روم یا قریبی مشرقی ممالک کے مقامات کا تعین کرنے میں کسی قسم کی مشکل پیدا نہیں کرتی۔ سسلی کے بادشاہ راجر کے لئے الادریسی کا تیار کردہ نقشہ اپنی درستی و صحت کی ارنیعت کے باعث ہمیں حیرت و استعجاب میں مبتلا کر دیتا ہے کیونکہ یہ نقشہ دریائے نیل کے ذرائع تک کی نشان دہی کرتا ہے۔ یہ امر قابل غور ہے کہ عربی مسلمانوں کے تیار کردہ

نقشہ شمال کی سمت کو نیچے اور جنوب کی سمت کو اوپر کی جانب ظاہر کرتے ہیں۔ بحری اسفارا اور مہمات کے لئے طول البلد، عرض البلد کی جداول کے ساتھ ساتھ اصطلاحات (اجرام فلکی کی ہندی معلوم کرنے کا آلہ) اور دوسرے بحری و جہاز رانی کے آلات کی ضرورت تھی۔ سلیٹھ، نیویا، فن لینڈ، روس وغیرہ کی کھدائیوں سے ہزاروں کی تعداد میں مسلم سکوں کی دریافت نے فیصلہ کن حد تک قرون وسطیٰ کے دوران مسلم تافلین کے سرداروں کی تجارتی سرگرمی ظاہر کی ہے۔ واسکو ڈے گاما کے ہندوستان تک کے سفر میں جہاز ران کے طور پر خدمات سرانجام دینے والے ابن ماجہ کے بیان کے مطابق قعب نما پہلے ہی سے یہاں رائج و متعارف تھا۔ مسلمان ملاحوں اور جہاز رانوں نے بصرہ (عراق) سے چین تک کے بحری سفر میں جس مہارت و ہنرمندی اور جرأت و ہمت کا مظاہرہ کیا وہ باعث استحباب و حیرت ہے۔ یہ امر جدید مغربی نظریہ پر مسم اثرات کا ٹھوس ثبوت فراہم کرتا ہے جب ہم انگریزی کے معروف الفاظ کو دیکھتے ہیں کہ وہ عربی ماخذ رکھتے ہیں مثلاً آرسنل (Arsenal)، ایڈمرل (Admiral)، کیبل (Cable)، مون سون (Monsoon)، ٹریف (Tariff) وغیرہ۔

## علمِ فلکیات:

﴿466﴾ یہ حقیقت تسلیم شدہ ہے کہ کئی ستاروں کی دریافت اور مطالعہ، مسلمانوں کا گرانقدر اور ناقابلِ فراموش کارنامہ ہے۔ ستاروں کی ایک کثیر تعداد کو مغربی زبانوں میں اب بھی عربی ناموں سے جانا پہچانا جاتا ہے اور یہ ابن رشد ہی تھا جس نے سورج کی سطح پر دھبوں کی نشاندہی کی۔ کینڈر کے حوالے سے عمر اخیم کی اصلاح نے عیسوی کیلنڈر کو کافی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ قبل از اسلام کے بدوی عربوں نے بہت پہلے بالکل صحیح اور بالکل درست فلکی مشاہدات کیے اور ان میں ترقی کی۔ انہوں نے یہ مشاہدات نہ صرف رات کے لمحوں میں صحرا میں سفر کے لئے کیے بلکہ ان کا مقصد موسمیات کے علم کی حصول بھی تھا۔ ”کتاب الانواع“ کے نام سے کئی کتابوں کا مجموعہ عربی علوم کی وسعت کا نامہ بولتا ثبوت ہے۔ بعد ازاں مذکور، یونانی اور دوسری زبانوں کی کتب کا بھی عربی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ ان کی مختلف معلومات و ثناریات کے تقابلی مطالعہ کے لئے نئے تجربات اور صبر و مشاہدات کی ضرورت و اہمیت محسوس کی گئی۔ مشاہدہ کرنے والے ہر جگہ اور ہر مقام پر منظر عام پر آئے۔ خلیفہ اماسون کے دور میں زمین کے محیط کی پیمائش کی گئی جس کے نتائج کی صحت و وزنی حیران کن تھی۔ جوار بھانا، پوپھلنا (طلوعِ خمر)، جھپٹنا، قوس قزح، اجرام فلکی کے گرد منور ہالہ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سورج اور چاند کی گردش و حرکت پر بہت پہلے مواد و معلومات مرتب کی گئیں کیونکہ ان کا نمازوں اور روزہ کے اوقات سے گہرا اور قریبی تعلق تھا۔

## قدرتی و طبعی سائنس:

﴿467﴾ اسلامی سائنس کا ممتاز و منفرد خاصہ یہ ہے کہ یہ تجربات اور غیر جانبدارانہ مشاہدات پر زور دیتی ہے۔

عربوں کا طریقہ کار بالکل منفرد اور عجیب و غریب تھا۔ لکھاری مختلف سانسوں کے مطالعہ کا آغاز اپنی زبان میں موجود تکنیکی اصطلاحات کی درجہ دار لغات کی ترتیب و تیاری سے کرتے تھے۔ انتہائی صبر و استقامت کے ساتھ انہوں نے نثر و نظم کی تمام کتب کو اچھی طرح کنگلا تا کہ سائنس کی ہر شاخ مثلاً حیوانات، نباتات، فلکیات، علم تشریح الاعضاء اور علم معدنیات وغیرہ کی علیحدہ علیحدہ اصطلاحات کا انتخاب کیا جاسکے اور یہ کہ یہ اصطلاحات ٹھوس اور مفید حوالہ جات پر مبنی ہوں۔ ہر آنے والی نسل نے سابقہ نسل کے کام پر نظر ثانی کی تاکہ کچھ نیا مواد اس میں شامل کیا جاسکے۔ جب ترجمہ کا کام شروع ہوا تو چند ادبی و حکایتی مشاہدات کے ساتھ ساتھ الفاظ کی ان سادہ ”فہرستوں“ نے بہت اہم کردار ادا کیا اور شاذ و نادر ہی ایسا ہوا کہ کسی لکھاری کو کسی غیر ملکی زبان کے لفظ کو معرب کرنے کی ضرورت پیش آئی ہو۔

468 نباتیات میں استعمال ہونے والے الفاظ منفرد نوعیت کے ہوتے ہیں۔ سوائے ان چند پودوں کے ناموں کے کہ جو مسلم سلطنت میں پیدا نہیں ہوتے اس میں کوئی ایک بھی تکنیکی اصطلاح ایسی نہیں کہ جس کا ماخذ غیر ملکی ہو۔ ہر اصطلاح کے لئے عربی الفاظ موجود ہیں۔ چھ خیمہ بلدوں پر مشتمل الدینوری کی ”کتاب النبات“؛ (نباتیات کا انسائیکلو پیڈیا) اس موضوع پر دستیاب یونانی کام کے اولین ترجمہ سے پہلے مرتب کی گئی۔ Strassburg لکھتا ہے کہ ”ایک ہزار سال کے مطالعہ و تحقیق کے بعد یونانی محققین نباتات Dioscorides اور Theophrastus نے یونانی نباتیات کو اپنی کتب کے ذریعے از سر نو زندہ کیا لیکن الدینوری کا سب سے پہلا مسلم کام اپنے علم و فضل، تجربہ علمی اور وسعت و جامعیت کے لحاظ سے یونانی کام سے بھر بھی بہت آگے ہے۔“ الدینوری ہر پودے کے نہ صرف اندرونی حصہ کی تفصیل بیان کرتا ہے بلکہ اس کی غذائی، ادویاتی اور دوسری خصوصیات بھی بیان کرتا ہے۔ وہ پودوں کی درجہ بندی کرتا ہے۔ ان کے اصل علاقے بارے بات کرتا ہے اور دوسری تفصیلات دیتا ہے۔

## طبی سائنس:

469 مسلمانوں کے دور حکومت میں طب نے غیر معمولی ترقی کی۔ خاص طور پر علم تشریح الاعضاء اور علم دوا سازی میں بہت کام ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہسپتالوں کی تنظیم کی گئی اور ڈاکٹروں کو پریکٹس کی اجازت دینے سے پہلے ان کی اعلیٰ و ارفع تعلیم و تربیت کے بعد ان کو امتحانی عمل سے گزارا گیا۔ ہانڈیہ، اندیا اور چانکا وغیرہ کے ساتھ مشترکہ سرحدیں ہونے کے باعث مسلم آرٹ اور سائنس کی دنیا کے طبی علم کا مرقع و مجموعہ بن گئے اور اگر پرانے و سابقہ علم کو جانچا اور پرکھا جاتا تھا تو نئی تحقیقات اور دریافت بھی اس میں شامل کر دی جاتی تھیں۔ رازی، ابن سینا، ابو القاسم اور دوسروں کا کام موجودہ دور تک تمام طبی تعلیم کی بنیاد و اساس رہا حتیٰ کہ مغرب نے بھی ان ہی کی نوٹہ چینی کی اور ان ہی سے فائدہ اٹھایا۔ ہم اب جانتے ہیں کہ گردش خون کی حقیقت سے بھی یہ مسلمان طبی سائنس دان واقف تھے۔ ابن انفیس کی تحریروں کا شکریہ۔

## بصریات:

﴿470﴾ بصارت کی سائنس مسلمانوں کی خاص طور پر مہیون منت ہے۔ ہمارے پاس شعاعوں کے بارے الکنڈی کی کتاب موجود ہے جو آتھزن عدسوں کے متعلق یونانی علم سے پہلے ہی بہت زیادہ فضیلت و افضلیت کی حامل ہے۔ ابن الہیثم ہمیشہ زندہ رہنے والی ممتاز و مشہور شخصیت ہے۔ الکنڈی، التارانی، ابن سینا، البیرونی اور دوسرے جو کہ مسلم سائنس کی نمائندگی کرتے ہیں دنیاے سائنس کی تاریخ میں زندہ و جاوید رہیں گے۔ ان جیسا مقام کوئی بھی حص نہیں کر سکے گا۔

## علم معدنیات، میکانیات وغیرہ:

﴿471﴾ ان سائنسی علوم نے صاحبان علم و مہارت کے لئے دلچسپی و کشش پیدا کی۔ طبی نکتہ نظر سے بھی اور قیمتی پتھروں کی شناخت و امتیاز کے مقصد کے طور پر بھی دونوں طرح سائنسی علم معدنیات اہمیت کا حامل رہا ہے۔ بادشاہوں اور اہل ثروت نے اس کے حصول کے لئے کوشش و کاوش اور خواہش و آرزو کی۔ اس میدان میں البیرونی کا کام ابھی تک زیر استعمال ہے۔

﴿472﴾ ابن فرنس نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا تھا جس کی مدد سے اس نے ایک لمبے فاصلے تک اُڑان کی۔ وہ ایک حادثہ میں ہلاک ہو گیا اور اس نے اپنا کوئی جانشین نہ چھوڑا جو اس کے کام کی تکمیل کرتا۔ دوسروں نے ڈوبے ہوئے اور چھپے ہوئے بحری جہازوں کو تیرانے وغیرہ کے لئے مشینی آلات ایجاد کیے۔

﴿473﴾ زہر آب علم کے ضمن میں دُرِ نایاب کی حامل پھیلیوں اور ان کے علاج بارے بے شمار مقالے تحریر کیے گئے۔

## حیوانیات:

﴿474﴾ عربی بدویوں کے لئے جنگلی جانوروں اور پرندوں کی زندگیوں کا مشاہدہ ہمیشہ سے خوش کن اور مسحور کن رہا تھا۔ الجاہظ نے اس موضوع کو مقبول و معروف کرنے کے لئے ضخیم کام چھوڑا ہے جسے بعد ازاں قزوینی، الدمیری اور دوسروں نے ترقی دی۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ شکار کے ساتھ ساتھ پالتو اور تربیت یافتہ جانوروں اور شکاری پرندوں سے شکار پر بھی عظیم و ضخیم کام کیا گیا۔

## کیمیا اور طبیعیات:

﴿475﴾ قرآن مجید فرقان حمید نے مسلمان کو بار بار ترغیب و تلقین کی ہے کہ وہ کائنات کی تخلیق پر غور و فکر کریں اور

اس امر کا مطالعہ کریں کہ کس طرح آسمانوں اور زمین کو انسان کا تابع فرمان بنایا گیا ہے چنانچہ اسلام میں ایمان اور عمل و دلیل کے درمیان کبھی بھی کشمکش و تیزش نہیں رہی۔ پس یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے بہت جلد ہی کیمیا اور طبیعیات کا سنجیدگی و ترقی پسندی کے ساتھ معاملہ شروع کر دیا۔ سائنسی کام کو خالد ابن یزید اور عظیم فقیہ حضرت امام جعفر الصادق سے منسوب کیا جاتا ہے جبکہ ان کا شاگرد جابر ابن حین زمانوں تک معروف و مشہور رہا ہے۔ ان کے سائنسی کاموں کا خصوصی و امتیازی پہلو سادہ قیاس آرائی کی بجائے واقعیت پسندانہ تجرباتی عمل ہے اور یہ کہ انہوں نے مشاہدہ کے ذریعے حقائق کو جمع کیا ہے۔ ان ہی کے زیر اثر اور ان ہی سے متاثر ہو کر قدیم کیمیا گری نے صحیح، چکی اور درست سائنس کی شکل اختیار کی جس کی بنیاد حقائق پر تھی اور جو اس قول پر تھی کہ اس کا عملی مظاہرہ کیا جاسکے۔ جابر ابن حیان علم کیمیا کے حوالے سے عمل تکثیف و تکسید اور عمل تخفیف بارے پہلے ہی سے علم رکھتا تھا۔ اس نے عمل تبخیر اور عمل تعصید کے ساتھ ساتھ قلم پذیری کے عمل کے طریقہ کار پر بھی ٹھوس اور موقع کام کیا۔ یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ان انسانی علوم کی ترویج و ترقی کے لئے نسلوں اور صدیوں کے صبر آزم اور مشقت آمیز کام کی ضرورت تھی۔ جابر ابن حیان اور دوسروں کے تحقیقاتی کام کے لاطینی زبان میں تراجم اور یورپ میں ان کی کتابوں کو تعلیمی سلیبس کے طور پر استعمال اس امر کی واضح عکاسی کرتا ہے کہ جدید سائنس بہت زیادہ حد تک مسلمان سائنس دانوں کی مرہون منت ہے اور اس میں قیاس آرائی کے یونانی طریقہ کار کی بجائے عربی مسلمانوں کے تجرباتی طریقہ کار کا بنیادی عمل دخل ہے۔

## ریاضی:

476 ریاضی کی سائنس کی ترقی و ارتقاء میں مسلمانوں کے کردار نے اہمیت نقش و چھوڑے ہیں۔ الجبرا، زیرو، صفر وغیرہ کی اطلاعات کا ماخذ منبع عربی ہی ہے۔ اس میدان میں عظیم یونانی ریاضی دان یوکلید (Euclid) کی طرح الخوارزمی، عمر الخیام، البیرونی اور دوسروں کے نام بھی مشہور و معروف اور زندہ و تابندہ رہیں گے۔ علم مشٹ سے یونانی سائنس دان آگاہ و آشنا نہیں تھے۔ اس کی دریافت کا سہرا بلا شک و شبہ مسلمان ریاضی دانوں کے سر بندھتا ہے۔

## خلاصہ:

477 مسلمان سائنس دانوں نے مختلف شعبوں میں اپنا کام جاری و ساری رکھا اور پھر ایسا ہوا کہ قسمت کی دیوی نے ان سے منہ موڑ لیا اور یوں مسلمانوں کے بنیادی تعلیمی و تحقیقی مراکز (ایف، اچ، پی) بہ فستق سے متاثر و متزلزل ہوئے۔ ان پر غیر مہذب و حشیوں نے قبضہ کر لیا۔ یہ سائنس کے لئے بہت بڑا نقصان تھا۔ یہ وہ دور تھا جب پرنٹنگ پریس مروج نہیں ہوئی تھی۔ لکھیں مخطوطات کی حامل لائبریریوں کو آگ لگا دینے سے ناقابل بیان اور ناقابل تلافی نقصان ہوا۔ اجتماعی قتل و غارت نے صاحبانِ علم اور سائنس دانوں کو بھی نہ بخشا۔ جو کچھ صدیوں

میں تعمیر و تشکیل ہوا تھا وہ انہوں میں جاوہر برپا کر دیا گیا۔ اگر ایک دفعہ تہذیب و تمدن ایسی آفات کے باعث زوال پذیر ہو جائے تو اسے سنبھالنے میں کئی صدیاں لگتی ہیں جبکہ ان گنت ذرائع اور وسائل کی ضرورت ہوتی ہے اور ترقی و تنزلی کے اس فاصلے کو مٹانے کے لئے تہذیب و تمدن کے سابقہ علم برداروں اور صاحبانِ علم کے کارناموں کا مطالعہ کر کے نیا سفر آغاز کرنا ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ اعلیٰ و ارفع کردار و افعال کے حامل افراد کو اپنی مرضی و منشاء سے وجود میں نہیں لایا جاسکتا۔ و درہم قادور و قدیم کا عظیم انعام اور تحفہ و عطیہ ہوتے ہیں۔ ایک حادثہ یہ بھی ہوتا ہے کہ نا اہل اور بدویات افراد اپنے دور کی ممتاز و منفرد شخصیات کی قدر و عزت کرنے کی بجائے تبدیل کرتے ہیں۔ یہ وہ المیہ ہے کہ جس کی ہمیشہ مذمت کی جانی چاہیے۔

## آرٹس:

﴿478﴾ قرآن مجید فرقانِ حمید سائنسی علوم کی طرح آرٹس کی ترویج و ترقی میں بھی مسلمانوں کے کردار ہمارے ابتداء و آغاز کرتا ہے۔ رب و مددِ لاشریک کی عبادت (نماز) کی غرض سے قرآنِ حکیم کی با آواز بلند قراءت نے ”موسیقی“ کی نئی شاخ کو جنم دیا۔ قرآن پاک کے مواد و متن کی حفاظت و محافظت کے لئے خوش نویسی و فنِ کتابت اور جلد بندی کی ضرورت پیش آئی۔ مساجد کی تعمیر نے طرزِ تعمیر اور نقش نگاری کے فن کو جلا بخشی۔ اس میں بعد ازاں دولت مندوں کی غیر مذہبی ضروریات بھی شامل ہو گئیں۔ جسم و روح میں توازن قائم رکھنے کی خاطر اسلام نے تمام چیزوں میں اعتدال کا درس دیا تاکہ فطری و قدرتی خصوصیات اور قابلیات و اہلیت کو صحیح سمت دی جاسکے۔ اور یہ کہ انسان متوازن و معتدل ہم آہنگی کا مرتب بن سکے۔

﴿479﴾ ”صحیح“، ”مسموع“ اور ”مسند“ ابنِ خبیل رحمۃ اللہ علیہ میں رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خوب صورت حدیث بیان کی گئی ہے کہ ”خدا نے علم یزیدل خوب صورت ہے اور خوب صورتی کو پسند کرتا ہے۔“ ایک اور حدیث مبارکہ ہے کہ ”خوب صورتی ہر چیز میں ہونی چاہیے حتیٰ کہ اگر آپ کسی کو قتل بھی کریں تو عمدہ طریقہ سے کریں۔“ رب رحمن و رحیم قرآن پاک میں فرماتا ہے کہ:

وَلَقَدْ ذَرَيْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ

(سورۃ الملک، آیت: 5 پہلا حصہ)

ترجمہ ”اور ہم نے دنیا کے آسمان کو چراغوں کے ذریعے خوب صورتی عطا کی ہے۔“

اسی طرح فرمایا گیا کہ:

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لِّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا

(سورۃ الکہف، آیت: 7)

ترجمہ ”جو کچھ زمین پر ہے بے شک ہم نے اسے زمین کی زینت بنا دیا ہے تاکہ ہم



رب قادر و قدیر یہاں تک حکم دیتا ہے کہ۔

(سورة الاعراف، آیت: 31)

**ترجمہ** ”اے اولادِ ام‘ تم مسجد کی حاضری سے وقت (نماز کی ادائیگی کی خاطر) اپنا زیبائشی لباس پہن لیا کرو اور کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ نکلو۔ بے شک اللہ حد سے نکلنے والوں کو پشیمند نہیں کرتا۔“

480 رہبر کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ایک نصیحت و ہدایت آمیز واقعہ بارے میں آج بھی شناسائی ہوتی ہے۔ ایک دن سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تیار شدہ قبر کے اندرونی حصہ کو دیکھا تو وہ بہتر طور پر ہموار نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نقص کو دور کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ قبر کی ہموار سطح مردے کو نہ تو نفع دے گی اور نہ ہی نقصان کرے گی لیکن زندہ لوگوں کی آنکھوں کو زیادہ بھلی اور خوشگوار لگے گی جب بھی کوئی شخص کوئی کام کرتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ وہ شخص اسے بہتر و برتر انداز میں کرے۔ (ابن سعد VIII، 156)

481 ﴿﴾ فائز رٹس میں دلچسپی اور ذوق و شوق انسان میں خلقی و جمالی ہے۔ تمام قدرتی نعمتوں کی طرح اسلام فی قابلیت و لیاقت کو اعتدال کے جذبہ کے ساتھ فروغ و بے کا خواہش مند ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اسلام تو نفس کشی اور روحانی عبادات میں بھی حد سے تجاوز کو ممنوع قرار دیتا ہے۔

482 سرکارِ دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مسجد کا جو پہلا منبر تیار کیا گیا تھا اسے ان کی طرح کی دو گیندوں سے جایا گیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دو چھوٹے اور پیارے فرزند ان گیندوں سے کھیل کر خوشی محسوس کرتے تھے۔ یہ لکڑی پر نقش نگاری کا آغاز تھا۔ بعد ازاں قرآن پاک کے نغموں کو رنگوں سے منور و مزین کیا گیا اور ان کی جلد بندی میں بہت احتیاط برتی گئی۔ مختصر یہ کہ اسلام کبھی بھی فنی ترقی سے منع نہیں کرتا۔ صرف جانوروں (بشمول انسان) کی تصاویر سے روکا گیا ہے۔ یہ پابندی قطعی محسوس نہیں ہوتی تاہم ہادی اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل سے منع فرمایا ہے۔ اس پابندی کی الہیاتی، نفسیاتی، حیاتیاتی اور معاشرتی وجوہات ہیں۔ عالم نباتات اور عالم معدنیات کے مقابلے میں عالم حیوانات کا مظاہرہ و اظہار سب سے زیادہ ہے اور انسان اپنے خالق و مالک کا اذ حد شکر گزار ہے کہ اس نے اسے اشرف المخلوقات ہونے کا شرف بخشا۔ ماہرین نفسیات اس امر کی جانب توجہ دلاتے ہیں کہ مخلوقات میں عالم حیوانات کی اعلیٰ و ارفع پوزیشن (جانوروں میں حرکت کی صلاحیت اور انسانوں میں خاص طور

پر ایجاد و اختراع کی اہمیت کے باعث انسان کسی جانور کے اظہار و مظاہرہ (تصویر بنا کر یا کسی اور شکل میں) کے لئے دوگنی ترغیب و تحریص محسوس کرتا ہے۔ اول یہ تحریص و بہکاؤ کہ وہ یقین رکھتا ہے کہ وہ ”تحقیق“ کرتا ہے حالانکہ وہ محض تیار کرتا ہے (ثبوت کے طور پر اس یونانی مجسمہ ساز کا مشہور قصہ کہ جو اپنے ہی مجسمہ کا عاشق ہو گیا تھا)۔ دوم یہ تحریص و بہکاؤ کہ وہ اپنے اس اظہار و مظاہرہ کو تائید رسائی خدا کی مثالی اقدار سے منسوب و معنون کرتا ہے (عہد رفتہ کے لوگوں کی بت پرستی کی تاریخ اور عہد حاضر کے لوگوں کو ہیرو، چمپئن اور سٹار کے لئے حد درجہ عقیدت) اس کا حیاتیاتی پہلو یہ ہے کہ زیر استعمال نہ رہنے والی قابلیت و اہلیت مسلسل استعمال ہونے والی قابلیتوں اور اہلیتوں کو مضبوط و مستحکم کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک نابینا شخص یادداشت اور محسوسات کی ایسی قوت و طاقت کا حامل ہوتا ہے کہ جو عام بینا شخص کی قوت و طاقت سے بہتر و برتر اور ارفع و اعلیٰ ہوتی ہے۔ اگر آرٹسٹ کسی جانور کا اظہار و مظاہرہ مصوری، کندہ کاری یا مجسمہ سازی وغیرہ سے نہیں کرتا تو پھر وہ اپنے فن کے اظہار و مظاہرہ کے لئے زیادہ جوش و جذبہ کے ساتھ فن کی کسی اور شاخ کا سہارا لیتا ہے (درخت کے پھل میں اضافہ کے لئے فالو اور زائید از ضرورت شاخیں کاٹ دی جاتی ہیں) جہاں تک معاشرتی پہلو کا تعلق ہے اپنی نسل (عالم حیوانات) کی برتری کا احساس اکثر بگڑ کر بت پرستی کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور یوں جانوروں کے اظہار و مظاہرہ پر پابندی کا نتیجہ بت پرستی پر پابندی ہو سکتا ہے تاہم اس حوالے سے کئی مستثنیات ہیں۔ مثلاً بچوں کے کھلونے، ہیکلہ (قالین کی آرائش و زیبائش) (ان دونوں کو معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے گوارا کیا) خرید یہ کہ سائنسی ضروریات (علم تشریح الاعضاء اور علم بشریات وغیرہ کی تعلیم و تدریس کے لیے) سیکورٹی کی ضروریات (پولیس وغیرہ کے لئے تصویر، شناخت کے لئے تصویر، مفرور مجرم کی تلاشی کے لئے تصویر) اور اسی طرح کی دوسری ضروریات کے لئے تصویر پر پابندی نہیں لگائی جاسکتی۔

483 تاریخِ خاہر کرتی ہے کہ ”تصویری“ آرٹ پر اس پابندی نے مسلمانوں میں عمومی آرٹ پر کبھی بھی پابندی نہیں لگائی۔ اس کے برعکس غیر تصویری میدانوں میں حیران کن ترقی ہوئی ہے۔ قرآن الکریم مساجد کی تعمیر میں بلندی اور شان و شوکت کی سفارش کرتا ہے۔ ارشادِ رب العزت ہے:

فِي بُيُوتِ أَذْنِ اللَّهِ أَنْ تُرَفَّعَ وَيُذَكَّرَ فِيهَا اسْمُهُ

(سورۃ النور، آیت: 36) پہاڑ (حصہ)

**ترجمہ** ”ان گہروں میں (جن کے متعلق) حکم دیا ہے اللہ نے کہ بلند کئے جائیں اور

لیا جائے ان میں اللہ کا نام“

سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ میں مسجد، بروٹھم کی قبۃ الصخرہ (بیت المقدس) (The Dome of Rock)۔ استنبوں کی سلیمانیہ مسجد، سگرہ کا تاج محل، غرناطہ کا الحمراء محل جیسی دوسری یادگاریں دنیا کی اور تہذیبوں کے شاہکاروں سے کسی صورت کم نہیں، چاہے طریقہ تعمیر کے حوالے سے سوں یا فنی

آرائش و زیبائش کے حوالے سے ہوں۔

**484** خوش نویسی و خطاطی ایک ایسا آرٹ ہے جو مسلمانوں کی انفرادیت رہی ہے۔ یہ تصویر کی بجائے آرٹ کا تحریری شاہکار وجود میں لاتی ہے۔ اسے عام مصوری، دیواری مصوری اور عمدہ کپڑے کی سجاوٹ کے علاوہ مختلف میٹرل پر بھی استعمال میں لایا جاتا ہے۔ اس آرٹ کے شاندار شاہکار اپنی تمام تر رعنائی و زیبائی اور خوب صورت بناوٹ کے باعث دیکھنے سے نفلق رکھتے ہیں۔ انہیں الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔

**485** ایک اور آرٹ جو مسلمانوں کے لئے مخصوص ہے وہ تلاوت و قرأت کلام الہی ہے۔ آلات موسیقی استعمال کیے بغیر اور غیر منظم ہونے کے باوجود قرآن الکریم داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے تلاوت و قرأت کے لئے بہت زیادہ توجہ کا مرکز رہا ہے۔ دوسری زبانوں کی موسیقیت آمیز شاعری بھی عربی زبان کی نثر کی مٹھس، چاشنی اور نغمگی کا کسی طور مقابلہ نہیں کر سکتی۔ جنہوں نے کسی قاری کو قرأت کرتے سنا ہے یا کسی مؤذن کو دن میں کئی بار اذان دیتے سنا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ مسلمانوں کی یہ انفرادیت اپنی دلفریبی و دلکشی میں الٹاٹنی ولافانی ہے۔

**486** دنیاوی موسیقی و گلوکاری نے بھی بادشاہوں اور امراء کے زیر پرستی مسلمانوں کے ادوار میں ترقی کی منزل طے کیں۔ انھارانی، ("رسانل الخوان العفا")، ابن سینا اور دوسرے علمائے دین نے اس موضوع پر نہ صرف یادگار کام چھوڑا ہے بلکہ یونانی اور ہندوستانی موسیقی میں قابل تحسین و توصیف اصلاحات بھی کی ہیں۔ انہوں نے موسیقی میں علامات و نشانات کے استعمال کے ساتھ ساتھ مختلف میوزیکل آلات بارے بھی لکھا ہے۔ مختلف منظوم کلام اسے لئے مناسب و موزوں دھن کا انتخاب اور موقع و محل کی ضروریات کے مطابق آلات موسیقی کا انتخاب (خوشی اور غمی کے مواقع پر، مریض شخص کے لیے، وغیرہ) جیسے وہ موضوعات ہیں کہ جن پر جامع اور ٹھوس و واقعہ محالہ کے لئے بحسن و خوبی لکھا گیا ہے۔

**487** جب تک شاعری کا تعلق ہے معلوم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ذی شان ہے کہ "اے نظمیں بھی ہیں کہ جن کے اشعار حکمت و فطانت سے معمور ہوتے ہیں اور ایسے بھی خطیب ہیں کہ جن کے خطبات، مسحور کن ہوتے ہیں۔" قرآن پاک نے غیر اخلاقی و ناشائستہ شاعری کی حوصلہ شکنی کی ہے۔ اس ہدایت و حکم پر عمل کرتے ہوئے شافع محشر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گرد اپنے دور کے بہترین شعرا کو اکٹھا کیا اور ان کی صحیح سمت کی طرف رہنمائی کی اور حدود و قیود مقرر فرمائیں۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عظیم قدرتی ہلیت و قابلیت کے بہتر اور بڑے استعمال میں فرق واضح کیا۔ مسلمانوں کا شاعری کے میدان میں کام تمام زبانوں اور تمام زمانوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کام بارے یہاں مختصر بیان کرنا بھی ناممکن ہے۔ ایک عربی حتیٰ کہ ایک بروی اپنے آپ کو شاعری میں "ماہر" پاتا ہے کیونکہ وہ مترادف اصطلاحات سے بخوبی آگاہ و آشنا ہوتا ہے۔ "بیت" کا مطلب ذیمہ بھی ہے ورنہ نصف ٹکڑوں کا شعر بھی ہے جبکہ "مصرع" کے معنی نہ صرف شامیانہ کا کوئی نہ بلکہ شعر کا نصف ٹکڑا ہے۔ اسی طرح "سبب" شامیانہ کے رے کو کہتے ہیں جبکہ علم عروض کے مطابق دو

حرفی لفظ یا لفظ کے دو حرفی ٹکڑے کہہ سکتے ہیں۔ ”وتم“ کا مطلب شامیانے کی میخ یا کھونٹی ہے لیکن علم عروض کی رو سے یہ حرفی لفظ یا لفظ کے سہ حرفی ٹکڑے کو ”وتم“ کہا جاتا ہے۔ حرید یہ کہ نظم کی مختلف بحرؤں کے نام اونٹ کے قدموں کی پال (تیز، مدھم وغیرہ) بیان کرنے والے الفاظ کے مترادفات ہیں۔ یہ زبان کی عظیم اور منفرد خصوصیات میں سے چند مثالیں ہیں۔

488 مختصر یہ کہ آرت کی دنیا میں مسلمانوں نے انتہائی اہم اور موقع کردار ادا کیا ہے۔ مسلمانوں نے آرت کے نقصان دہ پہلوؤں سے اجتناب کرتے ہوئے اس کے جمالیاتی عناصر کو بجا کر کرنے کے ساتھ ساتھ ان میں قطعی نئی ایجادات بھی کی ہیں۔ آرت کی ترویج و ترقی میں مسلمانوں کا حصہ قابل ذکر ہے۔ فی الوقت دو نکات پر تبصرہ و غور کیا جاسکتا ہے ① کیا مسلمانوں کا اپنا کوئی کلچر نہیں تھا! تمام رائج و مردوع اسلامی کلچر جسے داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ سلی اللہ علیہ وسلم نے پوری توانائی کے ساتھ اچھی طرح ذہن نشین کرایا تھا۔ وہ ان اقوام کے کلچر میں مدغم ہو گئے ہوگا جنہیں مسلمانوں نے بڑی آسانی اور بڑی تیزی کے ساتھ زیر نگین کیا تھا۔ ② از حد وسیع و عریض اسلامی سلطنت کی رعایا تمام مذاہب کے لوگ تھے مثلاً ”عیسائی، یہودی، زرتشت، صابی، برہمن اور بدھ مت وغیرہ اور ان میں سے ہر کوئی اپنی تہذیبی و تمدنی روایات رکھتا تھا۔ اگر وہ باہم ایک دوسرے سے اتحاد و اشتراک (کلچر کے حوالے سے) نہ بھی کرتے پھر بھی انہوں نے لازمی طور پر مسلمانوں کے (کلچر) کے ساتھ اتحاد و اشتراک کیا کیونکہ مسلمان ان کے سیاسی آقا تھے۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے نکتہ نظر کی مسلمانوں کے رویہ و وساحت کی۔ یوں مسلمانوں پر لازم ہو گیا کہ وہ ان میں سے کسی کے کلچر کی نقل نہ کریں اور یہ کہ ان سب میں تضادات ہونے کے باوجود ان کا جائزہ لینے کے لئے اور سائنس اور انسانیت کے مفاد کی خاطر ان کا ایک مرقع و مجموعہ تخلیق ہونا چاہیے تھا؟



## اسلام کی عمومی تاریخ

﴿489﴾ اسلام کی تاریخ سے مراد عملاً دنیا کی گزشتہ چودہ صدیوں کی تاریخ ہے۔ ہم اس قدر کوشش و کوش کر سکتے ہیں کہ تاریخ کے چیدہ و چنیدہ بڑے واقعات کا وسیع تناظر میں سیدھا سادہ خاکہ پیش کر دیا جائے۔

### خلفائے راشدین:

﴿490﴾ دینی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مبارک 632 عیسوی (11 ہجری) میں ہوا۔ گزشتہ 23 برسوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کامیابی و کامرانی کے ساتھ نہ صرف ایک دین کی تعمیر و تشکیل میں سخت محنت و مشقت کی بلکہ عدم وجود سے ایک ایسی ریاست تخلیق کی کہ جو اگرچہ آغاز میں مدینہ منورہ کے ایک حصے پر مشتمل ایک چھوٹی سی شہری ریاست تھی مگر دس سال کے مختصر عرصہ میں وہ مکمل جزیرہ نمائے عرب کے ساتھ ساتھ فلسطین اور عراق کے چند جنوبی علاقوں تک پھیل چکی تھی۔ مزید یہ کہ ہادی اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھوں کی تعداد میں اپنے پیروکاروں کی ایسی قومیت چھوڑی کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقائد و قواعد پر یقین کامل کے ساتھ اس کام اور مشن کی ترویج و اشاعت کی بھرپور اہمیت و صلاحیت رکھتی تھی کہ جس کا آغاز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔

﴿491﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے آخری حصہ کے دوران (پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مشغول وے مثال زمانی و مکانی کامیابیوں کے باعث) نبوت کی جھوٹی و عویداری پیدا ہوئی۔ یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جانفشین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبوت کے ان جھوٹے و عویداروں کو کھینچنے میں کئی ماہ لگ گئے جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے باعث زیادہ جرأت و جسارت کے ساتھ میدانِ نمل میں اترے تھے اور ان میں کچھ اور جھوٹے و عویدار بھی شامل ہو گئے تھے۔

﴿492﴾ سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے لمحات میں بازنطینی رومی سلطنت کے علاوہ ایران کے ساتھ بھی جنگ کی حالت و صورت تھی۔ اس بات کو مد نظر رکھنا چاہیے کہ بازنطینی رومی سلطنت کے علاقے میں ایک مسلمان غیر کوشید کر یا گیا تھا مگر وہاں کے شہنشاہ نے اس کا ازالہ و مٹانی کرنے کی بجائے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تجوز و متبادل اقدامات کو نہ صرف مسترد کر دیا تھا بلکہ اس صورت حال میں مسلمانوں کی تعزیری مہم کو روکنے کے لئے عسکری مداخلت کی تاکہ قتل کو بچایا جاسکے۔ (ملاحظہ پیرا گراف 442) جہاں

تک ایران کا تعلق ہے۔ عرب میں اس کے محروس علاقوں اور اس کے مابین کئی سال سے جاری خونریز جھڑپوں کے باعث ان علاقوں میں مقیم کچھ توکل مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ ایرانیوں کے جارحانہ اقدامات اور ظلم و زیادتی نے بین الاقوامی سطح پر پیچیدگیوں کو جنم دیا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس وقت بازنطینی اور ساسانی دنیا کی دو عظیم قوتوں کے طور پر ابھرے جبکہ عربوں کے پاس سوائے مٹی بھر خانہ بدوش بدوؤں کے اور کوئی بھی قابل رشک چیز نہیں تھی۔ نہ تو ان کے پاس عسکری ساز و سامان تھا اور نہ ہی مادی وسائل تھے۔

﴿493﴾ جرأت و جراتمندی کے لائق تھیں و توصیف جوش و جذبہ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ

عنه نے ان دونوں عظیم طاقتوں کے خلاف بیک وقت جنگ کا آغاز کیا۔ پہلے ہی حملہ میں مسلمانوں نے چند سرحدی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ پھر غلیغہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنه نے امن پسندانہ حل کے لئے اپنا ایک سفیر قسطنطنیہ بھیجا مگر یہ کوشش بے سود و حاصل ری تاہم قیصراریہ میں شکست کے بعد شہنشاہ نے نئے فوجی دستے میدان کارزار میں اتارے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنه نے اس صورت حال میں مسلمان فوج کے چند حصوں کو عراق (ایرانی سلطنت) سے شام منتقل کیا۔ 634 عیسوی میں مسلمانوں نے یرشلیم کے قریب نئی فتح حصہ ص کی جس کے جلد ہی بعد ایک اور فتح حاصل ہوئی اور نتیجتاً دشمن کے تمام فرائض علاقے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ انہی لحاظات و اوقات میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دار فرائض کو خیر باد کہتے ہوئے دار بقا کی راوی تو ان کے جانشین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ نے وہ تمام مہم جاری و ساری رکھی کہ جو انہیں ورثہ میں ملی تھی۔ بلکہ ہی دمشق اور بعد ازاں حمص (شمالی شام) کے باشندوں نے مسلمانوں کے لئے اپنے راستے و دروازے کھول دیئے۔ حقائق اس امر کے غماز و عکاس ہیں کہ ان علاقوں کے رہائشیوں نے مسلمانوں کو فاتح اور دشمن سمجھنے کی بجائے ان کا عبور آزادی دہندگان استقبال و خیر مقدم کیا۔ حمص میں شکست کے بعد شہنشاہ ہرقل نے اپنی تمام تر قوت کو جمع کر کے آخری کوشش کی جس کے نتیجہ میں مسلمانوں نے بہتر انتظام و تفہیم اور اعلیٰ صف بندی کے مقصد کے حصول کی خاطر کچھ علاقوں کو خالی کرنا مناسب سمجھا۔ جب انخلاء کا فیصلہ ہو گیا تو مسلمان سپہ سالار نے حکم دیا کہ ان علاقوں کے تمام غیر مسلم افراد سے لیا گیا ٹیکس انہیں واپس کر دیا جائے۔ اس لئے کہ ان سے وصول کردہ محصولات کو استعمال کرنے کا انہیں حق نہیں پہنچتا کیونکہ ان افراد کی حفاظت کی ذمہ داری مزیداد انہیں کی جاسکتی۔ مسلمانوں کے اس ارفع و اعلیٰ اخلاقی محاسن کا نتیجہ یہ نکلا کہ مغلوب و مفتوح عوام نے اپنے سابقہ فاتحین (مسلمانوں) کے انخلاء پر آنسو بہائے۔ فرانسیسی مؤرخ De Geoe اپنی کتاب (Memorie sur la conquete de la Syrie) یعنی ”فتح شام کی یادداشت“ میں لکھتا ہے کہ ”درحقیقت شام میں عربوں کی صف بندی ان کے لئے بہت مدد و معاون ثابت ہوئی اور انہوں نے اس کا فائدہ بھی اٹھایا کیونکہ مفتوح عوام کے ساتھ جس نرمی و محبت کا برتاؤ عربوں نے کیا اس کا موازنہ عوام نے اپنے سابقہ بازنطینی آقاؤں کے اس خوفناک و ہولناک جور و استبداد اور ظلم و ستم سے کیا کہ جس کا وہ شکار رہے تھے۔“ اپنی عسکری حکمت عملی کے مطابق مسلمان

اگرچہ وقتی طور پر پیچھے ہٹے تاہم وہ اضافی قوت و مقبولیت کے ساتھ بارہواہیں ہوئے۔

**494** ایران کی قسمت بھی بہت زیادہ مختلف نہیں تھی۔ ابتدائی حسلوں ہی میں حمیرہ (جدید کوفہ) اور کچھ قلعہ بند مقامی علاقوں پر قبضہ کر لیا گیا۔ شام کی جانب عسکری و فوجی مہم کی روانگی نے وقتی سکون پیدا کیا تاہم چند ماہ بعد ہی جدوجہد بارہو شروع ہوئی اور آسانی کے ساتھ اور الخلافہ مدائن (قطیف، یمن) پر قبضہ کر لیا گیا۔ شہنشاہ یمن، گروہ نے چین کے شہنشاہ اور ترکستان کے بادشاہ کے ساتھ دوسرے ہمسایہ شہزادوں سے مدد و معاونت کی درخواست کی لیکن اس کو ملنے والی معاونت اس کے مقاصد کی تکمیل نہ کر سکی حتیٰ کہ اس کے اتحادیوں کو بھی بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔

**495** حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں مسلمانوں نے تریپولی (لبیا) سے لے کر عراق اور ایران وغیرہ تک حکومت کی۔ جبکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جانشین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں مسلمان نوبیہ، ڈنگولا (شمالی سوڈان کا ایک چھوٹا شہر)، اندلس (چین) کے ساتھ ساتھ چین کے کچھ علاقوں کے حکمران رہے۔ جزیرہ ہائے قبرص، روڈس اور کریٹ (اقریطس) بھی اس دوران سلطنت اسلام کا حصہ بنے۔ داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کو بمشک چند سال گزرے تھے کہ مسلم سلطنت بحر اوقیانوس سے بحر الکاہل تک وسعت اختیار کر گئی اور یوں براعظم یورپ کے برابر وسیع و قہر و علاقہ پر مسلمانوں کی حکومت تھی مگر دلچسپ اور قابل ذکر امر یہ ہے کہ کسی بھی علاقے کے مفتوح و مغلوب عوام کسی طور غیر مطمئن نہیں تھے۔ یہ بات اس حقیقت سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ 656 عیسوی میں جب مسلمانوں کو خانہ جنگی کی جانب دھکیلنے کی کوشش کی گئی تو کوئی اندرونی بغاوت نہیں ہوئی اور یوں بازنطینی شہنشاہ کو غیر جانبدار رہنے کے عوض شام کے مختلط و ہوشیار مسلمان گورنر کی جانب سے معمولی رقم کے وعدہ پر صبر و اکتفا کرنا پڑا۔

**496** مسلمانوں کی حکومت و سلطنت کی اس قدر سرعت کے ساتھ وسعت کو کسی ایک اوج کا محض قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بازنطینی اور ساسانی سلطنتوں کے باہمی اختلافات و تنازعات کے باعث عدم استحکام کا ازالہ عرب فاتحین کی عدم تنظیم کے ساتھ ساتھ مادی ذرائع اور ہتھیاروں کی کمی سے ہوا۔ یوں مسلمان چین سے چین تک مکمل طور پر نہ پھیل سکے جبکہ عرب بھی اتنی تعداد میں نہیں تھے کہ انہیں اس قدر وسیع و عریض علاقے میں پھیلایا جاسکتا۔ یہ حقیقت ہے کہ ان جنگوں کا آغاز سیاسی نوعیت کا تھا کیونکہ مسلمانوں کی کسی صورت کبھی یہ خواہش و آرزو نہیں رہی کہ مذہب کو طاقت کے زور پر لاگو کیا جائے۔ اسلام اس قسم کے تصور اور نظریہ کی باضابطہ بنیاد کرتے ہوئے اسے ممنوع قرار دیتا ہے۔ تاریخ کا ورق ورق اس حقیقت کی گواہی دیتا ہے کہ مغلوب و محکوم وزیر نہیں اقوام کو مسلمانوں نے کبھی بھی جبر و زبرد اور قوت و طاقت سے دائرہ اسلام میں داخل کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اسلامی قواعد و ضوابط کی سادگی اور سلاست و موزونیت کے ہر کام مسلمانوں کی عملی زندگی کی زندہ و تابندہ مثال کے

باعث لوگ اپنا سابقہ مذہب چھوڑ کر نیا مذہب اختیار کرنے پر قائل و مائل ہوئے۔ اگر مسلمان فقیہین لوٹ کر آتے اور مالی مفاد کو سامنے رکھتے تو اس طرح ان کی سرعت پذیر فتوحات کے مقاعد کمزور تر ہو جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ مغلوب و مفتوح اقوام نے اپنے آقاؤں کی تبدیلی کو بہتری و بھلائی سے تعبیر کرتے ہوئے اس کا استقبال و خیر مقدم کیا۔ موجودہ دور میں مصر سے دریافت ہونے والی قدیم مصری کاغذ پر تحریر شدہ ہم عصر انتظامی دستاویزات اس حقیقت کی شہادت دیتی ہیں کہ عربوں نے مصر میں نیگسوں کا بوجھ بہت ہلکا کر دیا تھا چنانچہ یہ امر یقینی دکھائی دیتا ہے کہ تمام مفتوحہ ممالک میں بھی اسی نوع کی اصلاحات و مراعات کو متعارف کرایا گیا ہوگا۔ عربوں کی کفایت شعارانہ سادہ زندگی اور مسلم انتظامیہ کی ایمانداری و دیانتداری کے باعث انتظامی و انصرافی اخراجات میں نمایاں کمی واقع ہوئی۔ سلام میں مال غنیمت مطلقاً ان مجاہدین کی ملکیت نہیں بن جاتا جن کے وہ قبضہ میں آتا ہے بلکہ یہ حکومت کو دے دیا جاتا ہے اور وہ اسے قانون کے مطابق مقررہ تناسب سے عسکری جہم میں حصہ لینے والے تمام افراد میں تقسیم کرتی ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر ان غیر سرکاری سپاہیوں اور افسروں کی دیانت و امانت پر حیرت و مسرت کا اظہار فرماتے تھے کہ جو ایسے قیمتی جواہرات اور کثیر المایہ اشیاء حکومت وقت کے حوالے کر دیتے تھے کہ جنہیں انتہائی آسانی کے ساتھ چھپایا جاسکتا تھا۔

﴿497﴾ ”خانائے راشدین“ کے عنوان کا اختتام ایک نسطوری لاٹ پادری کے اس خط کی چند سطروں سے کرتے ہیں جو اس نے اپنے ایک دوست کو لکھا تھا اور اسے محفوظ کر لیا گیا۔ وہ لکھتا ہے کہ ”یہ عرب کہ جنہیں خدائے بزرگ و برتر نے ہمارے دور میں فوقیت و فضیلت سے نوازا ہے اور وہ ہمارے آقا بن گئے ہیں ہمارے عیسائی مذہب سے کسی صورت بھگڑا نہیں کرتے بلکہ اس کے برعکس وہ ہمارے عقیدہ کی حفاظت کرتے ہیں۔ ہمارے پادریوں اور ولیوں کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور ہمارے گرجا گھروں اور خانقاہوں کے لئے عطیات دیتے ہیں۔“

اموی:

﴿498﴾ 665 عیسوی میں خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد مسلم دنیا کو جانشینی کی جنگ کا سامنا کرنا پڑا جو اگلے تیس برس کے دوران کئی بار وقوع پذیر ہوئی۔ جس میں نصف درجن حکمران تخت نشین ہونے کے بعد منظرے غامض ہوئے۔ خلیفہ عبدالملک (685ء تا 705ء) کے اقتدار سنبھالنے کے بعد حکومت ایک بار پھر مضبوط و مستحکم ہوئی اور فتوحات کی ایک نئی لہر شروع ہوئی۔ نتیجتاً مراکش اور سین کے علاوہ برصغیر پاک و ہند کے شمالی علاقے مسلمانوں کی سلطنت میں شامل ہوئے۔ فرانس کے بیشتر علاقوں پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو اور دارالکھلافہ مدینہ منورہ سے دمشق متعلق ہوا۔ جب پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس شہر کی جگہ سابقہ باز نطنی علاقے نے لے لی تو اس سے مذہبی عقیدت و محبت اور جذبہ جاں نثاری



میں کی آئی جبکہ پیش و نشاط، دولت کے خیاں و زیاں اور جانبداری کے نتیجہ میں بغاوتوں اور انقلابات میں اضافہ ہوا تاہم ذہنی و تخلیقی اور سماجی و معاشرتی میدانوں میں فتوحات حاصل ہوئیں۔ صنعت میں تحریک و تیز رفتاری پیدا ہوئی۔ طب کے شعبہ کو نصاب طور پر حکومتی سرپرستی ملی۔ یوں یونانی اور دوسری غیر ملکی زبانوں میں لکھی گئی طب کی کتب کے عربی میں تراجم کیے گئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ (817ء تا 820ء) کا مختصر دور حکومت انتہائی شاندار اور عہد ساز رہا۔ ایک زونجلی کا دستور اختیار کرنے والے اس متقی و پرہیزگار خلیفہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ادوار کی یاد تازہ کر دی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے جانبداروں کی بجائے سردار ضابطی کی پرانی فائلیں نکلو کر ان پر نظر ثانی کی تاکہ اموال مغبوبہ کو ان کے حقیقی مالکان یا ان کے ورثاء کو واپس کیا جاسکے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کئی غیر مصفاہ ٹیکس ختم کر دیئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ غیر جانبدارانہ انصاف کے حوالے سے بے لچک اور سخت تھے چاہے تشدد کرنے والا مسلمان اور تشدد کا شکار غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ان شہروں (مثلاً سمرقند) کو خالی کرنے کا حکم دیا کہ جن پر مسلم افواج نے دھوکہ دہی سے قبضہ کر لیا تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے دار الخلافہ کی جامع مسجد کے اس حصہ کو گرانے کا حکم دینے میں قطعی کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کی جسے غصب شدہ زمین پر تعمیر کیا گیا تھا۔ (ماخذ: پیرا گراف 434) نتیجہ حیران کن تھا۔ اموی سلسلہ خلافت کے آغاز میں عراق کے محصولات اگر 100 ملین درہم تھے تو حضرت عمر ابن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت سے پہلے خلیفہ کے دور میں 18 ملین تک گر گئے جبکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ خلافت میں 120 ملین تک جا پہنچے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے تقویٰ و توزع اور دینی خدمات نے بین الاقوامی سطح پر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی اعلیٰ و ارفع شخصیت کے تاثر کو اجاگر کیا جس کے باعث سندھ اور ترکستان کے راجاؤں کے ساتھ ساتھ ہر بروں اور شاہان ماوراء النہر نے اسلام قبول کیا۔ ہر شخص مذہبی تعلیم میں دلچسپی لینے لگا۔ نتیجتاً تبحر علماء و فضلاء کی ایک ایسی کلبکشاں وجود میں آئی کہ جس نے مسلم قومیت کو سامنٹس کے مختلف شعبوں اور میدانوں میں معراج سے ہمکنار کیا۔ بدعنوانی کا تختی کے ساتھ خاتمہ کرنے کی بناء پر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی انتظامیہ کو ہر جگہ مقبولیت و شہرت نصیب ہوئی۔

﴿499﴾ اموی دور میں تعمیر ہونے والی فن تعمیر کی شاہکار و یادگار عمارتوں میں 691 عیسوی میں معرض وجود میں آنے والی بردشام کی مسجد اقصی (قوتہ الصخرہ) نمائندہ مثال ہے۔ دمشق اور دوسرے علاقوں میں دوسری یادگاروں کی باقیات اس میدان میں مسلمانوں کی گرانقدر ترقی کی گواہی دیتی ہیں۔ فن موسیقی میں عظیم ترقی بھی قابل ذکر ہے حالانکہ اس وقت موسیقی کی جنس ابھی تک ایجاد نہیں ہوئی تھیں اور ہم ترقی پر اثرات بارے قطعی نظریہ قائم کرنے سے قاصر ہیں۔ مسلمانوں کے دو بڑے فرقے سنی اور شیعہ بھی اسی دور کی پیداوار ہیں۔ ان دونوں فرقوں کے مابین اختلاف سیاسی بنیادوں پر استوار اس سوال پر ہے کہ کیا داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی الیہ کے ذریعے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں کے مابین وراثت

کی اساس پر ہونا چاہیے تھی؟ شیعہ فرقہ کے لئے یہ عقیدہ کا سوال بن گیا اور اس افتراق و اختلاف نے خان جنگلی کی شکل اختیار کر لی۔ یہ ایک ایسا جھگڑا و تفرقہ ہے کہ جس نے اسوی سلسلہ خلافت کا خاتمہ کر دیا۔ یوں 750 عیسوی میں عباسیوں نے حکومت سنبھالی مگر شیعہ اس تبدیلی سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ ہمارے زمانے میں دنیا بھر کے مسلمانوں میں شیعہ فرقہ سے منسلک افراد کی تعداد 10 فیصد ہو سکتی ہے جبکہ باقی سب سنی ہیں تاہم انتہائی معمولی تعداد ایک چھوٹے فرقہ خارجی کی بھی ہے جو اسی وقت ہی وجود میں آ گیا تھا۔

## عباسی:

500 عیسوی میں عباسیوں کے اقتدار میں آتے ہی مسم علاقے کی تقسیم شروع ہو گئی۔ آغاز میں اس کے دو حصے ہوئے اور بعد ازاں یہ مسلسل و متواتر آزاد ریاستوں کی شکل اختیار کرتا گیا۔ قرطبہ (سپین) میں ایک حریف خلافت قائم ہوئی جس نے 1492 عیسوی میں اپنے زوال تک مشرق سے اتحاد و ملاپ کے لئے کبھی بھی مصالحت نہ کی کہ جہاں دمشق کی جگہ بغداد مرکز خلافت بن چکا تھا۔

501 عباسی دور میں کوئی بڑی عسکری فتوحات نہیں ہوئیں البتہ رینکل سربراہوں نے کچھ اقدامات کیے تاہم انہوں نے بھی اگرچہ بغداد کو مرکز خلافت اور خلیفہ کو تسلیم کیا مگر خاجہ پالیسی یا اندرونی انتظامی معاملات میں اس پر انحصار و اعتبار نہیں کیا۔ اس حوالے سے برصغیر پاک و ہند بارے ہم علیحدہ حیرانگراف میں بات کریں گے۔ بازنطینی رومی سلطنت کے ساتھ تعلقات تلخ و خونریز تر ہوتے چلے گئے اور یونانی سلطنت کو ایشیائے کوچک کو مدظلنا خیر باد کہہ کر صرف یورپی علاقوں پر اکتفا و صبر کرنا پڑا۔

502 عیسویوں نے ایک پالیسی متعارف کرائی جس کے تحت رضا کاروں کی مقبول و ہر دلعزیز افواج کی جگہ پیشہ ور ترکی نژاد سپاہیوں اور فوجیوں کو زیادہ سے زیادہ بھرتی کیا گیا۔ اس سے جاگیر دارانہ نظام نے جنم لیا جس کی وجہ سے بعد ازاں آزاد و خود مختار صوبے وجود میں آئے اور یوں گورنروں کا ”شاہی سلسلہ“ چل نکلا۔ اقتدار کے حصول کے تقریباً نصف صدی بعد عباسی خلفاء نے اپنی خاص مراعات و اختیارات و رعایات مرکز گریز گورنروں کو منتقل کر دیا اور حتیٰ کہ کھونا شروع کر دیں۔ یوں ان کی حاکمیت بتدریج ان کے محلات تک محدود ہو سہ گئی۔ رہی سہی کسر امراء (اس دور میں حاکم کو ”امیر“ کہا جاتا تھا) نے پوری کر دی۔ ان امراء میں سے جو زیادہ طاقتور تھے انہوں نے دار الخلافہ پر قبضہ ہٹا دیا۔ خلافت اور پابندیت کا اس دور میں عجیب و غریب تضاد نظر آتا ہے۔ پوپ اگرچہ کسی سیاسی قوت کے بغیر منظرِ عام پر آئے لیکن انہوں نے کئی صدیوں بعد مقدس رومی سلطنت کے وجود میں آنے ہی سیاسی قوت حاصل کر لی۔ کچھ عرصہ کے لئے وہ شہنشاہوں سے بھی زیادہ طاقتور ہو گئے اور پھر وقت کے ساتھ ساتھ انہوں نے یہ قوت و طاقت کھو دی۔ اس کے برعکس خلفاء نے مکمل طور پر طاقتور اور با اختیار حکمرانوں کے طور پر آغاز کیا۔ پھر سلاطین کو حکومت میں حصہ دار بنایا اور بالآخر خلافت اور آرمی و زمینی حکمران

بن کر رہ گئے کہ جن کا کوئی اختیار و اختیار نہیں تھا۔

503 عیسویوں کے دور میں ہی تینوں کے گورنر کو سسلی کی خانہ جنگی میں مداخلت کی دعوت دی گئی تو اس نے جزیرے پر قبضہ کر لیا اور اٹلی کے بیشتر اور بنیادی علاقے پر قدم جسات ہوئے روم تک باپینا۔ فرانس کے جنوبی علاقے کو سمٹریٹینڈ میں شامل کر لیا گیا، سمیت پڑیری کی اس لہر کو فاطمیوں نے بزور قوت و طاقت روک کر حکومت کا اختیار اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ شیعہ فرقہ کے فاطمیوں (فاطمی..... ثمانی افریقہ اور مصر و شام کے علاقوں پر حکومت کرنے والا اولاد) رضی اللہ عنہ، فاطمہ رضی اللہ عنہا کا شاہی سلسلہ (مترجم) نے اپنا دار الحکافہ قاہرہ منتقل کیا جہاں انہوں نے حبرک و محترم گرجاؤں اور عبادت گاہوں کی بے حرمتی کی۔ اس سے یورپ میں اس قدر ناراضی و آزدگی اور رد عمل پیدا ہوا کہ عیسائی پاپاؤں نے اسلام کے خلاف مقدس جنگ کی تبلیغ شروع کر دی۔ یوں صلیبی جنگوں کا ایک سلسلہ چل نکلا جس میں مشرق اور مغرب دونوں دوسدویوں تک برسر پیکار رہے۔ پہلی صلیبی جنگ کے وقت فاطمی پہلے ہی فلسطین کو الوداع کہہ چکے تھے۔ یوں فلسطین کی مجبور و معصوم عوام کو حمہ آوردوں کے غیض و غضب کا شکار ہونا پڑا۔ اس سے زیادہ دردناک و دلگداز حقیقت یہ ہے کہ بعض اوقات فاطمی بحیرہ روم کی مشرقی نصف اسلامی مملکتوں (اب ان علاقوں پر لبنان، شام اور اسرائیل کا قبضہ ہے۔ مترجم) کے خلاف اور جنگ میں صلیبیوں کی پوری قوت و طاقت کے ساتھ مدد و معاونت کرتے تھے۔ اس وقت مسلم دنیا کی کوئی مرکزی اتھارٹی نہیں تھی بلکہ درجنوں ایسی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں (جن میں کچھ شہری ریاستوں میں لا حکومتی اور طوائف الملک کی تھی) جو باہم برسر پیکار رہتی تھیں۔ مغرب کے خلاف جدوجہد میں گروہوں اور ٹرکوں نے زیادہ سے زیادہ عربوں کی جگہ لے لی۔ دوسری صلیبی جنگ کے مسلمان ہیرو سلطان صلاح الدین ایوبی نے نہ صرف یورپ والوں کو شام، فلسطین سے مار بھگایا بلکہ مصر سے فاطمیوں کا بھی صفایہ کر دیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اور اس کے جانشینوں نے اگرچہ خلافت بغداد کو تسلیم کیا مگر بغداد اپنی سیاسی قوت کی بحالی میں ناکام رہا جو کہ کافی تعداد میں چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ البتہ ان میں سے کچھ ریاستیں اسلامی سرحدوں کو وسعت دینے میں کامیاب و کامران رہیں۔

504 عیسوی میں روس کے علاقے "بلگر" کے بادشاہ نے بغداد سے اسلامی مسیح بلوایا۔ مبلغ سے ملاقات کے بعد اس نے اسلام قبول کر لیا اور غیر مسلم علاقوں کے عین درمیان اسلامی حکومت قائم کی۔ قفقاز (کاکیشیا) اور دوسرے ہمسایہ قریبی علاقے بھی رفتہ رفتہ و ترقی اسلام میں داخل ہوتے گئے۔

ہندوستان:

505 افغانی غزنویوں نے ہندوستان کو دوبارہ فتح کرنا شروع کیا تو دوسرے سلسلہ ہائے سلاطین (جنہوں نے اپنے آپ کو ملک کے شمال تک محدود کر لیا تھا) نے ان کی پیروی کی۔ پھر غلجی آئے جو اپنی فتوحات کو

جنوب تک لے گئے۔ ایک جھٹی کمانڈر نے عسکری مہم میں کیمپ کمرن (ہندوستان کی انتہائی جنوبی ریاست تامل ناڈو کا علاقہ) تک پیش قدمی کی۔ تاہم بعد ازاں جنوبی ہندوستان میں مسلم ریاستیں وجود میں آئیں۔ عظیم مغل (1526ء تا 1858ء) ہندوستان کی مسلم تاریخ میں خاص طور پر مشہور و معروف ہیں۔ انہوں نے ایک طویل عرصہ تک اس وسیع برصغیر کے تمام علاقے پر حکومت کی اور وہ دنیا کے ”برہمنوں“ میں شمار کیے جاتے تھے تاہم ان کی سرکاری طاقت و قوت صوبائی گورنروں کی وجہ سے اٹھارہویں صدی ہی سے کمزور ہونا شروع ہو گئی تھی اور بالآخر 1858ء میں برطانیہ نے انہیں باہر نکال کر ملک کے 3/5 حصہ پر قبضہ کر لیا باقی 2/5 حصہ ملکی ریاستوں نے باہم تقسیم کر لیا جن میں سے چند مسلمان تھیں۔ ان ملکی ریاستوں نے ہندی مسلم ثقافت کو قائم دائم رکھا۔ ان ریاستوں میں سے ایک ریاست حیدرآباد تھی جو ہندوستان کے مرکز میں واقع تھی اور 20 ملین آبادی ہونے کی وجہ سے اٹلی کے برابر تھی۔ ریاست حیدرآباد نے اسلامی تعلیمات کی اصلاحات پر خصوصی توجہ دینے کے باعث شہرت حاصل کی۔ اس کی مغربی انداز میں چلنے والی جدید یونیورسٹی میں درجنوں شعبے تھے جن میں اسلامی دینیات کا بھی شعبہ تھا۔ اس یونیورسٹی کے ہر شعبہ میں اور ہر سطح پر عربی رسم الخط کی خصوصیات کی حامل مقامی زبان اردو میں تعلیم دی جاتی تھی۔ سول کی سطح پر ہی انگریزی، ریاضی اور جدید تعلیم کے دوسرے کورسز کے ساتھ ساتھ عربی، فقہ اور حدیث کی تعلیم و تدریس لازمی تھی جبکہ یونیورسٹی کی سطح پر شعبہ دینیات کے سٹوڈنٹس نہ صرف اعلیٰ معیار کی انگریزی سیکھتے تھے بلکہ عربی کے ساتھ خالص اسلامی تعلیمات سے متعلق مسلمان بھی پڑھتے تھے۔ مزید یہ کہ تقابلی مطالعہ ایک رواج بن گیا تھا مثلاً فقہ کا جدید قانون کے ساتھ، کلام کا مغربی فذخہ کی تاریخ کے ساتھ اور عربی زبان کا عبرانی یا جدید یورپی زبان فرانسیسی یا جرمنی کے ساتھ تقابلی مطالعہ پڑھایا جاتا تھا۔ تقابلی مطالعہ کے دوران سٹوڈنٹس روزانہ سے رہبری و رہنمائی حاصل کرتے تھے جن میں ایک شعبہ دینیات کا پروفیسر جبکہ دوسرا شعبہ آرٹس و ادب یا قانون کا پروفیسر ہوتا تھا۔ اس سے ایک ہی موضوع پر اسلامی عقائد و تھاقف اور جدید مغربی رجحانات کی بیک وقت مہارت کے حصول کی خاطر بہتر ذرائع فراہم کیے جاتے تھے۔ کئی سالہ تجربہ اور خوش کن نتائج کے حصول کے بعد کوئی بات نئی نہیں رہی تھی۔ جب برطانیہ نے ملک کو مسلم پاکستان اور غیر مسلم بھارت میں تقسیم کرنے کے بعد 1947ء میں برصغیر پاک و ہند کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خیر باد کہا تو بھارت نے نہ صرف اپنی ملکی قربانی ریاستوں کو ضم کیا بلکہ ان کو دوسرے مقامی اتحادوں میں مدغم کر دیا جس سے ایسی آسانی ”قومیتیں“ وجود میں آئیں کہ جنہیں انتشار کا خطرہ اندیشہ لاحق تھا۔

﴿506﴾ آئیے اپنے اصل موضوع کی جانب لوٹتے ہیں۔ خفائے بغداد مسلسل اس امر کا مشاہدہ کرتے رہے کہ ”صوبوں“ میں مستقل تبدیلیاں نمل میں آرہی ہیں۔ گورنروں کو ہٹا دیا گیا ہے ایک صوبے کو دو یا دو سے زیادہ اکائیوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے جبکہ مختلف صوبوں کو ملا کر ان کا ایک ہی حکمران مقرر کر دیا گیا ہے تاہم ایسے واقعات شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں کہ جب اسلامی سرزمین پر غیر مسلموں نے قبضہ کر لیا ہو۔ یہاں تلجوتی خصوصی حوالہ

سے مستحق ہیں۔ گیارہویں صدی میں اقتدار کے حصول کے بعد انہوں نے نہ صرف دینی ایشیاء کو مغلوب و زیر نگین کیا بلکہ ایشیائے کوچک (اناطولیہ) کی آخری حد تک اپنی فتوحات کو وسعت دی اور قونیہ کو اپنا دار الخلافہ بنایا۔ چند نسلوں تک عمدہ اور شاندار حکمرانی کرنے کے بعد انہوں نے اقتدار عثمانی ترکوں کے حوالے کیا جنہوں نے آج کے باسفورس کو عبور کرتے ہوئے ویا: تک اسلامی سلطنت و مملکت کو وسیع کیا۔ وہ اپنا دار الخلافہ تبدیل کرتے رہے جن میں قسطنطنیہ (استنبول) اور انقرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کی پسپائی اٹھارہویں صدی میں شروع ہوئی۔ وہ یورپی سرزمین کا علاقہ در علاقہ خالی کرتے گئے حتیٰ کہ 1919ء میں وہ اپنے زوال کی معراج تک پہنچ گئے اور پہلی جنگ عظیم میں انہوں نے سب کچھ کھو دیا۔ عالمی منظر نامہ پر چند خوشگوار و خوش کن واقعات نے ترکی کو ایک بار پھر جمہوریہ کی شکل میں ابھرنے کا موقع فراہم کیا جو کہ آغاز ہی سے سفاکانہ قوم پرست اور رادیکالی تاحم فطرتا جمہوری ہونے کی بناء پر ترکی حکومت نے اپنے عوام کے دینی جذبات کی بھرپور ترجمانی کی جو پُر خلوص اور بے لوث مسلمان تھے۔ سولہویں صدی میں عثمانی ترکوں نے یورپ میں آسٹریا تک، شمالی افریقہ میں الجزائر تک جبکہ ایشیا میں میسوپوٹیمیا (دادی و جلہ و فرات)، عرب اور اناطولیہ سے گزرتے ہوئے جارحانہ سے یمن تک حکمرانی کی۔ ان کے کچھ سابقہ مسلم علاقے اب آزاد ریاستوں کی شکل اختیار کر چکے ہیں جبکہ غیر مسلم اکثریتی علاقوں نے ترکی سے علیحدگی اختیار کر لی۔

507 عیسویں صدی میں کچھ تاتاریوں نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ہلاکو، ان کا لیڈر تھا۔ اس نے لاکھوں لوگوں کا قتل عام کیا اور 1258ء میں دار الخلافہ بغداد کو تباہ و برباد کر دیا تاہم اس کی فوج کو ایک مصری مسلم جرنیل نے فلسطین میں عبرتہ تک شکست سے دوچار کیا۔ ہلاکو نے صیہبی جنگجوؤں کے ساتھ جارحانہ اتحاد بنا کر ایک اور حملے کی کوشش کی مگر ناکام و نامراد رہا۔ تاہم اس سے مسلم سائنس کا زوال اور مغربی سائنس کا آغاز ہوا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ مسلم صوفیاء کی کوششوں کے باعث وحشی و غیر مہذب تاتاریوں نے جب اسلام قبول کیا تو انہوں نے نہ صرف اسلام کے ارفع مقاصد کی تکمیل کے لئے کام کیا بلکہ یورپ کے مختلف ممالک کی جانب نقل مکانی کر کے انہیں نو آبادی بنالیا۔ فرن لینڈ، پولینڈ اور روس وغیرہ کی مسلمان قومیتوں میں ان کے زندہ نشانات و باقیات موجود ہیں۔

## اندلسی خلافت:

508 عیسویں خلافت عباسیہ کے آغاز ہی میں سپین نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی اور ایک ہزار سال تک حکومت و حکمرانی کرنے کے بعد 1492ء میں اس مسلم ریاست کے اقتدار کا سورج میسائیوں کے ہاتھوں غروب ہو گیا (ملاحظہ: پیرا گراف 500) سپین کے لئے مسلمانوں کا یہ دور مادی ترقی اور خوشحالی کا دور تھا۔ مسلم یونیورسٹیوں نے مسلسل و متواتر یورپ کے تمام حصوں سے غیر مسلم اسٹوڈنٹس کو اپنی جانب مائل کیا۔

مسلم عمارت کی فن تعمیر کی باقیات اس امر کی عکاس ہیں کہ مسلمانوں نے اس میدان میں حیران کن ترقی کی۔ اپنے سیاسی زوال کے بعد مسلمانوں کو خونریز ظلم و ستم کا سامنا کرنا پڑا تا کہ وہ اپنا مذہب اسلام چھوڑ کر عیسائیت قبول کر لیں۔ مسلمانوں کے نادر و نایاب کتب خانوں کو ایک ہی وقت میں جلا کر خاکستر کر دیا گیا حالانکہ ان لائبریریوں میں لاکھوں مخطوطات تھے کیونکہ پرنٹنگ پریس ابھی ایجاد نہیں ہوا تھا۔ مسلمانوں کا یہ ایسا نقصان ہوا کہ جس کا ازالہ و تلافی کبھی بھی نہیں ہو سکے گی۔

## مشرقی ایشیا اور جنوب مشرقی ایشیا:

509 چین کا بیشتر علاقہ تاحال مسلمانوں کے سیاسی غلبہ اور حکومت و حکمرانی سے آگاہ و آشنا نہیں۔ وسطی ایشیا سے پیش قدمی کرتے ہوئے مسلمان جب مشرقی ترکستان (موجودہ تیانگ) کے صوبہ میں پہنچے تو وہاں کے لوگوں کو شرف بہ اسلام کیا ورنہ لگا وہ سمندر کے راستے سفر کرتے ہوئے بنوئی صوبہ Yun-Nan میں داخل ہوئے تو وہاں کے باشندوں کو دائرۂ اسلام میں داخل کیا۔ کچھ عارضی ریاستیں بھی وجود میں آئیں لیکن سب سے بڑھ کر حقیقت یہ ہے کہ مسلمان مبلغین کی امن پسندانہ تبلیغ و حسن عمل نے چین اور تبت کے کروڑوں افراد کو اسلام قبول کرنے پر رغب اور آمادہ کیا۔ پھر بھی لمحہ موجود تک چینوں کی اکثریت تو حید پرستانہ مذہب اسلام سے مستفید و مستفیض نہیں ہو سکی۔

510 جنوب مشرقی ایشیا کی کہانی یکسر مختلف ہے۔ گزشتہ صدیوں کے دوران جنوبی عرب کے ساتھ ساتھ جنوبی ہندوستان کے مسلمان تاجروں اور سوداگروں نے براعظم کے اس حصے کا سفر کیا اور اپنے دین و عقیدہ کی بے لوث و بے غرض تشہیر و تبلیغ کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نہ صرف جزیرہ نما مالے بلکہ اس علاقہ کے دوسرے ہزاروں جزیروں کے باسیوں نے برضا و رغبت اسلام کو مکمل طور پر قبول و منظور کر لیا۔ فلپائن کے جنوبی جزائر کی طرح انڈونیشیا میں بھی اسلام کا ڈنکا بجنے لگا۔ کثیر تعداد ریاستوں میں منتشر ہونے کے باعث یہ علاقہ رفتہ رفتہ انگلینڈ اور ہالینڈ کے قبضہ میں چلا گیا تھا۔ کئی صدیوں کی غیر ملکی حکمرانی اور قبضہ کے بعد انڈونیشیا کے کروڑوں مسلمانوں نے آزادی کی نعمت حاصل کر لی ہے اور یہی صورت حال جزیرہ نما مالے کی بھی ہے۔

## افریقہ:

511 مصر سے لے کر مراکش تک شمالی افریقہ بہت پہلے سے اسلامی علاقوں کی صف میں رہا ہے۔ اس براعظم کے باقی ماندہ علاقوں میں ہر علاقے کی ترقی کی اپنی کہانی ہے۔ عرب سے قربت و قرابت کے باعث مشرقی افریقہ قدرتی طور پر اسلام سے متاثر تھا۔ نہ صرف اس کے وسیع علاقے مستحکم طور پر مشرف بہ اسلام ہیں بلکہ قابل ذکر اہمیت کی حامل مسلمان ریاستیں بھی معرض وجود میں آ چکی ہیں۔

512

مغربی افریقہ والوں نے اگرچہ دین اسلام کو بعد میں سمجھنا شروع کیا لیکن وہاں پر چند مسلمان حکمرانوں کی ملکی شرافت سے ہم آہنگ پُر زور کوششیں رنگ لائیں اور کثیر تعداد میں وہاں کے باشندے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ تاریخ شاید ہے کہ مغربی افریقہ میں صدیوں تک اصلی و حقیقی مسلمان حکومتیں قائم رہیں۔ عرب مؤرخین کے مطابق اس علاقے کی یہ مہم جو، بخروہ آبادی تھی جس نے سب سے پہلے امریکہ کی جانب راستہ دریافت کیا۔ اس حوالے سے برازیل و امتیازی و خصوصی حیثیت حاصل ہے۔ کرسٹوفر کولمبس اور اس کے جانشینوں نے وہاں نیگرو (سیاہ فام) باشندوں کو دیکھا۔ تاریخی دستاویزات کی جڑی کے باوجود اس حقیقت پر یقین کرنے کی ہر جہہ و جود ہے کہ سیاہ فام افریقہ کے مسلمانوں اور یوروپوں نے امریکہ کو آبادی بنانے میں حصہ لیا۔ مسلم مغربی افریقہ کا امریکہ کے ساتھ رابطہ واسطہ مسلم چین کے زوال اور امریکہ کی جانب یورپی بحری سفر و اسفار کے آغاز تک رہا۔ فرانس، برطانیہ، جرمنی، اٹلی، سپین، پرتگال اور ہجیم جیسی یورپی طاقتوں کا افریقہ بھی شکار رہا۔ اس براعظم میں وسیع علاقے ایسے ہیں جو اسلامی حکومت سے کبھی بھی آگاہ و آشنا نہیں ہوئے لیکن پھر بھی اسلام پوری شدت کے ساتھ وہاں پھیل رہا ہے حالانکہ وہاں کڑی نگرانی کے ساتھ ساتھ پیچھے بڑھ کر تاراج کرنے والے مغربی آقوں کی جانب سے رکاوٹیں کھڑی کی جارہی ہیں۔ نوآبادیات کے خاتمہ کے نتیجہ میں مسلم اکثریت کے حامل بیشتر ممالک آزاد ہو چکے ہیں تاہم ان میں سے کچھ غیر مسلم آمریت کے ظلم و ستم اور ایذا و سزا کا شکار ہیں جبکہ دوسرے علاقے لمحہ فحرفوں تر خود مختاری کی جانب بڑھ رہے ہیں۔

## ہمعصر دنیا:

513

انڈونیشیا سے مراکش تک تیس سے زائد مسلم ریاستیں ایسی ہیں جو پہلے ہی اقوام متحدہ کی رکن ہیں۔ اگر یورپ میں البانیہ ہے تو روس کے اندر دوسری مسلم جمہوریتیں ہیں جو اسلامی مذہبی معاملات میں بدترجیح خود مختاری میں اضافہ کرتی جارہی ہیں۔ برطانیہ کی جانب سے دولت مشترکہ کا قیام اس امر کا اعتبار ہے کہ غیر مسلم ریاستوں کی اجتماعیت ان کے مسمم ساتھیوں کی حقیقی آزادی میں رکاوٹ نہیں ہے بشرطیکہ برسرِ اقتدار افراد ذہانت اور غیر جانبداری کا مظاہرہ کریں اور قومی مفاد کو ذاتی مفاد پر ترجیح دیں۔ اگر سپین، فرانس، روس، ہندوستان، چین اور دوسرے ممالک اپنے ماتحت مسلم علاقوں کو اصلی و حقیقی خود مختار ریاستوں میں بدلنے کی تعلیم دیتے ہیں تو آزادی کی جدوجہد اپنا اصل مقصد کھو دے گی اور ہر شخص اس قابل ہوگا کہ وہ عالمگیر خیر خواہی کے احساس کے ساتھ اتحاد و اتفاق اور امانت و معاونت کی زندگی گزارے۔

514

امریکہ کے ریڈ انڈین (Red Indians) کے علاوہ اسلام اب دنیا کی تمام بڑی نسلوں میں نمائندگی کرتا ہے۔ عربی بولنے والے اپنی اہمیت کی بنیاد بالخصوص اس حقیقت پر استوار کرتے ہیں کہ ان کی زبان اسلام کی حقیقی و بنیادی تعلیمات اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآن اور حدیث کی محافظ اور ذخیرہ خانہ ہے۔ انڈونیشیا اور مالے انڈونیشیائی دو بڑے کثیر التعداد جی گروپ ہیں۔ سیاہ فام نسل کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ انہوں

نے اپنی قوت و طاقت کو آج تک محفوظ رکھا ہے۔ پروفیسر آرنلڈ ٹائن بی (Arnold Toynbee) جیسے متحرک کار اس بات کو سوچنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے کہ اسلامی تہذیب کے اگلے مرحلہ پر اس کے رہبر درہنہ سیاہ فام (ننگرو) ہوں گے۔ دراصل اسلام کے اس نسل میں لاتعداد وان گنت پیروکار پیدا ہو رہے ہیں اور یہ کہ نو مسلموں کا جوش و جذبہ قابل ذکر اور لائق تحسین ہیں۔

﴿515﴾ دنیا میں مسلمانوں کی صحیح اعداد کا تعین بالکل ہی کیا جاسکتا ہے کیونکہ پیدائش و اسوات کا عمل جاری رہتا ہے اور یہ کہ ذاتی وجوہات کی بناء پر نو مسلموں کی کچھ اعداد اپنے آپ کو واضح طور پر ظاہر نہیں کرتی لیکن دستیاب شہاد کی بنیاد پر یہ حقیقت کسی شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ آدم و حوا کی اولاد میں سے  $1/4$  اور  $1/5$  کی درمیانی نسبت میں افراد روزانہ اپنے چہرے کعبہ کی جانب موڑ کر با آواز بلند اعلان کرتے ہیں کہ اللہ اکبر..... یعنی اللہ سب سے بڑا (عظیم) ہے۔





## مسلمان کی روزمرہ زندگی

### پیدائش:

516 ﴿﴾ اگر مذہب کسی خاص نسل یا کسی خاص ملک کے لئے محدود و مخصوص نہیں اور پوری انسانیت کے لئے ہے تو پھر انسان کی پیدائش کی دو اقسام ہو سکتی ہیں۔ 1 رضہ کارانہ (اختیاری) 2 غیر رضہ کارانہ (غیر اختیاری)

517 ﴿﴾ پہنی قسم رضہ کارانہ (اختیاری) پیدائش سے مراد کسی باغ انسان کا بدستی جوش و حواس نمہ اپنے آزادانہ اختیار و انتخاب کے ساتھ اپنی مرضی و منشاء کا دین و مذہب اپنانا ہے جیسا کہ معلم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”زبان سے اعلان و اقرار اور دل سے تصدیق و وثیق“ سب سے پہلے ایک شخص غسل کرتا ہے اور ترجیحا پانی کی پھوار سے کرتا ہے تاکہ علامتی طور پر جہالت اور کفر کی گر و کو دھو ڈالے۔ بعد ازاں دو دو گواہوں کی موجودگی میں یہ اعلان و اقرار کرتا ہے کہ ”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔“ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ

518 ﴿﴾ رائی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دائرۃ اسلام میں داخل ہونے والے ہر نو مسلم سے پوچھ کرتے تھے کہ اس کا نام کیا ہے؟ اگر اس نام کی کوئی غیر اسلامی شناخت و پہچان ہوتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس نام کو بدل دیتے تھے اور متعلقہ نو مسلم کو نیا، آسان اور بہتر مفہوم و مطلب والا نام دیتے تھے۔ چنانچہ اگر کسی شخص کے نام کا مطلب ”کعبہ کا پجاری“ یا ”سورج کا پجاری“ یا ”عیاش و اوباش“ یا ”غلطی و گمراہی پر قائم رہنے والا“ وغیرہ ہوتا تھا تو معلم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کا مفہوم و مطلب رکھنے والے ناموں کو برداشت اور نظر انداز نہیں کرتے تھے۔ آج کل نو مسلم عام طور پر اپنا نام عربی میں رکھتے ہیں۔ یہ وہ زبان ہے جو رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی مادری زبان ہونے کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہا یعنی مومنین کی ماؤں کی زبان بھی تھی۔ یوں عربی ہر مسلمان کی مادری زبان ہے۔

519 ﴿﴾ روحانی مادری زبان ہونے کی وجہ سے ہر مسلمان کا یہ سماجی و معاشرتی فریضہ ہے کہ وہ عربی زبان سیکھے۔ زیادہ نہیں تو کم از کم اس کے حروف تہجی ضرور سیکھے تاکہ وہ قرآن حکیم کو صحیح طور پر پڑھ سکے۔ ہر دور میں نو

مسلموں نے اسے بہت زیادہ اہمیت و فوقیت دی یہاں تک کہ انہوں نے اپنی علاقائی زبانوں میں عربی رسم الخط کو اختیار کر لیا۔ یہ صورت حال فارسی، ترکی، اردو، مالی، پشتو، ہسپانی، گروہی، افریقی وغیرہ زبانوں کے ساتھ پیش آئی۔ مشرف بہ اسلام ہونے والے ہر نو مسلم سے یہ پُر زور سفارش کی جاتی ہے کہ وہ سماجی و معاشرتی فریضہ کے طور پر عربی رسم الخط میں مہارت حاصل کرے اور کم از کم مسلمانوں کے مابین مقامی زبانوں میں باہمی خط و کتابت میں اسے ضرور استعمال کرے۔ درحقیقت جب عربی رسم الخط کو اس کی تمام تر صوتی علامتوں کے ساتھ لکھا جاتا ہے تو یہ اپنی خوب صورتی، درستی اور ہمہ قسم کے ابہام کی غیر موجودگی کے نقطہ نظر سے دنیا کے تمام رسم الخط کے مقابلے میں انتہائی اعلیٰ و ارفع اور بہتر و برتر حیثیت کی حامل نظر آتی ہے۔ اس کی عظیم جمالیاتی خوبی کے ساتھ ساتھ مالیاتی بچت و کفایت کے حوالے سے بھی قدر و قیمت ہے کیونکہ یہ مختصر نویسی کی ایک قسم ہی ہے۔

520 جب غیر عربی مسلمانوں نے اپنی زبانوں میں عربی رسم الخط استعمال کیا تو انہیں حروف تہجی میں اضافہ کے ساتھ ساتھ حروف علت کی صوتی علامات کے اضافہ کی بھی ضرورت پیش آئی۔ مختلف ممالک اور مختلف ادوار میں غیر یکساں وغیرہم آہنگ اضافے کیے گئے کیونکہ مسم دنیا میں ایسی کوئی مرکزی تعلیمی و حسابی نظام نہیں تھی جو یکساں و ہم آہنگ اضافے وضع کر کے انہیں لاگو کر سکتی۔ درحقیقت یہ لمحہ موجود کی شدید ضرورت اور وقت کا اہم تقاضا ہے کہ مسلم ممالک کے ساتھ ساتھ عربی رسم الخط استعمال کرنے والے غیر مسلم ممالک کی ایک کانفرنس منعقد کی جائے تاکہ غیر عربی زبانوں کو عربی رسم الخط میں لکھنے کے لئے یکساں نظام وضع کیا جاسکے۔ یوں مختلف زبانیں استعمال کرنے والے ایک جیسی غیر عربی آوازوں کے اظہار کے لئے مختلف علامات و اشارات استعمال نہیں کریں گے جیسا کہ بد قسمتی سے آج کل ایسا ہو رہا ہے۔ عربی حروف تہجی میں قدیم ترین اضافے شاید ایرانیوں اور ترکوں نے کیے جبکہ صوتی علامات کے قدیم ترین اضافے چین والوں نے کیے۔ دورِ جدید میں بھی عربوں نے اس قسم کے اضافوں کی ضرورت کو محسوس کیا ہے تاکہ غیر ملکی زبانوں کے اسمائے معارفہ کے تلفظ کو صحیح طور پر ادا کیے جاسکے اور کچھ حد تک غیر ملکی علاقائی زبانوں کی خصوصیات کو بھی سمجھا جاسکے۔ ہمارے علم کے مطابق اس حوالے سے سب سے بہتر اور درست صحیح نظام اور طریقہ کار عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن نے وضع اور اختیار کیا ہے اور اسے بڑی ضخیم کتب میں استعمال کیا ہے جیسا کہ Ernest Nys کے مجموعہ *Origines du droit des gens* کا اردو ترجمہ ہے۔ اسے بارہ قدیم یا جدید یورپی زبانوں کے رسم الخط میں لکھ گیا ہے۔ رسم الخط کے اس سسٹم کے ذریعے عربی حروف تہجی کو ڈھالنے کی تفصیلات اسلامک کچھ حیدر آباد میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

521 دوسری قسم غیر رضا کارانہ (غیر اختیاری) پیدائش کی ہے یعنی جب ایک بچہ ایک مسلمان خاندان میں پیدا ہوتا ہے۔ جب دایہ (قابلہ) اپنا کام مکمل کر لیتی ہے تو اس کے فوراً بعد ہی کوئی بھی مسلمان اس نومولود بچے کے دائیں کان میں اذان دیتا ہے جبکہ اس کے بائیں کان میں اقامہ پکارتا ہے تاکہ نومولود بچہ سب سے پہلی آواز جو سنے وہ ایمان کی گواہی اور اپنے خالق کی عبادت و پرستش کی جانب بلاوا اور دعوت کی ہو اور اس کی فلاح

ہو۔ اذان یا نماز کی جانب بلاوا اور دعوت ان کلمات پر مشتمل ہوتی ہے۔

اللہ اکبر (چار مرتبہ) اللہ سب سے بڑا ہے۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ (دو مرتبہ) میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اشھد ان محمد رسول اللہ (دو مرتبہ) میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ حی علی الصلوٰۃ (دو مرتبہ) آؤ نماز کی طرف۔ حی علی الفلاح (دو مرتبہ) آؤ نجات کا میابی کی طرف۔ اللہ اکبر (دو مرتبہ) اللہ سب سے بڑا ہے۔ لا الہ الا اللہ (ایک مرتبہ) نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے۔ جہاں تک اقامہ یا نماز کے قیام کے اعلان کا تعلق ہے وہ ان کلمات پر مشتمل ہوتا ہے۔

اللہ اکبر (چار بار) اللہ سب سے بڑا ہے۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ (دو بار) میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اشھد ان محمد رسول اللہ (دو بار) میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ حی علی الصلوٰۃ (دو بار) آؤ نماز کی جانب۔ حی علی الفلاح (دو بار) آؤ کامیابی و نجات کی جانب۔ قد قامت الصلوٰۃ (دو بار) تحقیق کھڑی ہو گئی نماز۔ اللہ اکبر (دو بار) اللہ سب سے بڑا ہے۔ لا الہ الا اللہ (ایک بار) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

## ابتدائی زندگی:

﴿522﴾ جب نومولود بچے کے سر کے بال پہلی بار کاٹے جاتے ہیں تو ان بالوں کے وزن کے برابر چاندی یا رائج الوقت کرنی میں اس کی متبادل رقم غرباء میں تقسیم کی جاتی ہے۔ اگر کوئی حیثیت و استطاعت رکھتا ہے تو بکرا بکری یا بھیڑ ذبح کر کے اقرباء و غرباء کی تواضع کرتا ہے۔ اسے عقیدہ کہتے ہیں۔

﴿523﴾ اگرچہ اس میں عبرت کی کوئی حد یا قید نہیں تاہم سنہ سنہ ہی میں لڑکے کا ختنہ کیا جاتا ہے۔ نو مسلم بالغ مردوں پر یہ لازم نہیں۔

﴿524﴾ جب بچہ قدرے چار سال بعد اپنی تعیم کے آغاز کی عمر کو پہنچتا ہے تو خاندانی دعوت و ضیافت کا اہتمام داخلہ مکیہ جاتا ہے تاکہ بچہ اپنا پیلاہتی پڑھے۔ ایک اچھے اور یکے شگون کے طور پر کوئی بڑا فرد اس بچے کے سامنے قرآن حکیم کی سورۃ 96 (العلق) کی پہلی پانچ وہ آیات تلاوت کرتا ہے جو دعائی اسام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی کی صورت میں اُتری تھیں۔ ان آیات کا تعلق پڑھنے اور لکھنے سے ہے۔ بڑا فرد ان آیات کو تلاوت کرتا جاتا ہے اور بچہ انہیں لفظ بہ لفظ دہراتا جاتا ہے۔ وہ آیات یہ ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ

الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

(سورۃ العلق، آیات: 1 تا 5)

**ترجمہ** ”اللہ کے نام سے جواز حد مہربان، نہایت رحم والا ہے۔ اپنے رب کے نام سے پڑھے جس نے سب کو پیدا کیا۔ انسان کو جسے ہوئے خون بستہ) سے پیدا کیا۔ پڑھے اور آپ کا رب سب سے بڑھ کر کرم کرنے والا ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے سکھایا، انسان کو (وہ) سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔“

﴿525﴾ جب بچہ نماز پڑھنے کے قابل ہوتا ہے تو اسے سکھایا جاتا ہے کہ نماز کیسے ادا کی جاتی ہے۔ وہ درجہ بہ درجہ ان کلمات و آیات کو یاد کرتا ہے جو نماز میں استعمال ہوتے ہیں۔ والدین کو چاہیے کہ وہ لازمی طور پر اپنے بچے پر سات سال کی عمر میں نماز پڑھنے کی پابندی لگائیں تاکہ وہ نماز کا عادی ہو سکے۔

﴿526﴾ جب بچہ سن بلوغت کو پہنچتا ہے تو نماز کے ساتھ ساتھ روزہ بھی اس پر فرض ہو جاتا ہے تاہم مسلمان گھرانوں میں بچہ اس کا بہت پہلے ہی ہادی ہو چکا ہوتا ہے۔ جب بچہ ماہ رمضان میں پہلا روزہ رکھتا ہے تو یہ درحقیقت خوشی و مسرت اور راحت و فرحت کا موقع ہوتا ہے۔ عام طور پر بارہ سال کی عمر میں بچہ ابتدائی طور پر صرف ایک دن کا روزہ رکھتا ہے جسے وہ آنے والے سالوں میں بتدریج بڑھاتا ہے حتیٰ کہ تمام ماہ رمضان المبارک کے روزوں کا اثر برداشت کرنے کا عادی ہو جاتا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ بڑا ہو جاتا ہے۔

﴿527﴾ حج مسلمان کی عمر تا پانچادھویات مستعار میں صرف ایک بار فرض ہے بشرطیکہ وہ اس کے وسائل کا حامل ہو۔ حج بارہویں قمری مہینہ ذوالحجہ کے دوسرے ہفتہ میں ادا کیا جاتا ہے جب لوگ مکہ منورہ میں مجتمع ہوتے ہیں اور شہر کے مضافات یعنی عرفات، مزدلفہ اور منیٰ میں مختلف ٹکٹوں پر قہرے ایک ہفتہ گزارتے ہیں۔ مکاری گائیڈ اور رہنما ہر فرد کی حج کی ادائیگی میں مکمل رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ سال کے کسی اور اوقات میں کعبہ کا طواف عمرہ کہلاتا ہے۔

﴿527﴾ (الف) حج کی ادائیگی کے لئے مردوں پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اپنا نمونی لباس ترک کر کے مذہبی یونیفارم احرام زیب تن کر لیتے ہیں۔ احرام کپڑے کی دو غیر ساتھی شدہ چادروں پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایک چادر جسم کے نچلے حصے کو ڈھانپنے کے لئے ہوتی ہے جبکہ دوسری چادر شانوں (کندھوں) پر ڈالی جاتی ہے تاہم سر کو ننگا رکھا جاتا ہے۔ (عورتیں اپنا نمونی لباس پہنتی ہیں جو باوقار اور پردہ دار ہونا چاہیے اور ان کے بازوؤں، ٹانگوں اور ایڑیوں کو ڈھانپ کر رکھے) غیر ملکیوں کو حرم یا مکہ مکرمہ کی شہری حدود سے باہر ہی لازمی طور پر احرام باندھ لینا چاہیے لیکن مکہ معظمہ کے رہائشی شہر کے اندر ہی ایسے کر سکتے ہیں۔ پھر عرفات جانا ہوتا ہے جہاں 9 ذوالحجہ کا تمام دن اللہ کی عبادت و ریاضت میں گزارا جاتا ہے۔ رات ’مزدلفہ‘ میں گزرتی ہے۔ ماہ ذوالحجہ کی 10، 11 اور 12 تواریخ منیٰ میں گزاری جاتی ہیں۔ اس دوران روزانہ شیطان کو علاقہ قحطی طور پر چتر کی کنکریاں ماری جاتی ہیں اور کوئی بھی فرد مکہ مکرمہ کا مختصر دورہ بھی کر سکتا ہے تاکہ وہ طواف کعبہ اور سعی کر سکے۔ سعی سے مراد کعبہ کی قریبی پہاڑیوں صفا اور مروہ کے درمیان سرت ہار آ رہا پارتا جانا ہے۔ احرام باندھنے اور اتارنے کے درمیانی عرصہ میں حاجی

متعلق و متواتر تلبیہ کا ذکر کرتا ہے اور خاص طور پر ہر نماز کے اختتام پر بھی کرتا ہے۔ تلبیہ کے کلمات یہ ہیں۔

لَبَّيْكَ، اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكُ، لَا شَرِيكَ لَكَ

**ترجمہ** ”میں حاضر ہوں (تیرے بلاؤں پر) اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں حاضر ہوں (تیرے بلاؤں پر)۔ بے شک (تمام) حمد، عزت و وقعت اور (تمام) حاکمیت تجھے ہی سزاوار ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں۔“

**527** (ب) عمرہ کے دوران عرفات، مزدلفہ اور منیٰ میں وقت نہیں گزارا جاتا بلکہ صرف طواف کعبہ اور سعی عفا و مرہ کی جاتی ہے۔ اس مذہبی رزم میں احرام باندھتے وقت مکہ مکرمہ کے رہائشیوں کو بھی شہر سے باہر جانا چاہیے اور پھر طواف اور سعی کرنا چاہیے۔ جس کے بعد مرد و حضرات سر کے بال ترشواتے ہیں۔

**528** زکوٰۃ ایک ٹیکس ہے جو مختلف اقسام کی بچتوں، ذخیرہ اندوزی، نفع بخش اموال و جائیداد مثلاً زراعت، کامرس، معدنی وسائل، پبلک سبزہ زاروں میں چرنے والی بھیڑیوں، بکریوں، اونٹوں اور گائے کے ریوڑوں کے ساتھ ساتھ محفوظ شدہ رقم پر لگایا جاتا ہے۔ محفوظ شدہ رقم پر ٹیکس (زکوٰۃ) کو نہ صرف غیر مسم ممالک بلکہ مسلم ممالک میں بھی ہر مسلمان انفرادی طور پر ضرورت مندوں کی پرائیویٹ مدد و اعانت کی شکل میں ادا کرتا ہے جبکہ دوسری قسم کے ٹیکس حکومتوں کی جانب سے عاید کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ اگر ایک شخص 20 ہزار روپے محفوظ رکھتا ہے اور اس پر ایک مکمل سال گزر جاتا ہے تو وہ اس پر 2½% ٹیکس یعنی 500 روپے ادا کرے گا۔ اگر وہ مقرض ہے تو اس کے قرض کی رقم اس کے محفوظ کردہ سرمایہ سے منہا کرنے کے بعد قابل ادا ٹیکس رقم کا تعین کیا جائے گا۔ زکوٰۃ کی تقسیم یا تو زکوٰۃ ادا کرنے والا براہ راست خود کرتا ہے یا کسی ایسے ادارے کے ذریعے کی جاتی ہے جو اس مقصد کے لئے متعلقہ علاقے میں موجود ہوتا ہے۔ زکوٰۃ نام کا ٹیکس کن افراد میں تقسیم کے لئے لاگو کیا جاتا ہے اور اس کی وصولی کا یہ مقصد و محور ہوتا ہے اس ضمن میں ارشاد رب العزت ہے کہ:

إِنَّمَا الصَّدَقَتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَمِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمَوْلَاتِ قُلُوبُهُمْ  
وَفِي الرِّقَابِ وَالْغُرِمَيْنِ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ  
وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ⑤

(سورۃ التوبہ، آیت: 60)

**ترجمہ** زکوٰۃ مظلوس اور محتاجوں اور اس کا کام کرنے والوں کا حق ہے اور جن نوجوانوں کی کرنی ہے اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں اور قرض داروں کے قرض میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کو (دی جائے) یہ اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا فریضہ ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔“

کوئی بھی شخص اپنی سالانہ تمام زکوٰۃ ان مستحقین میں سے کسی ایک پر خرچ کر سکتا ہے یا ایک سے زیادہ مستحقین میں تقسیم کر سکتا ہے۔

529) ایک اور ٹیکس دو سالانہ مذہبی تہواروں کے موقع پر تو بل ادائیگی ہوتا ہے۔ روزہ والے مہینہ رمضان المبارک کے آخر میں کسی غریب شخص کو اس قدر رقم دی جاتی ہے جو کسی بالغ فرد کے پورے ان کی خوراک کے لئے کافی ہو۔ دوسرا مذہبی تہوار اس وقت آتا ہے جب مکہ مکرمہ میں حج بیت اللہ ادا کیا جاتا ہے۔ اس موقع پر سہ ہجرت استیلاعت بکرا، سہری، بھیڑ وغیرہ کی قربانی دیتے ہیں۔ قربانی کے گوشت کے حصے کیے جاتے ہیں۔ کچھ اہل خانہ اور خاندان والے استعمال میں لاتے ہیں اور کچھ غرباء وغیرہ میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

530) جہاں تک مالی و مالیاتی معاملات کا تعلق ہے یہ امر ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ کسی مسلمان کو یہ قطعی اجازت نہیں ہے کہ وہ قرض کے حوالے سے سودی لین دین یا جو، لائری اور اسی قسم کی بے بازی والی اسکیموں میں حصہ لے۔ کوئی بھی فرد رضا کارانہ طور پر سود ادا نہیں کرتا۔ عام افراد کو دیئے گئے قرض پر سود کے مطالبہ سے اجتناب کرنا چاہیے۔ بچتوں پر بینکوں کا سودی نظام پیچیدہ ہے اور اس کا انحصار ہر بینک کے اپنے طریق کار پر ہے۔ اگر کوئی بینک ناموزوں و نامناسب شرح سود پر اُدھار دیتا یا رقم رکھتا ہے تو اس کا یہ لین دین بھی غیر قانونی اور ناجائز ہے تاہم کچھ ممالک میں چونکہ جائز لین دین والے بینک موجود نہیں ہیں اور وہاں اگر کوئی فرد سود لینے سے انکار کر دیتا ہے تو متعلقہ بینک اس رقم کو ایسے اداروں کے حوالے کر دیتا ہے جو اسلام کے لئے سخت نقصان دہ ہیں مثلاً ایسے خسری ادارے جو مسلمانوں کا ارتداد چاہتے ہیں چنانچہ ایسے بینک میں رقم جمع کرانے والے شخص کو چاہیے کہ وہ اپنی محفوظ شدہ رقم پر بینک سے سود وصول کر لے تاہم اسے اپنی ذات یا خاندان پر استعمال کرنے کے بجائے خیراتی و فلاحی مقاصد کے لئے دے دے۔ عظیم فقیہ حضرت امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ ”ناجائز ذرائع سے حاصل ہونے والی رقم کو خیرات میں دے کر اس سے لازمی طور پر چھٹکارا حاصل کرنا چاہیے۔“

531) حکومتی ایجنسیوں اور امداد باہمی کی سوسائٹیوں کے ذریعے انشورنس ایک قانونی نفع ہے جبکہ سرمایہ دارانہ نظام کے تحت چنے والی کمپنیوں کے ذریعے غیر قانونی ہے۔

## شادی:

532) ایک مسلمان مرد نہ صرف مسلمان عورت سے شادی کر سکتا ہے بلکہ یہودی یا عیسائی عورت سے بھی شادی کر سکتا ہے تاہم وہ کسی بت پرست، کافریا مشرک خاتون سے شادی نہیں کر سکتا۔ قرآن الحکیم کے مطابق:

(سورة المائدة، آیت: 5 درمیان حصہ)

ترجمہ ”اور تمہارے لئے پاک دامن مسلمان عورتیں حلال ہیں اور ان میں سے پاک دامن عورتیں جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے۔“

تاہم کسی مسلمان عورت کو یہ اجازت نہیں دی گئی کہ وہ (برغضب اور ہر فرقہ کے) کسی غیر مسلم مرد سے نکاح و شادی کر سکے۔ ارشادِ رب العزت ہے:

وَلَا تَتَّبِعُوا الشُّرَكَاءَ حَتَّى يُؤْمِنُوا ۚ وَلَا مُمْسِكَةً حَيْرَ مِنْ مُشْرِكَةٍ وَلَوْ  
أَعَجَبْتُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا الشُّرَكَاءَ حَتَّى يُؤْمِنُوا ۚ وَالْعِدَّةُ مُمْسِكَةٌ حَيْرَ مِنْ  
مُشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعَجَبْتُمْ ۚ أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ۚ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ  
وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ ۚ وَيُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلَّذِينَ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ﴿٦٠﴾

(سورة البقرة، آیت 221)

”اور مشرک عورتیں جب تک ایمان نہ لائیں ان سے نکاح نہ کرو اور مشرک عورتوں سے تو ایماندار لونڈی بہتر ہے اگر وہ تمہیں بھلی معلوم ہو اور مشرک مردوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں اور البتہ مومن غلام، مشرک سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں اچھا ہی لگے۔ یہ لوگ دوزخ کی طرف جاتے ہیں اور (اللہ) لوگوں کے لئے اپنی آیتیں کھول کر بیان کرتے ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کر سکیں۔“

533 اگر کوئی شادی شدہ غیر مسلم مرد شرف بہ اسلام ہو جاتا ہے لیکن اس کی یہودی یا عیسائی بیوی اپنے شوہر کے ساتھ دائرۂ اسلام میں داخل ہونا نہیں چاہتی تو ان دونوں کی شادی قائم اور برقرار رہے گی تاہم اگر یہودی بت پرست، کافر یا مشرک ہے اور اپنے کفر و شرک پر مصر اور ہند ہے تو ازدواجی تعلقات فوری طور پر ختم ہو جائیں گے۔ یہودی کو سوچ بچار کے سئے موزوں و مناسب وقت دیا جائے گا اور اگر پھر بھی وہ اپنے مذہب پر قائم رہے تو آخری قدم کے طور پر اسے طلاق دے دی جائے گی۔

534 اگر کوئی شادی شدہ غیر مسلم عورت مشرف بہ اسلام ہوتی ہے جبکہ اس کا شوہر مسلمان نہیں ہوتا تو پھر بھی دونوں کی شادی شدہ زندگی فوری طور پر ختم ہو جائے گی اور سوچ بچار کے لئے شوہر کو ایک محقول وقت دینے کے بعد بیوی عداات سے علیحدگی کا تقاضہ کرے گی۔

موت:

535 ایک مسلمان بستر مرگ پر چاہتے مستعار کے آخری لمحات میں خدا کی حقانیت و وحدانیت اور رسول

خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان کا اعلان کرنے کی کوشش کرتا ہے یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے کی کاوش کرتا ہے۔ اس کی موت کے وقت میں اس کے ارد گرد جمع افراد بھی اس کلمہ تو حید و رسالت کو بار بار دہرا کر اس کی مدد کرتے ہیں۔ جب جسم بے روح ہو جاتا ہے تو کوئی ایک فرد مرد کے دونوں ہاتھ اس طرح جوڑتا ہے جیسے وہ نماز کی حالت میں ہو یا تو اس کے ہاتھ سینے پر یوں رکھے دیئے جاتے ہیں جیسے وہ حالت قیام میں ہو یا اس کے ہاتھ دونوں جانب سیدھے پھیلا دیئے جاتے ہیں جیسے وہ رکوع سے اٹھنے کی حالت میں ہو۔

536 ﴿اگر ممکن ہو تو مُردہ شخص کے جسم کو غسل دے کر صاف کیا جاتا ہے۔ اس کا اس وقت کا پہنا ہوا لباس اتار کر اسے سادہ کپڑے کی تین چادروں میں لپیٹ دیا جاتا ہے۔ غسل کے وقت صابن یا اسی قسم کے کسی اور میٹرل ملے پانی کو مُردہ کے جسم پر انڈیلا جاتا ہے۔ پھر صاف پانی ذال کر صابن وغیرہ کو دھو دیا جاتا ہے۔ تیسری بار مُردے کے تمام جسم پر کافور ملا پانی ڈالا جاتا ہے۔ جب مُردے کو غسل دینا ممکن نہ ہو تو پھر تیمم ہی کافی ہوتا ہے (تیمم کے لئے اسی کتاب کا پیرا گراف 552 ملاحظہ کیجیے) مُردہ جسم کو سادہ کپڑوں کی چادروں سے ڈھانپنے کے بعد مُردے کی نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے۔ (مریقہ کار کے لئے پیرا گراف 569 ملاحظہ فرمائیے) نماز جنازہ اس مُردے کی غیر موجودگی میں بھی ادا کی جاسکتی ہے کہ جس کی تدفین دنیائے کسی اور مقام پر ہوئی ہو۔ قبرِ مہمردہ کی متوازی سمت کھودی جاتی ہے اور یہی اب تک طریق کار ہے۔ مُردے کا سر قد رے دائیں جانب موڑ دیا جاتا ہے تاکہ اس کا چہرہ کعبہ کی جانب ہو۔ مسلمان اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ مُردے کے پاس قبر میں دو فرشتے آتے ہیں جو اس سے اس کے ایمان و اعتقاد بارے سوالات کرتے ہیں۔ چنانچہ تدفین کے بعد کوئی شخص ایسے کلمات ادا کرتا ہے جو مُردے کو تلقین کر رہے ہوتے ہیں کہ اُس نے کیا جوابات دینا ہیں۔ ان کلمات میں کہا جاتا ہے کہ اے مرد..... یا عورت..... اللہ کے بندے یا بندہ! دنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنے عہد و قول کو یاد کرتے ہوئے گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے رسول ہیں اور یہ یقین و ایمان کہ جنت ایک حقیقت ہے دوزخ ایک حقیقت ہے۔ قبر میں سوال و جواب ایک حقیقت ہے۔ آخرت کا دن ضرور آئے گا اس میں کوئی شک و شبہ نہیں اور یہ کہ رب تعالیٰ قبروں والوں کو دوبارہ زندہ کرے گا اور یہ کہ تُو نے اللہ تبارک و تعالیٰ کو اپنا خالق و مالک تسلیم کیا ہے۔ اسلام تیرا مذہب ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے پیغمبر ہیں قرآن تیرا رہبر و رہنما ہے۔ کعبہ تیری سمت ہے کہ جس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کی جاتی ہے اور یہ کہ تم مؤمنین و مسلمان تیرے بھائی ہیں۔ خدا تجھے اس آزمائش میں ثابت قدم رکھے۔“ کیونکہ قرآن واضح طور پر کہتا ہے کہ:

يُكَلِّمُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُفْضِلُ اللَّهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ﴿٢٦﴾

(سورۃ ابراہیم، آیت: 27)

ترجمہ ”اللہ ایمان والوں کو دنیا اور آخرت کی زندگی میں پکی بات پر ثابت قدم رکھتا



ہے اور ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔“

مزید یہ کہ:

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۖ ارجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۖ فَادْخُلِي فِي عِبَادِنَا ۖ وَأُدْخِلْكَ جَنَّاتٍ ۖ

(سورۃ الفجر، آیات 27-30)

**ترجمہ** ”(ارشاد ہوگا) اے اطمینان والی روح! اپنے رب کی طرف لوٹ چل، تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ پس میرے بندوں میں شامل ہو اور میری جنت میں داخل ہو۔“

**537** قبروں پر بے اندازہ اور اندھا دھند خرچ کرنا منع ہے۔ جس حد تک ممکن ہو قبروں کو سادہ ہونا چاہیے بلکہ اس کی بجائے یہ رقم غریبوں اور ضرورت و حاجت مندوں اور مستحقین پر خرچ کی جانی چاہیے اور رب رحمن و رحیم سے دعا و اتجا کرنی چاہیے کہ وہ یہ خیرات نروے کی معافی و تلافی کی خاطر قبول و منظور فرمائے۔

## عمومی عادات و اطوار:

**538** روزانہ کی نمازوں اور سالانہ روزوں کے علاوہ مسلمان کو چند عادات و اطوار اپنانے کی سفارش کی جاتی ہے۔ اہم ترین عادت قرآن پاک کی مسلسل و متواتر تلاوت کرنا، ترجمہ و تفسیر پڑھنا اور اس کے متن و مواد پر غور و فکر کرنا تاکہ اس کی تمام باتوں کو انسان اپنی زندگی کے اندر سمو سکے۔ اس سے بڑی اور کیا نعمت ہو سکتی ہے کہ انسان احکام الہی سے مدد لے۔

**539** ہر مسلمان کسی بھی کام کا آغاز کرتے وقت بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتا ہے اور کام کے اختتام پر الحمد للہ کہتا ہے۔ جب کسی کام کے کرنے کا (مستقبل میں) ارادہ یا وعدہ کیا جاتا ہے تو فوری طور پر ان شاء اللہ کہا جاتا ہے۔

**540** جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں تو ایک السلام علیکم کہتا ہے جبکہ دوسرا اس کے جواب میں وعلیکم السلام کہتا ہے۔ یہ گڈ مارننگ (Good Morning)، گڈ ایوننگ (Good Evening) وغیرہ سے زیادہ بہتر اور جامع طریقہ و سلیقہ ہے۔ گڈ مارننگ، گڈ ایوننگ وغیرہ ایام جہالت کی باقیات ہیں۔

**541** ایک مسلمان کو یہ عادت ڈالنی چاہیے کہ وہ سوتے وقت اور جاگتے وقت رب تعالیٰ کی حمد و ثناء کرے۔ اس ضمن میں سبحان اللہ کہنا سب سے آسان کلہ ہے۔ مزید یہ کہ وہ سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے مثلاً اللھم صلی علی محمد وبارک وسلم۔

**542** داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں سمت کو ترجیح دی۔ جب جوتا پہنا جائے تو دائیں پاؤں میں پہلے اور بائیں پاؤں میں بعد میں پہنا جائے لیکن جوتا اتارتے وقت پہلے بائیں اور پھر دایاں اتارنا جائے۔

﴿543﴾ رب کریم و عظیم کی بارگاہِ اقدس میں بر عمل اور بر فعل میں (چاہے دو فطری و قدرتی عمل ہو یا ارادی عمل ہو) دعا کرنا اور مستقل طور پر دعا کرنا نیک عادات میں سے ہے حتیٰ کہ نمرز کی تیاری کے وقت بھی دعا کی جاتی ہے۔ داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہر موقع پر دعا مانگا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ دعائیں اسی کتاب کے پیرا گراف 166 (ب) میں بیان کی گئی ہیں جبکہ مزید تفصیلی دعائیں متعلقہ ضخیم کتب میں موجود ہیں۔

خوردونوش:

544 سور کا گوشت اور چربی (چاہے وہ کسی بھی شکل میں ہو) اور اکحل میز مشروبات منوع ہیں۔ ایک غلط فہمی دور کرنے کی ضرورت ہے۔ اگرچہ قرآن پاک کے لفظ ”خمر“ کا بنیادی مفہوم وہ شراب ہے جو انگور کے رس سے تیار کی جاتی ہے تاہم رائج اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں پہلے ہی سے اس اصطلاح کا مفہوم و مطلب ہمہ قسم کے الکحلی مشروبات ہی تھا چاہے وہ کسی بھی میٹرل سے تیار کیے گئے ہوں۔ چنانچہ جب ”خمر“ کی آیت نازل ہوئی تو مدینہ منورہ کے مسلمانوں نے تمام اقسام کے الکحلی مشروبات کے ذخیرہ کا ضائع کر دیا۔ انہوں نے محض انگوروں کے رس سے تیار کردہ شراب کو ضائع نہیں کیا۔ یہ امر قہر غور ہے کہ مدینہ منورہ میں کھجوروں سے فیروزہ مشروبات تیار کیے جاتے تھے۔ جہاں تک گوشت کا تعلق ہے تو مسلمان کسی بھی جانور یا پرندے کو استعمال نہیں کر سکتا جو شرعی طور پر ذبح نہ کیا گیا ہو۔ قرآن حکیم میں ارشاد رب العزت ہے کہ:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ وَلَحْمُ الْخُزْيُرِ وَمَا أُحِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ  
وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالطَّيْعَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا  
ذَكَيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَلِكُمْ فَنَشْ  
الْيَوْمَ يَبْئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَحْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنَ الْيَوْمَ  
أَكْبَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَيْتُكُمْ بِعَقَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنِ  
اضْطُرَّ فِي مَخْصَصَةٍ غَيْرِ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمِهِ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ٥

**ترجمہ** ”تم پر نرا اور اہل ہوا اور سہو رک گشت حرام کیا گیا ہے اور وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکا کر اجائے اور جو گلا دبا کر یا چوٹ سے یا بلندی سے گر کر یا سیٹگ مارنے سے مر گیا ہو اور وہ جو کسی درندے نے پھاڑ ڈالا ہو مگر جسے تم نے ذبح کر لیا ہو اور وہ جو کسی تھان پر ذبح کیا جائے اور یہ کہ جوئے کے تیروں سے تقسیم کرو یہ سب گناہ ہیں۔ آج تمہارے دین سے کافرنا امید ہو گئے سوان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔ آج میں تمہارے لئے تمہارا دین پورا تر چکا اور میں نے تم پر اپنا احسان پورا کر دیا اور میں نے تمہارے واسطے اسلام ہی کو دین پسند کیا ہے۔ پھر جو کوئی بھوک سے بے تاب ہو جائے لیکن گناہ پر مائل نہ ہو تو اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔“

وہ حلال جانور اور پرندے جنہیں کسی غیر مسلم نے ذبح کیا ہو حرام ہیں تاہم ساحبان اہل ہائی کتب (مثلاً عیسائی اور یہودی) اگر انہیں اپنے شرعی طریقہ سے ذبح کرتے ہیں تو وہ حلال ہیں۔

﴿545﴾ شرعی طور پر ذبح کرنے کے لئے بسم اللہ پڑھ کر گلا کاٹنا جاتا ہے جس میں سانس کی ناں بخوراک اور خون کی دو رگیں شامل ہوتی ہیں۔ ریزہ کی ہڈی کو نہیں کاٹنا جاتا۔ سر اور کھال اس وقت اتارے جاتے ہیں جب جانور مکمل طور پر ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔

﴿546﴾ سونے اور چاندی کی پلیٹیں اور کھانے کے برتن مسلمانوں کے لئے ممنوع ہیں۔ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان فی شن ہے کہ ”سونے اور خالص ریشم کا استعمال مردوں کے لئے ناجائز جبکہ عورتوں کے لئے جائز ہے“ تاہم اس میں چند مستثنیات ہیں۔ وہ یہ کہ فوجی لباس کے لئے ریشم کا استعمال ممنوع نہیں۔ دانتوں کی سرجری کے لئے بھی سونے کا استعمال جائز ہے۔ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وراثت پر سونے کا غلاف تھا۔ معتم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ایک صحابی ابن اسعد رضی اللہ عنہ کو اجازت دی تھی کہ وہ سونے کی چاندی کی مصنوعی ناک پیوند کرائے کیونکہ اس کی ناک ایک جنگ میں ضائع ہو چکی تھی۔

## لباس اور زلف آرائی:

﴿547﴾ جس طرح مسلمان مردوں کے لئے خالص قدرتی ریشم سے بنا ہوا کپڑا استعمال کرنا ممنوع ہے اسی طرح سرخ رنگ کا لباس پہننا بھی ممنوع ہے۔ سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی رکھی اور مسلمانوں کو بھی ایسا کرنے کی ہدایت کی۔

﴿548﴾ مسلمان عورتوں کو ایسا لباس زیب تن کرنا چاہیے جو ان کے جسم کو مناسب و موزوں طور پر ڈھانپ سکے اور ایسا لباس پہننے سے پرہیز کرنا چاہیے جو اونچی چوٹی یا جپیر کی بناوٹ میں ہو یا جس سے گردن اور کندھے عریاں ہو جائیں یا ایسے شفاف کپڑے کا ہو کہ جس سے جسم کی عریانیٹ نمایاں ہو۔ عورتوں کو لباس اور زلف

آرائی میں مردوں سے مشابہت کی کوشش بھی نہیں کرنا چاہیے اور ان تمام باتوں سے اجتناب کرنا چاہیے جن سے زیبائی و رعنائی و دلربائی کا منفی عنصر و تاثر جھلکتا ہو۔ عورتیں جب نماز ادا کر رہی ہوں تو انہیں اپنے سروں کو ڈھانپ لینا چاہیے۔ عورتوں کو پتلون پہننے کی بھی اجازت ہے۔ ان کی عبائیں ترجیحاً ان کے گھٹنوں سے نیچے تک ہونا چاہئیں۔ (بحوالہ: ابو داؤد رحمہ اللہ، ترمذی رحمہ اللہ، ابن ضبل رحمہ اللہ وغیرہ)

## نماز اور وضو:

﴿549﴾ شافعی روزِ محشر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ ذی شان ہے کہ ”صفائی نصف ایمان ہے“ چنانچہ جب کوئی نماز کی ادائیگی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے پہلے اپنے بدن کو صاف کرنا ہوتا ہے۔ عام طور پر روزانہ کی نمازوں کے لئے مادہ وضو کیا جاتا ہے۔ غسل اور ترجیحاً پھوار (Shower) سے غسل کرنا چند اور مواقع کے لئے لازم ہے۔ ان میں میاں بیوی کے ازدواجی ملاپ کے بعد، مردوں کو خواب میں احتلام کے بعد جبکہ عورتوں کو ماہانہ حیض اور بچہ کی پیدائش کے بعد غسل لازم ہو جاتا ہے۔ نماز جمعہ المبارک کے لئے بھی غسل کی پُر زور ہدایت کی گئی ہے۔

﴿550﴾ غسل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے وضو کیا جائے پھر کم از کم تین بار سر سے لے کر پاؤں تک مکمل جسم پر پانی ڈالا جائے۔ اگر پھوار کا (Shower) کا انتظام نہ ہو تو ب کے ذریعے بھی غسل کیا جاسکتا ہے۔ صاف کے صاف پاکیزہ پانی کو جگ کے ذریعے سر اور شانوں پر ڈالا جاتا ہے اس طرح کہ ٹب خالی ہو جاتا ہے۔

﴿551﴾ وضو کا طریقہ کار یہ ہے کہ پاکیزگی و طہارت کی نیت سے سب سے پہلے ہم اللہ پڑھی جاتی ہے۔ پھر ہاتھوں کو کلبیوں تک دھویا جاتا ہے۔ منہ میں پانی ڈال کر کھگلا جاتا ہے۔ پانی سے نتھنے صاف کیے جاتے ہیں۔ چہرے کو پیشانی سے ٹھوڑی تک اور آیتہ کان سے دوسرے کان تک دھویا جاتا ہے۔ پہلے دائیں اور پھر بائیں ہاتھ کو کہنیوں تک دھونے کے بعد گیلی انگلیوں کو سر اور کانوں کے سوراخوں میں پھیرا جاتا ہے۔ (بعض مکتبہ ہائے فقہ اس میں گردن کو بھی شامل کرتے ہیں) آخر میں پہلے دائیں اور پھر بائیں پاؤں کو ٹخنوں تک دھویا جاتا ہے۔ ہر عمل تین بار کیا جاتا ہے۔ اگر پانی کی کمی ہو تو ایک بار ہی کافی ہے۔

﴿552﴾ اگر کسی بھی صورتِ فحشی طور پر پانی دستیاب نہ ہو تو تیمم (مٹی سے وضو) کی اجازت ہے۔ تیمم کی ان مریضوں کو بھی اجازت ہے جو طبی بنیادوں پر پانی سے پرہیز کرتے ہیں۔ تیمم کے لئے طہارت و پاکیزگی کی نیت سے ہم اللہ پڑھ کر صاف مٹی پر ہاتھ لگا کر ہتھیلیاں چہرے پر پھیری جاتی ہیں۔ (صاف مٹی کی خاطر مکان کی دیوار بھی استعمال کی جاسکتی ہے) پھر دوبارہ ہاتھ مٹی پر لگا کر بائیں ہتھیلی کو دائیں بازو پر (کہنی سے کلائی تک) اور دائیں ہتھیلی کو بائیں بازو (کہنی سے کلائی تک) پھیرا جاتا ہے۔ یہ رب قادر و قدر کے حضور عاجزی و انکساری کا علامتی اظہار ہے۔

﴿553﴾ ہر نماز کے لئے نئے وضو کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب پہلا وضو، نیند (سولے) سے، فطری و قدرتی طور پر گیس کے خراج سے، جسم کے پرائیویٹ اور پوشیدہ حصوں سے کسی مادہ کے اخراج سے یا قے کی وجہ سے ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ عام طور پر W.C. (لمبارت خانہ) میں پانی استعمال کرنا چاہیے نہض کاغذ کا استعمال کافی نہیں۔

﴿554﴾ نماز کی ادائیگی کے لئے صاف لباس اور صاف جگہ کے ساتھ ساتھ قبلہ (کعبہ) کی سمت کا علم ہونا ضروری ہے۔ اس حوالے سے قطب نما صحیح سمت کے تعین میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ (موجودہ دور میں ایسے قبلہ نما بازار میں دستیاب ہیں جو ہر مقام پر کعبہ کی صحیح سمت بتاتے ہیں)

﴿555﴾ روزانہ کی پانچ نمازیں جن میں جمعۃ المبارک کے دن دوسری نماز (نماز ظہر) مذہبی اجتماع کی شکل میں ادا کی جاتی ہے۔ دو سالانہ نمازیں ہیں ایک نماز عید الفطر اور دوسری نماز عید الاضحیٰ۔ تمام نمازیں ادائیگی کے طریقہ کے حوالے سے ایک دوسرے سے مشابہت رکھتی ہیں تاہم نماز جنازہ ان سے مختلف ہے جس کا ذکر ہم پیرا گراف 569 میں کریں گے۔ نماز فجر کی دو رکعت، نماز ظہر اور عصر اور عشاء کی چار چار رکعتیں جبکہ نماز مغرب کی تین رکعتیں ہوتی ہیں۔ نماز جمعۃ المبارک، نماز عید الفطر اور نماز عید الاضحیٰ کی دو دو رکعتیں ہوتی ہیں۔ داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عشاء کے بعد تین رکعتیں مزید ادا کرنے کی شدت کے ساتھ ہدایت کی ہے۔ انہیں ”وتر“ کہا جاتا ہے۔

﴿555﴾ (الف) روزانہ صرف پانچ نمازیں فرض ہیں لیکن رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ رہی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نماز میں اضافی رکعتیں ادا کیں اور مسلمانوں کو ان کے ادا کرنے کی تاکید بھی کی۔ چنانچہ نماز فجر سے پہلے دو رکعتیں، نماز ظہر کے فرضوں سے پہلے چار رکعات اور بعد میں دو رکعات، نماز مغرب کے بعد دو رکعات پڑھنے کی پر زور ہدایت و تاکید کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ ہر مسلمان جس قدر چاہے نوافل ادا کر سکتا ہے۔ زیادہ عبادت، زیادہ ثواب، فضیلت، مزید برآں یہ کہ جب کوئی مسلمان کسی سجد میں داخل ہوتا ہے تو اسے دو رکعت بطور تحیات المسجد ادا کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ فجر، ظہر اور مغرب کی اضافی رکعتوں کو سنتیں کہا جاتا ہے۔

﴿556﴾ نماز کی ادائیگی کا طریقہ و سلیقہ یہ ہے کہ نمازی ضروری وضو کرنے کے بعد پاک صاف جگہ پر قبلہ رخ کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنے ہاتھ اپنے کانوں تک بلند کرتا ہے اور میت بندھتا ہے کہ ”میں فلاں نماز کی رب تعالیٰ کی پرستش کی خاطر (2 یا 3 یا 4) رکعتوں سے ساتھ کعبہ کی جانب رخ کر کے اس امام کی اقتداء (اگر نماز اجتماعی طور پر ادا کی جارہی ہو تو) میں ادائیگی کی نیت کرتا ہوں۔“ نیت کے بعد نمازی اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ نیچے کر لیتا ہے۔ مانگی اور شیعی فقہ کے مطابق ہاتھ دونوں جانب رانوں کو چھوتے ہوئے ڈھیلے چھوڑے جاتے ہیں جبکہ تمام دوسرے مکتبہ ہائے فقہ والے ہاتھ سینے پر ایک دوسرے کو کراس کرتے ہوئے اس طرح رکھتے ہیں کہ بائیں

ہاتھ جسم کو چھو رہا ہوتا ہے جبکہ وایاں ہاتھ اس کے اوپر ہوتا ہے۔ اب نماز شروع ہو جاتی ہے۔ نمازی نہ تو کسی سے بات کر سکتا ہے اور نہ ہی ادھر ادھر دیکھ سکتا ہے بلکہ اس کی نظریں صرف اور صرف اس جگہ پر مرکوز ہوتی ہیں جہاں اس نے سجدہ کے لئے پیشانی رکھنی ہوتی ہے۔ ہر بات و حرکت (رکوع، سجدہ، قعدہ وغیرہ) میں وہ اللہ اکبر کا اعلان کرتا ہے۔

﴿557﴾ نماز رب قہر و تدبیر کی حمد و ثناء سے شروع ہوتی ہے یعنی

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ

**ترجمہ** ”پاک ہے تیری ذات اے اللہ! اور حمد و ثناء تیرے لئے ہے۔ برکت والا ہے

تیرا نام اور بلند و بالا ہے تیری شان اور نہیں کوئی معبود تیرے سوا۔“

اس کے بعد قرآن حکیم کی پہلی سورۃ الفاتحہ تعوذ و تسبیح کے ساتھ پڑھی جاتی ہے اور پھر کوئی اور سورۃ یا آیات پڑھی جاتی ہیں۔ نماز کا تمام متن مع قرآنی سورتیں یا آیات خاموشی کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں البتہ فجر، مغرب اور عشاء کی نمازوں کے ساتھ ساتھ جمعۃ المبارک اور عیدوں کی نمازوں میں قرآنی حصے بہ آواز بلند تلاوت و قرأت کیے جاتے ہیں مگر یہ بلند آہنگ تلاوت و قرأت تنہا امام ہی کرتا ہے۔

﴿558﴾ قرآنی آیات کی تلاوت کے بعد نمازی گھٹنوں کو خم دینے بغیر ان پر دونوں ہاتھ رکھ کر جھک جاتا ہے۔ اس حالت میں وہ تین بار سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ (پاک ہے میرا رب عظمت والا) کہتا ہے۔ اسے رکوع کہتے ہیں۔ پھر سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ (سن لی اللہ نے اس کی بات جس نے اس کی حمد و ثناء کی۔ اے ہمارے رب! اور تیرے ہی لئے ہے حمد) سے رکوع سے اٹھنے کی حالت یا قومہ کہتے ہیں۔ اس دوران اس نے اپنے بازو اور ہاتھ دونوں جانب ڈھیلے لٹکائے ہوتے ہیں۔ بعد ازاں وہ پیشانی، ناک، گھٹنے اور ہتھیلیاں زمین پر ٹکا کر رب قہر و تدبیر کو سجدہ کرتا ہے۔ سجدہ کی حالت میں وہ تین بار سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ (بے عیب ہے میرا رب، بلند و برتر) کہتا ہے۔ سجدہ دے اٹھ کر دائیں پاؤں کو بلند رکھتے ہوئے بائیں پاؤں پر اس طرح بیٹھتا ہے کہ بائیں پاؤں کی ایڑی کا رخ آسمان کی جانب جبکہ انگلیوں کا رخ باہر کی طرف زمین کے متوازی ہوتا ہے۔ اس حالت کو ”جلوس“ کہتے ہیں۔ اس دوران وہ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي (اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما) کہتا ہے۔ پھر وہ دوسرا سجدہ بالکل انہی نکات اور طریقہ و سلیقہ کے ساتھ کرتا ہے جیسا اس نے پہلا سجدہ کیا تھا۔ اس کے بعد وہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ ان تمام حرکات و سکنات یعنی تکبیر تحریمہ (اللہ اکبر) سے لے کر دو سجدوں تک کے عمل کو ایک رکعت کہتے ہیں۔

﴿559﴾ دوسری رکعت میں حمد و ثناء نہیں پڑھی جاتی بلکہ دوسری رکعت شروع ہی سورۃ الفاتحہ سے ہوتی ہے۔

اس کے بعد کوئی اور سورۃ یا آیات پڑھی جاتی ہیں جو پہلی رکعت میں پڑھی جانے والی سورۃ اور آیات سے مختلف ہوں۔ باقی سارا عمل پہلی رکعت کی طرح ہی ہوتا ہے البتہ دو سجدوں کے بعد کھڑا ہونے کی بجائے نمازی ایسے

بیٹھ جاتا ہے جیسے جلسہ میں بیٹھتا ہے اس کی اس حالت کو ”قعدہ“ کہتے ہیں۔ اس دوران وہ تشہد اور سہل و ردو ابراہیمی پڑھتا ہے۔ تشہد جن کلمات کو کہا جاتا ہے یہ ہیں۔

الشَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ  
وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ أَلَسَلَامُ عَلَيْكَ وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ  
أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ

**ترجمہ** ”دوب و تعظیم کے سب کلمات، اللہ ہی کے لئے ہیں اور تمام دعائیں و عبادات اور تمام پاکیزہ باتیں اور عمل بھی (اللہ ہی کے لئے ہیں) سلام ہو آپ پر اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اللہ کی رحمت و برکتیں بھی۔ سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے و میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔“

560 نماز فجر، نماز جمعہ المبارک اور دونوں عیدوں کی نمازیں دو دو رکعت پر مشتمل ہوتی ہیں۔ تشہد اور مکمل درود ابراہیمی کے ساتھ دعائیں پڑھنے کے بعد نمازی نماز کے اختتام پر اپنے چہرے کو پہلے دائیں جانب اور پھر بائیں جانب پھیر کر اللہ علیہ وسلم کی رحمت اللہ [سلام ہو تم پر (اے مسلمانو!) اور اللہ کی رحمت] کہتا ہے۔ سلام سے پہلے اور درود پاک کے بعد قرآن پاک کی یہ دعائیں پڑھی جاتی ہیں۔

رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَرَبِّ زَيِّدْنِي مَرَاتِبًا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِي  
رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ

(سورۃ ابراہیم، آیات 40، 41)

**ترجمہ** ”اے میرے رب! بنا دو مجھ کو قائم رکھنے والا نماز کا اور میری اولاد کو بھی۔ اے ہمارے رب! اور قبول فرما میری دعا۔ اے ہمارے رب! بخش دیجیو مجھ کو اور میرے باپ کو اور سب ایمان والوں کو اس دن جب قائم ہو حساب۔“

نماز کی رکعات دو سے زائد ہونے کی صورت میں نمازی دوسری رکعت میں درود ابراہیمی اور دعائیں نہیں پڑھتا بلکہ صرف تشہد پڑھ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اگلی رکعت کے قیام پر صرف سورۃ الفاتحہ پڑھ کر رکوع، قومہ اور دو سجدے کرتا ہے۔ اگر نماز کی تین رکعتیں ہوں جیسا کہ شام (مغرب) کی نماز میں ہوتی ہیں تو پھر نمازی تیسری رکعت کے دو سجدوں کے بعد سات قعدہ میں تشہد، درود ابراہیمی اور دعائیں پڑھنے کے بعد سلام پھیر کر نماز کا اختتام کر لیتا ہے۔ اگر نماز کی چار رکعتیں ہوں جیسا کہ نماز ظہر، عصر اور عشاء میں ہوتی ہیں تو پھر نمازی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ الفاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورۃ یا قرآنی آیات پڑھتا ہے جبکہ اگلی دو رکعتوں میں صرف سورۃ الفاتحہ ہی پڑھتا ہے اور

چوتھی رکعت میں دو سجودوں کے بعد حالت قعدہ میں تشہد، درود ابراہیمی اور دعائیں پڑھنے کے بعد دعائیں بائیں سلاہ پھیر کر نماز کا اختتام کرتا ہے۔

## چند انفرادیات:

﴿561﴾ شافعی اور حنبلی مسلک وفقہ کے حامل افراد نماز فجر میں ایک دعا کا اضافہ کرتے ہیں جسے دو دعائے قنوت کہتے ہیں۔ چنانچہ جب نماز فجر کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد قومہ کی حالت میں پہنچتا ہے تو اس دعا کو پڑھتا ہے اور پھر اس کے بعد سجدہ میں چلا جاتا ہے۔ دوسرے مسالک وفقہ کے ماننے والے ایسا نہیں کرتے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ معلم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل محض عارضی و وقتی تھا۔

﴿562﴾ حنفی مسلک وفقہ کے لوگ بھی دعائے قنوت پڑھتے ہیں مگر وہ اس دعا کو نماز وتر میں پڑھتے ہیں۔ چنانچہ نماز وتر کی تیسری رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورۃ یا آیات پڑھنے کے بعد دعائے قنوت پڑھ کر رکوع میں چلا جاتا ہے اور باقی نماز حسب معمول ادا کرتا ہے۔ تاہم اجتماعی نماز میں نمازی کو چاہیے کہ وہ امام کی پیروی کرے چاہے اس کا کوئی بھی مسلک ہو۔

﴿563﴾ کچھ مسالک سے منسلک افراد دو سے زائد رکعت کی نمازوں میں دوسری رکعت کی حالت قعدہ میں بھی درود ابراہیمی پڑھتے ہیں جبکہ دوسرے صرف آخری رکعت میں درود ابراہیمی پڑھتے ہیں۔

## فقہی اختلاف:

﴿563﴾ (الف) مسلمان تین بڑے گروہوں اور گروپوں میں مختصم ہیں جن کی ذیلی شاخیں ہیں۔ ان بڑے گروہوں اور گروپوں میں سنی، شیعہ اور خارجی شامل ہیں۔ مذہبی عقائد و روایتی رسومات میں ان کے چند اختلافات ہیں۔ ان اختلافات کی تاریخ و تفصیلات بیان کرنے کا یہ مناسب و موزوں موقع نہیں تاہم کسی وسیع المشرب شہر میں جب کوئی فرد مختلف مسلک وفقہ کے حامل مسلمانوں کو ایک ہی عمل مختلف طریقہ وسیلے سے کرتا ہوا دیکھتا ہے تو اس کے ذہن میں یہ سوال ضرور ابھرتا ہے کہ یہ اختلاف کہاں سے آیا؟ عقائد کے اختلافات سے قطع نظر (جو کہ ہر فرقہ کے سرکردہ فقہاء کے استخراج و استنباط کے باعث پیدا ہوتے ہیں) اگر دینی رسومات کے معاملات کو مد نظر رکھا جائے تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کسی نے بھی کوئی اختراع و ایجاد نہیں کی بلکہ سب کچھ معلم کائنات، فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے سیدھا ہم تک پہنچا ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال سے اخذ کیا گیا ہے۔

﴿563﴾ (ب) پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات اپنے کسی فعل و عمل کا طریقہ تبدیل فرما دیتے تھے اور واضح طور پر انسان بھی کہہ دیتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فلاں سابقہ عمل منسوخ سمجھا



جائے مثلاً سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ایسا کرتے تھے کہ رکوع میں اپنے ہاتھ اور بازو ڈھیلے انداز میں دائیں بائیں جانب لٹکا لیتے تھے۔ بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ پے گھٹنوں پر رکھنا شروع کر دیئے اور سابقہ عمل سے منع فرما دیا۔ کئی مواقع پر ہادی عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا کوئی فعل و عمل تبہیل فرماتے تھے تو کچھ بھی ہدایت نہیں کرتے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت و نبوت کے کئی نسلوں بعد بعض معاملات میں بحث شروع ہو گئی اور مختلف جید و بھر علماء نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل و عمل کی روایت کو مختلف مطالب و منائیم دیئے۔

﴿563﴾ (ج) یس یہ واضح ہے کہ عملاً تمام اختلافات داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے کسی فعل و عمل کے مختلف انداز کی وجہ سے پیدا ہوئے اور کسی فرد کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ انہیں رد کر دے۔ زیادہ تر ایسا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ہی عمل کو مختلف انداز میں کرنے کا تاریخ وار جدول ترتیب نہیں دیا جاسکتا تاکہ پتہ چل سکے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کن سا انداز اختیار کیا اور پھر کون سا طریقہ اپنایا۔ یوں ہم یہ تعین نہیں کر سکتے کہ کس انداز کو بعد والا سمجھ کر پہلے والے کو منسوخ کر دیں۔ مثلاً اگر ایک شافعی کسی حنفی امام کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے انکار کر دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و پیروی کرنے سے انکار کر دیا جبکہ حنفی امام نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ انداز اختیار کیا تھا جس سے شافعی فقہ و مسلک والے آگاہ و آشنا نہیں تھے۔ کس قدر شریف و عظیم ہے۔

﴿563﴾ (د) اسلامی ادب میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک لقب ”حبیب اللہ“ بھی ہے یعنی اللہ کا محبوب اور قرآن حکیم واضح طور پر کہتا ہے کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ  
الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۝

(سورۃ الاحزاب، آیت: 21)

**ترجمہ** ”البتہ تمہارے لئے رسول اللہ میں اچھا نمونہ ہے جو اللہ اور قیامت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے۔“

یہ امر قابل ذکر ہے کہ رب قادر و قدیر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی محبت میں یہ چاہا اور پسند کیا کہ اپنے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر غیر منسوخ شدہ عمل پر مسلمان عمل پیرا ہوں۔ ایک ہی عمل کو مختلف انداز سے کرنے میں اس حکمت کے سوا اور کوئی بات نہیں تھی کہ کچھ لوگ ایک انداز سے عمل کریں جبکہ کچھ دوسرے افراد وہی عمل دوسرے انداز سے کریں۔ یوں دکھائی دیتا ہے کہ رب رحمن و رحیم کی مرضی و منشاء یہی ہے کہ مختلف مکتبہ دہائے مسلک و فقہ کے ذریعہ داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ انعام و اعمال تا قیامت قائم و دائم رہیں۔ آئیے، باہمی عزت و وقعت اور باہمی رواداری کو فروغ دیں۔

## نماز میں خلل:

**564** اگر کوئی فرد دورانِ ادائیگی نماز کسی شخص سے بات کرتا ہے یا ہوا خارج کرتا ہے یا اونچی آواز میں بنتا ہے یا کوئی چیز کھاتا پیتا ہے تو اس کی نماز منسوخ ہو جاتی ہے جس پر اسے نئے وضو کے ساتھ دوبارہ نماز ادا کرنا چاہیے تاہم اگر کوئی نمازی دورانِ نماز کوئی رکن نماز ادا کرنے سے بھول جاتا ہے اور اسے نماز کے دوران یاد آ جاتا ہے کہ اس سے سہو ہو گیا ہے تو اسے نماز منسوخ کرنے کی بجائے جاری رکھنا چاہیے البتہ اسے سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کرنا ہوں گے۔ یوں اس کی نماز مکمل سمجھی جائے گی۔ ان بھول چوک کی تلافی کرنے والے ان نسیبی سجدوں میں اسے یا تو معمول کے مطابق سبحان ربی الاعلیٰ پڑھنا چاہیے۔ یا پھر وہ یہ بھی پڑھ سکتا ہے کہ **سُبْحَانَ مَنْ لَا يَنَامُ وَلَا يَسْهُو** (پاک ہے وہ (اللہ) جو نہ ہی سوتا ہے اور نہ ہی بھولتا ہے)

**565** اگر کوئی فرد مسجد میں قدرتِ برہ سے پہنچتا ہے اور اجتماعی نماز (جماعت) میں شامل ہوتا ہے تو اسے نماز کے اس حصے بارے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کہ جو پہلے ہی ادا ہو چکا ہے بلکہ اسے امام کی پیروی کرنا چاہیے۔ اگر وہ ایک یا ایک سے زائد مکمل رکعتوں میں شامل نہیں ہو سکا تو امام کے سلام پھیرنے پر وہ سلام پھیرنے کی بجائے کھڑا ہو جائے گا اور جس قدر رکعتیں رہ گئی تھیں انہیں مکمل کرنے کے بعد سلام پھیر کر نماز ختم کرے گا۔ فرض کرو کہ نمازی نمازِ مغرب کی جماعت کی دوسری رکعت کے سجدے میں شامل ہوتا ہے تو اس کی امام کی اقتداء میں صرف ایک رکعت شمار ہوگی۔ پھر وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہو جائے گا اور بقایا دو رکعت ادا کرنے کے بعد اختتامی سلام پھیرے گا۔ اگر کوئی شخص حالتِ رکوع میں شامل جماعت ہوتا ہے تو اس کی وہ رکعت مکمل شمار کی جاتی ہے۔ اسے رکوع سے پہلے پڑھی گئی سورۃ یا قرآنی آیات بارے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں لیکن اگر کوئی نمازی رکوع کے بعد شامل جماعت ہوتا ہے تو اس کی وہ رکعت شمار نہیں ہوتی چنانچہ اسے امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ رکعت تمام ارکان کے ساتھ ادا کرنا ہوتی ہے۔

**566** اگر کسی کو کسی جگہ پر کعبہ و قبلہ کی صحیح سمت معلوم نہ ہو تو اسے اندازاً سمت کا تعین کر لینا چاہیے۔ اس سے لئے اتنا ہی کافی ہے کیونکہ رب و وحدہ لا شریک کی ذات پاک ہر جگہ اور ہر مقام پر موجود ہے۔ نماز کی ادائیگی کے دوران نمازی پر لازم ہے کہ وہ وقار اور انہماک کا مظاہرہ کرے۔ وہ اس بات کو ضرور مد نظر رکھے کہ اس نے اپنی پیشانی کا رخ کس جانب رکھنا ہے۔ رکوع کے دوران وہ پیشانی کا رخ اپنے پاؤں کے تانخوں کی طرف رکھے جبکہ دورانِ سجدہ اپنی آنکھیں حتمی طور پر کھلی رکھے اور یہ کہ اسے کبھی بھی آسمان کی طرف نہیں دیکھنا چاہیے اور نہ ہی دائیں بائیں نظر ڈالنی چاہیے۔ اسے اپنے قدم مستحکم رکھنا چاہئیں اور ایک ہی جگہ رکھنا چاہئیں۔

یہ بہت بُری عادت ہے کہ سجدہ میں جاتے ہوئے اور حالتِ قیام میں واپس آتے ہوئے نمازی گئے پیچھے ہوتا رہے۔

567 نماز کے بعد نمازی رب تبارک و تعالیٰ سے وہ کچھ مانگ سکتا ہے جس کی وہ خواہش دآرزو رکھتا ہے۔ بہترین و نامیں وہ ہیں جن کی قرآن پاک نے تعلیم دی ہے۔

568 چونکہ نماز کا تمام تر متن عربی زبان میں ہوتا ہے اس لئے نمازی کو چاہیے کہ وہ اسے زبانی یاد کر لے۔ خاص طور پر سورۃ الفاتحہ جو کہ نماز کا لازمی ترین جزو ہے۔

## نماز جنازہ:

569 نماز جنازہ ادائیگی کے حوالے سے دوسری نمازوں سے مختلف ہے۔ نماز جنازہ کی ادائیگی کے لئے حسبِ معمول وضو کے بعد نیت کرتے ہوئے دونوں ہاتھ کانوں تک بلند کر کے اللہ اکبر کہہ کر آغاز کر دیا جاتا ہے۔ حمد و ثنا، سورۃ الفاتحہ اور قرآن پاک کی کوئی اور سورۃ یا قرآنی آیات پڑھی جاتی ہیں۔ (جیسا کہ دوسری تمام نمازوں میں کیا جاتا ہے) تاہم نہ تو رکوع کیا جاتا ہے اور نہ ہی سجدہ کیا جاتا ہے۔ درحقیقت تلاوت قرآن کے بعد اللہ اکبر کہا جاتا ہے اور حالتِ قیام میں ہی رہا جاتا ہے۔ پھر درود پاک کے بعد رب العزت کی بارگاہ میں زندہ و مژدہ حاضر و غائب مسلمانوں کے لئے مغفرت کی دعا والتجا کی جاتی ہے۔ (اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ ۝ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ رَحِمَتِنَا وَرَحْمَتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَايِبِنَا بِرَحْمَتِكَ الْوَاسِعَةِ ۝) پھر تیسری بار اللہ اکبر کہا جاتا ہے اور خاص طور پر اس میت کے لئے دعا کی جاتی ہے جس کی نماز جنازہ پڑھی جا رہی ہوتی ہے (اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِهٰذَا النَّمِيَّتِ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝) پھر چوتھی بار اللہ اکبر کہا جاتا ہے اور آخر میں سلام پھیر کر نماز کا اختتام کر دیا جاتا ہے۔

## بیماری اور سفر:

570 اگر کوئی شخص اس قدر بیمار ہے کہ بستر تک محدود ہو کر رہ گیا ہے تو وہ بیٹھنے ہوئے یا لیٹے ہوئے بھی بہترین انداز میں نماز ادا کر سکتا ہے۔ اگر وہ بیٹھ کر نماز ادا کر سکتا ہے تو وہ سجدہ کرتے ہوئے سر کو اتار جھکانے لگا کہ وہ زمین سے نہیں چھوئے گا۔ اگر وہ لیٹ کر نماز ادا کر رہا ہے تو وہ صرف اپنے ذہن میں قیام، رکوع، سجود وغیرہ کی حالتوں کا تصور کر کے ہر حالت کے لئے مقررہ مجوز و متن و مواہد پڑھے گا۔

571 داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مشاء ربی کے تحت یہ اجازت دی گئی ہے کہ مسافر یا رکعتوں کو مختصر کر کے دو رکعتیں ادا کر سکتا ہے اور اگر سفری حالات کی مجبوری کے باعث نماز کا وقت نہیں ملے گا تو وہ دو نمازیں یکجا ادا کر سکتا ہے۔ مثلاً ظہر اور عصر کی نمازیں وہ دو پہر اور سورج غروب

ہونے کے درمیانی عرصہ میں کسی بھی وقت پڑھ سکتا ہے۔ اسی طرح مغرب اور عشاء کی نمازیں رات کے لمحات میں کسی بھی وقت داکی جاسکتی ہیں۔

## نمازوں کے اوقات:

﴿572﴾ عام طور پر نماز فجر پڑھنے اور سورج طلوع ہونے کے درمیانی لمحات سعادت آفریں ہیں ادا کی جاتی ہے۔ نماز ظہر کا وقت سورج کے نقطہ سروج پر پہنچنے کے بعد سے شروع ہو کر قدرے تین گھنٹے تک رہتا ہے۔ نماز عصر بعد از سہ پہر سے سورج غروب ہونے سے پہلے تک پڑھی جاسکتی ہے۔ نماز مغرب کا وقت سورج غروب ہونے کے فوراً بعد شروع ہو کر قدرے ڈیڑھ گھنٹہ تک رہتا ہے۔ نماز عشاء چھٹے کے اختتام سے لے کر پڑھنے سے پہلے تک ادا کی جاسکتی ہے تاہم نصف شب سے پیشتر اس کی ادائیگی لائق ترجیح ہے۔

﴿573﴾ یہ امر قابل ذکر ہے کہ نمازوں کے یہ اوقات خط استوا اور اس کے قریبی علاقوں کے ساتھ ساتھ خط سرطان اور خط جدی کے درمیانی علاقوں میں سہولت کے ساتھ قابل عمل ہیں مگر قطب شمالی اور قطب جنوبی میں کہ جہاں چھ ماہ کی رات اور چھ ماہ کا دن ہوتا ہے یہ اوقات اس انداز میں قابل عمل نہیں ہیں کیونکہ ان اوقات کو سورج کے مطابق ترتیب و تفصیل نہیں دیا جاسکتا۔

﴿574﴾ قرآن مجید فرقان میرہ میں ارشاد رب اعزت ہے کہ:

لَا يَكْفُرُ اللَّهُ تَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا

(سورۃ البقرہ، آیت: 286 پہلا حصہ)

ترجمہ ”اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت کے سوا تکلیف نہیں دیتا۔“

مزید یہ کہ:

قُلْ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۚ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۚ

(سورۃ الم نشرح، آیات: 6، 5)

ترجمہ ”پس بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ بے شک ہر مشکل کے ساتھ

آسانی ہے۔“

رسول رحمت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف کام الہی کی تصدیق و توثیق کی بلکہ اپنے پیروکاروں کو ہدایت کی کہ ”سہولتیں اور آسانیاں پیدا کرو۔ مشکلات پیدا کر کے لوگوں کو اسلامی قوانین سے متنفر نہ کرو بلکہ ان کے ساتھ بھائیوں جیسا سلوک کرو۔“ عمومی ہدایات کے ساتھ ساتھ مقام کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دلوں کی غیر معمولی طوالت کے سوال کا بھی جواب دیا۔ مسلم بیہیہ، ابوداؤد بیہیہ، ترمذی بیہیہ، ابن ماجہ بیہیہ اور

دوسروں نے اس حدیث پاک کو بیان کیا ہے کہ ”جب جال و گول کو گمراہ کرنے آئے گا تو وہ زمین پر 40 یوم تک رہے گا۔ ان 40 ایام میں پہلا دن ایک سال کے برابر ہوگا۔ دوسرا دن ایک ماہ کے برابر ہوگا۔ تیسرا دن ایک ہفتہ کے برابر ہوگا جبکہ باقی ایام معمول کے دورانیہ کے ہوں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان پر کھڑے ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا اس دن جو کہ سال کے برابر ہوگا صرف پانچ نمازیں پڑھنا کافی ہوگا؟ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں بلکہ وقت کے شمار کے حساب سے۔“ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی حدیث پاک کی روشنی میں مسلمان علما، کرام نے خلاف معمول حالات میں سورج کی بجائے گھڑی کے اوقات کی پیروی کرنے کی ہدایت کی ہے۔



## نماز صرف عربی ہی میں کیوں؟

﴿575﴾ اس امر سے ہر مسلمان بخوبی آگاہ و آشنا ہے کہ نماز (صلوٰۃ) میں وہ صرف عربی زبان ہی استعمال کرتا ہے۔ وہ قرآن پاک کی سورتیں اور آیات کے ساتھ ساتھ ایسے کلمات ادا کرتا ہے کہ جن میں وہ رب و حمد لا شریک کی وحدانیت و حقانیت اور اپنی عاجزی و انکساری کا برملا اقرار و اظہار کرتا ہے۔ نماز میں عربی زبان کا استعمال صرف عربی باشندے ہی نہیں کرتے بلکہ غیر عربی بھی کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ بھی جو عربی کے ایک لفظ تک کے مفہوم و مطلب کو نہیں جانتے۔ یہی صورت حال داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی تھی اور یہی طریقہ و سلیقہ آج تک قائم و دائم ہے چاہے نمازی کا تعلق کسی بھی ملک سے ہو اور چاہے اس کی کوئی بھی زبان ہو۔

﴿576﴾ پہلی نظر میں تو یہی بہتر و افضل اور قابل ترجیح و موقع دکھائی دیتا ہے کہ ایک مومن کو اپنے خالق و مالک سے اس انداز و نیاز سے مخاطب ہونا چاہیے کہ وہ خوب اچھی طرح جانتا ہو کہ وہ اپنے رب سے کیا کہہ رہا ہے۔ یقینی طور پر ہر شخص اپنا مافی النفس، اپنے دل و دماغ کی آواز اور اپنے مقصد و مطلب کو اپنی مادری زبان میں بہتر و دیر تر اور زیادہ واضح طور پر بیان کر سکتا ہے۔ اگر ایسا ہو تو پھر رب ذوالجلال کی پرستش و عبادت ان تمام زبانوں میں کی جائے گی جتنی زبانیں دنیا کے مسلمان بولتے ہیں لیکن اگر گہری اور عمیق نظر سے دیکھا جائے تو ہمیں ایسی ٹھوس وجوہات کا علم ہوتا ہے جو مختلف زبانوں کے استعمال کی حمایت نہیں کرتیں۔

﴿577﴾ سب سے پہلے مابعد الطبیعیاتی (الطبیائی) یا نفسیاتی پہلو کو لیتے ہیں۔ فرمان رب العزت ہے کہ:

الَّتِیْ اَوَّلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ذَاوْدَ اَجْدَا مَهْمُ

(سورۃ الاحزاب، آیت: 6 پہلا حصہ)

ترجمہ ”نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) مسلمانوں کے معاملہ میں ان میں سے بھی زیادہ

دخل دینے کا مقدار ہے اور اس کی بیویاں ان (مسلمانوں) کی مائیں ہیں۔“

یوں سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہما مسلمانوں کی مائیں ہیں جبکہ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ تمام معزز و محترم و مکرم خواتین عربی بولی تھیں لہذا تمام مسلمانوں کی مادری زبان عربی ہوئی۔ کون اس بات پر اعتراض کر سکتا ہے کہ وہ اپنی مادری زبان میں عبادت و پرستش نہ کرے؟

﴿578﴾ شاید یہ دلیل استدلال ہر شخص کو قائل کرنے کے لئے کافی نہ ہو چنانچہ ہم اپنے مطالعہ کو آگے بڑھاتے ہیں۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ اسلامی اعتقاد و ایمان کے مطابق قرآن پاک، اللہ تبارک و تعالیٰ کا کلام ہے جس کی

تاہم کو قرآن حکیم نے فضیلت و افضلیت کا حل قرار دیا ہے۔ روحانی نقطہ نظر سے یہ امر واضح اور غیر مبہم ہے کہ مومن اپنے خالق و مالک سے رابطہ خالق و مالک کے کلام پاک کے ذریعے کرتے ہیں۔ خالق و مالک سے ملاقات کا راستہ واسطہ کلام الہی ہی ہے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح بجلی کا تار بجلی کے کرنٹ کو ترسیل کرتا ہے تو بلب روشن و منور ہو جاتا ہے۔ خدا کی جانب سفر ہی واصل ہر روح کی جستجو و آرزو اور آخری و حتمی مقصد و محور ہے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اصل کلام الہی عربی زبان ہی میں نازل ہوا۔ چنانچہ اس کا کسی بھی زبان میں ترجمہ انسانی فعل و عمل ہوگا اور یوں وہ انسانی الفاظ پر مشتمل ہوگا۔ نتیجتاً وہ بمشکل ہی روحانی و مابعد الطبیعیاتی سفر کو مقصد پورا کر سکے گا۔

579 ﴿﴾ ان افراد کے سنے جو زیادہ ٹھوس اور ذہنی حقائق پر مبنی وجوہات و دلائل کے متلاشی ہوں ان کے لئے اتنا عرض ہے کہ آئیے سب سے پہلے نماز کے دونوں مقہیم میں واضح امتیاز کر لیں۔ ایک یہ کہ نماز کا مطلب عاجزی و انکساری کے ساتھ التجا (دعا) ہے۔ دوسرا یہ کہ رب وحدۃ لا شریک کی پرستش و عبادت (صلوٰۃ) ہے۔ جہاں تک دعا کا تعلق ہے تو کبھی بھی کسی نے کسی شخص کی اس آزادی پر ہلکا سا اعتراض نہیں کیا کہ کوئی فرد اپنے خالق و مالک سے اپنی ضروریات، اپنی خواہشات، اپنی التجائیں، اپنی تمنائیں ہر اس زبان میں اور ہر اس انداز و نیاز اور طور و طریقہ سے بیان کر سکتا ہے کہ جسے وہ مناسب و موزوں سمجھتے ہوئے ترجیحاً اختیار کرتا ہے۔ یہ خاصیت ذاتی اور پرائیویٹ معاملہ ہے اور اس کا تعلق بندے و مالک، مخلوق اور خالق کے باہمی تعلقات سے ہے۔ اس کے برعکس صلوٰۃ ایک اجتماعی اور پبلک معاملہ ہے جہاں اجتماع (جماعت) کے دوسرے ساتھیوں کی حاجات و ضروریات کا واضح طور پر خیال رکھنا ہوتا ہے۔ اصولی طور پر اور ترجیحاً صلوٰۃ کی دائمی مشترکہ (جماعت) طور پر کی جاتی ہے۔ اکیلے اور انفرادی طور پر پڑھنی گنی صلوٰۃ کو رواداری کے جذبہ کے تحت قبول کیا جاتا ہے تاہم کبھی بھی اس کی سفارش یا ہدایت نہیں کی جاتی۔ آئیے اب ہم اس اجتماعی اور عوامی عمل (صلوٰۃ) کے مختلف پہلوؤں کا بغور مطالعہ کرتے ہیں۔

580 ﴿﴾ اگر دین اسلام علاقائی، نسلی یا قومی مذہب ہوتا تو یقینی طور پر متعلقہ علاقائی، نسلی یا قومی زبان استعمال کی جاتی۔ لیکن عالمی و کائناتی مذہب ہونے کی بناء پر اس کی قطعی مختلف ضروریات ہیں۔ اس کے پیروکار سینکڑوں علاقائی زبانیں بولتے ہیں کیونکہ وہ دنیا کے تمام علاقوں، نسلوں اور قوموں سے تعلق رکھتے ہیں جن میں سے ایک ملاقاتی نسل یا قوم سے تعلق رکھنے والا کوئی فرد دوسرے تمام علاقوں یا نسلوں یا قوموں کی زبانوں سے ناواقف و نا آشنا ہوتا ہے۔ آج کل ہماری زندگی زیادہ سے زیادہ کا زمو پالیٹن (Cosmopolitan)، جہاں گشت اور وسیع المشرب ہوتی جا رہی ہے اور عملی طور پر ہر علاقے میں کئی لسانی گروپوں اور گروہوں سے تعلق رکھنے والے افراد مستقل سکونت پذیر ہوتے ہیں مزید یہ کہ مہمانداری اور اخوت و محبت نے جذبہ کے تحت ان افراد کا بھی خیال رکھنا ہوتا ہے جو اجنبی اور مسافر کے طور پر متعلقہ علاقے میں وقتی طور پر داخل ہوتے ہیں مگر اس علاقے سے مختلف زبانوں کے حامل ہوتے ہیں۔ فرض کیجیے کہ انگلینڈ کا ایک رہائشی مسلمان چین جاتا ہے مگر چینی زبان کا ایک لفظ تک نہیں جانتا اور فرض کریں کہ وہ وہاں کسی گلی سے گزرتے ہوئے ”چنگ، چینگ، چینگ“

(Ching, Chang, Chung) کے چینی الفاظ سنتا ہے تو وہ کسی بھی صورت یہ نہیں سمجھ پائے گا کہ کیا کہا جا رہا ہے۔ اسی طرح اگر چین کے اس علاقہ میں چینی زبان میں ترجمہ کر کے اذان دی جا رہی ہے تو وہ اسے مطلقاً نہیں سمجھ پائے گا اور یوں اس وقت کی جمعۃ المبارک کی نماز کی ادائیگی سے رہ جائے گا کیونکہ چین کی مساجد تعمیر بنادے کے حوالے سے انگلینڈ، فرانس یا دوسرے ممالک و علاقوں سے عمومی طور پر مشابہت نہیں رکھتیں اور یہ کہ عام طور پر ان کے مینار تک نہیں ہوتے۔ اسی طرح ایک چینی مسلمان دوسرے ممالک کے منہ کے دوران اپنے ہم مذہب مسلمان افراد اور اپنے مابین کوئی بھی چیز مشترک نہیں پائے گا اگر وہاں کے افراد نماز کی ادائیگی اپنی زبانوں میں کریں۔ چنانچہ ایک عالمی و کائناتی مذہب ہونے کی بناء پر اسلام تمام مومنین کے لئے چند بنیادی مشترک باتوں کا متقاضی ہے۔ چنانچہ اذان اور نماز کے دوران پڑھے جانے والے کلمات ہی واضح طور پر بنیادی مشترک عناصر ہیں۔ برسیل مذکرہ اس حقیقت کو بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ بعض مختلف زبانوں کے الفاظ کی اگرچہ ایک جیسی آواز ہوتی ہے لیکن ان کا مفہوم و مطلب اور اہمیت و فوقیت یکسر مختلف ہوتی ہے۔ بعض اوقات ایک زبان کا سنجیدہ و بے ضرر لفظ دوسری زبان میں مزاحیہ، ناشائستہ اور اخلاق سے گرا ہوا مفہوم و مطلب دیتا ہے۔ اس بات کا خدشہ و خطرہ ان زبانوں میں قوی تر ہو جاتا ہے جن سے کوئی فرد یکسر نابعد اور نادان واقف ہوتا ہے اور انہیں صرف سفر کے دوران ہی سنتا ہے ایسا ہونا نماز کے تقدس و وقار کے منافی ہوگا۔ وہ باتیں جن سے کوئی فرد بچپن ہی سے واقف و آشنا ہو تو پھر ایسی پیچیدگیاں جنم نہیں لیتیں چاہے وہ غیر عربی ہو کر عربی زبان میں عبادت و پرستش کرے۔

﴿581﴾ غیر ملکیوں سے ناپسندیدگی کے باعث بعض اوقات چھوٹی چھوٹی مخالفتوں اور محاسنوں کے انسانی نفسیاتی پہلوؤں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ نماز کی ادائیگی اگر عربی سے دوسری زبانوں کے ترجمہ میں کی جائے تو روزانہ قومی یا حتیٰ کہ انفرادی و ذاتی اختلافات جنم میں گئے۔ مثلاً یہ کہ انگلینڈ کا رابنٹی انگریزی بولنے والا مسلمان فرانسیسی یا روسی یا کسی اور زبان میں ادا ہونے والی صلوٰۃ میں شرکت و شمولیت نہیں کرے گا۔ قرآن و حدیث کی زبان ہونے کی وجہ سے ہر مسلمان، عربی زبان کی عزت و تعظیم کرتا ہے اور وہ اسے محض عربوں کی زبان نہیں سمجھتا بلکہ اسے مومنین کی ماؤں کی زبان ہونے کے ساتھ ساتھ وہ زبان سمجھتا ہے جسے رب قادر و قدیر نے اپنا آخری کلام اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کرنے کے لئے منتخب کیا۔

﴿582﴾ ہم مذہب افراد (مسلمانوں) کے مابین اتحاد و اتفاق اور محبت و یگانگت کی ضرورت پر کبھی بھی زیادہ زور نہیں دیا گیا۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ باہمی اخوت و الفت کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لئے نئے رابطے و رشتے استوار کرے۔ بجائے اس کے کہ جو رابطے ورشتے پہلے سے قائم ہیں ان کو ختم کرے۔

﴿583﴾ بین الاقوامی کانفرنسوں کی مثال بھی دی جاسکتی ہے۔ مثلاً جب کوئی فرد اقوام متحدہ کی تنظیم کے اجلاس میں شرکت کرتا ہے تو وہ اپنا من پسند ذریعہ اظہار منتخب نہیں کر سکتا۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو وہ اجلاس کے مقاصد کے برعکس ہوگا اور دوسرے افراد اس اجلاس میں شریک نہیں ہوں گے تاہم اتنی سہولت ضروری جاتی ہے



کہ وہ اپنا ترجمان مقرر کرے یا اس کی تقریر عالمی تسلیم شدہ زبانوں انگریزی یا فرانسیسی میں انتظامیہ کی جانب سے ترجمہ کی جائے اور یہ کہ کوئی شریک مجلس اس پر اعتراض نہ کرے۔ عوامی مفاد میں ذاتی مفاد کو قربان کرنا پڑتا ہے۔

﴿584﴾ اس موضوع کا ایک اور پہلو بھی ہے جو کم اہم نہیں ہے۔ درحقیقت کوئی بھی ترجمہ کسی بھی صورت اصل کا متبادل نہیں ہو سکتا۔ مثلاً آج کل قرآن پاک کے انگریزی میں کئی تراجم موجود ہیں (بلکہ دنیا کی ہر زبان میں موجود ہیں) اس کے باوجود ایک اور ترجمہ کی بنی اور نہ رکنے والی کوششیں ہوتی رہتی ہیں اور یہ محض اس سوچ کے تحت ہوتا ہے کہ پچھلے تراجم میں کسی نہ کسی حوالے سے کوئی نہ کوئی غامی یا کسی رد گئی تھی۔ یہ بات نہ صرف انگریزی تراجم کے حوالے سے درست ہے بلکہ دنیا کی تمام زبانوں کے تراجم کے حوالے سے بھی صحیح ہے۔ یہ بات نہ صرف قرآن مجید کے تراجم کے باب میں بنی برحقیقت ہے بلکہ کسی بھی تحریر و کلام کے ترجمہ بارے میں سچائی ہے۔ کیا کسی فرد کو ناقص شے استعمال کرنی چاہیے یا ناقص شے سے پاک کامل و مکمل چیز کو ترجیح دینی چاہیے۔۔۔ ترجمہ یا اصل؟

﴿585﴾ اس ضمن میں آئیے اس حقیقت کو یاد کریں کہ لمحہ موجود میں ماسوائے اسلام عملی طور پر کوئی بھی مذہب ایسا نہیں ہے کہ جو ثابت و سالم اصل حالت میں صرف اور صرف انہی کلمات و آیات کا حامل ہو جو اس کے بانی پر نازل ہوئی تھیں۔ وہ تراجم ہیں یا بہترین اقتباسات ہیں جنہیں عیسائی، یہودی، پارسی اور دوسری قومیں حسب مرضی و منشاء استعمال کرتے ہیں۔ کس قدر خوش بخت و خوش قسمت ہیں مسلمان کہ جن کے پاس صحیح، اصل اور ثابت و سالم شکل میں نازل شدہ مواد و متن قرآن مجید، فرقان حمید موجود ہے!

﴿586﴾ مزید یہ کہ قرآن مجید اگرچہ نثر میں ہے لیکن شاعری کی تمام تر خوبیوں اور رعنائی و دلکشی سے مزین و منور ہے جس میں وزن، تناسب، بحر، گوئی، بازگشت اور پُر شکوہ اسلوب وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں حتیٰ کہ محض ایک حرف کے اضافے یا تفریق سے متن اسی طرح مجروح ہو جاتا ہے جس طرح کسی مصرع کا تانا بانا بکھر جاتا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے مجھے ایک نو مسلم فرانسیسی باشندے سے ملاقات کا موقع ملا جو کہ پیشہ کے اعتبار سے موسیقار ہے۔ اس نے مجھے وثوق سے کہا کہ قرآن پاک کی سورۃ النعر کی آیت 2 کے آخری حصے اور 3 کے پہلے لفظ (فَیْ یٰبِیْنَ اللّٰہِ اٰلُوْکَآجَا فَسَبِّہُ) کے درمیان سے کوئی حرف یا حصہ نہ گیا ہے کیونکہ قرآن پاک میں جو غنائیت ہے اس حوالے سے یہ قطعی ناممکن ہے کہ اس مقام پر بھی یہ عنصر نہ ہو۔ قرآن کی قرأت کا نا کافی علم اس وقت میرے کام آیا اور میں نے اسے بتایا کہ دراصل اس کا تلفظ اَلُوْکَآجَا فَسَبِّہُ کسی بجائے اَلُوْکَآجَنُوْ فَسَبِّہُ ہے جس میں 'ن' اور 'ف' آپس میں اسٹکھے اس صرح آواز دے رہے ہیں کہ 'ن' کے بعد 'ف' کی آوازیں سے پہلے ہلکی سی 'و' کی آواز ہے۔ میری اس وضاحت پر میرا وہ اسلامی بھائی اور موسیقار بے اختیار پکار اٹھا کہ "میں اپنے ایمان کی تجدید کرتا ہوں۔ آپ کی وضاحت سے اب فن موسیقی کے نقطہ نظر سے کوئی بھی چیز قابل اعتراض نہیں رہ گئی اور اب کوئی بھی ٹکڑا یا اقتباس اس سورۃ میں کم نظر نہیں آتا۔" قرآن الہیم کی نثر اس طرح جچی تلی اور متوازن و متناسب

ہے جس طرح ظلم کی لائنیں ہوں۔ اور اس اظہر من الشمس حقیقت کے تناظر میں کون چاہے گا کہ کامل و اکمل اور شاندار و عالی شان کلام (قرآن) کی بجائے مقابلہ معمولی اور اوسط درجہ کی چیز (ترجمہ) کا انتخاب کیا جائے؟

﴿587﴾ اس حقیقت سے بھی صرف نظر نہیں کرنا چاہیے کہ تمام صلوٰۃ میں محض پندرہ قرآنی اقتباسات ہی تلاوت کرنا ہوتے ہیں۔ پہلے اذان اور پھر اقامہ اور اگر دو رکعت کی نماز ہو تو اللہ اکبر، سبحان ربی الاعظم، سبحان ربی الاعلیٰ، شاء، سورۃ الفتحہ، دو دوسری چھوٹی سورتیں، تشہد اور درود ابراہیمی اور انتہائی سادہ پر نماز ختم ہو جاتی ہے اور تمام تر کلمات و آیات ایک چھوٹے سائز کے ایک صفحہ سے زیادہ کے نہیں ہوتے۔ ان کے اکثر و بیشتر الفاظ کا مفہوم و مطلب عام مسلمان بہتر طور پر جانتے ہیں اور یہ مسلمان ممالک کی تمام زبانوں میں سرایت کر چکے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک بچہ بھی ان کے معانی بغیر کسی پریشانی کے آسانی کے ساتھ یاد کر سکتا ہے اور جب ان کلمات کی اہمیت اور مفہوم و مطلب یاد ہو جاتا ہے تو ایک مسلمان کے لئے صلوٰۃ ایک مشینی و ملکیٹیکل تلاوت نہیں رہتی کہ جسے بغیر سوچہ بوجھ کے ادا کیا جائے۔

﴿588﴾ میرا ذاتی خیال ہے کہ کوئی بھی مسلمان ترجمہ کو وہ اہمیت و وقعت اور عزت و فضیلت نہیں دے گا جو وہ اصل کلام الہی کو دیتا ہے جو کہ رب ذوالجلال نے نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول کیا کیونکہ ترجمہ بہر حال ایک عام انسان بن کر لے گا جو کہ معصوم و غلطیوں سے مبرا نہیں ہوگا اور اسے رب قادر و قدیر کی جانب سے غلطی کا ارتکاب نہ کرنے کی نعمت بھی ودیعت نہیں ہوگی جیسا کہ معلم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ودیعت کی گئی تھی۔

﴿589﴾ ایک روز ایک نوجوان طالب علم اس بات کی اہمیت پر از حد مصر اور بصد رہا کہ نماز میں جو کچھ نمازی منہ سے ادا کرتا ہے اسے اس کا مفہوم و مطلب اچھی طرح آنا چاہیے۔ جب اسے قائل کرنے کے تمام دلائل ناکام نظر آئے تو میں نے اس سے کہا کہ ”اگر آپ مجھ سے یہ وعدہ کرتے ہیں کہ آپ پانچویں نمازیں انتہائی باقاعدگی اور تسلسل کے ساتھ اپنی درجہ زبان میں ادا کریں گے تو میں تمہیں اس بات کی اجازت دیتا ہوں۔“ اس کے بعد اس نے بحث ختم کر دی اور پھر اس پر بات کرنے کے لئے کبھی لوٹ کر نہیں آیا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ جو لوگ ایمان اور عقیدہ کو علاقائی حدود تک محدود کرنے پر زور دیتے ہیں ان کی اکثریت ان افراد پر مشتمل ہے جو خود اس پر عمل نہیں کرتے۔ ایک مومن و مسلمان کو کوئی ضرورت نہیں کہ وہ ان کے ساتھ بحث کرے یا مشورہ دے جو نہ تو اسلام پر یقین رکھتے ہیں اور نہ ہی اس پر عمل کرتے ہیں۔

﴿590﴾ آخر میں ان لکھاریوں کا حوالہ دیتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے نماز کی ادائیگی میں کلام الہی کا ترجمہ پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ لیکن یہ آدھا حقا ہے۔ ایسے لکھاری یہ حقیقت نہیں بتاتے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ پہلے اس بات کا اختیار دیا تھا لیکن بعد ازاں اسے تبدیل کر دیا تھا (بحوالہ ”ہدایہ“ المرغانی، ”الدر المنثور“ المستطی) اور یہ کہ انہوں نے واضح طور پر کہا تھا کہ عام حالات میں

نماز کی ادائیگی میں صرف عربی متن ہی پڑھا جائے۔ یقینی طور پر استثنائی حالات میں رعایات دی جاتی ہیں جیسا کہ ایک نو مسلم کو مشرف بہ اسلام ہونے کے فوراً بعد روزانہ پانچ نمازیں ادا کرنا ہوتی ہیں اور یوں اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ نماز میں استعمال ہونے والے کلمات و آیات کو زبان یا دکرے مگر اس کے لئے فوری طور پر ایسا کرنا مشکل و ناممکن ہوتا ہے۔ چنانچہ صرف اس غرض کے اور ان کہ جس میں وہ عربی متن یاد کر رہا ہوتا ہے اسے یہ سہولت دی جاتی ہے کہ وہ جس زبان کے ترجمہ میں چاہے نماز ادا کر سکتا ہے۔ اس ضمن میں ہمارے پاس حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اعلیٰ و ارفع مثال موجود ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دائمی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے چند ایرانی نو مسلموں کو سورۃ الفاتحہ کا فارسی ترجمہ میں ترجمہ بھیج دیا جو نو مسلم افراد نے اس وقت تک استعمال کیا تھا جب تک انہوں نے عربی متن یاد نہیں کر لیا تھا (بخاری، حاشیات اہدایہ، تاج الشریعہ) چنانچہ مشرف بہ اسلام یعنی دائرۃ اسلام میں داخل ہونے والے بالکل نئے افراد وقتی طور پر چند گفتگو یا چند دنوں کے لئے ضرورت کے مطابق ترجمہ استعمال کر سکتے ہیں۔

591 نماز میں عربی کے علاوہ دوسری کوئی غیر ملکی زبان استعمال کرنے کے فوائد بھی ہیں اور نقصانات بھی ہیں۔ یہی صورت حال عالمی و کائناتی مذہب اسلام کے پیروکاروں کی اپنی مادری زبان استعمال کرنے کی ہے۔ یہ نمازی پر منحصر ہے کہ وہ نقصانات کے مقابلے میں فوائد کو ترجیح دیتا ہے یا بے وزن ترجیحات پیش کرتا ہے!!

## خالصتاً قمری کیلنڈر ہی کیوں؟

592 یہ بات ہم سب کے علم میں ہے کہ مذہبی مقاصد کے لئے اسلام خالصتاً قمری کیلنڈر استعمال کرتا ہے۔ جس میں روزوں کا مہینہ رمضان المبارک، حج بیت اللہ کا مہینہ ذوالحجہ موسموں کے اعتبار سے تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ قبل از اسلام عربوں میں یہ رواج و روایت تھی کہ وہ کیلنڈر میں مہینوں کا تقدم و تاخر کر لیتے تھے۔ یہ دائمی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے جنہوں نے اس رواج و روایت کا خاتمہ کیا۔ اپنے وصال سے محض تین ماہ پیشتر نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر رب قادر و قدیر کا کلام وصول فرمایا جس میں مہینوں کے تقدم و تاخر کی مذمت کی گئی تھی۔

اِنَّا التَّائِيْنَ غُرِيَادَةً فِي الْكَفْرِ يُضَلُّ بِهَا الذِّنُّ كَفَرًا ذُو اِيْجَلُوْنُهُ عَامًا  
وَيُحَرِّمُنَا عَامًا يَّوْا اَعْدَاءَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُجَلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ذُوْينِ  
لَهُمْ سُوْءٌ اَعْصَابِهِمْ ۚ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ ۝

(سورۃ التوبہ، آیت: 37)

ترجمہ: ”(حرمت والے مہینوں کو) ہٹا دینا تو کفر میں اور اضافہ کرنا ہے۔ گمراہ کیے جاتے ہیں اس سے وہ لوگ جو کافر ہیں۔ حلال کر دیتے ہیں ایک ماہ کو ایک سال اور حرام

کہہ دیتے ہیں اسی کو دوسرے سال تاکہ پوری کریں گنتی ان مہینوں کی جنہیں حرام کیا ہے اللہ نے تاکہ اس میلہ سے حلال کر میں جسے حرام کیا ہے اللہ نے۔ ان کے بُرے اعمال انہیں بھلے دکھائی دیتے ہیں اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں کرتا۔“

[در اصل کفار کا طریقہ یہ تھا کہ جب آپس میں جنگ آزما جوتے اور اسی دوران ماہِ محرم آجاتا تو اسے کیلنڈر سے ہٹا دیتے اور کہتے کہ اس سال ۶ صفر پہلے گیا ہے اور اس بہانے سے ماہِ محرم میں بھی جنگ جاری رکھتے تھے۔ (مترجم)]

اس اسلامی اصلاح کے کئی فوائد ہیں جن میں سے تین کی وضاحت ضروری ہے۔

593 ﴿﴾ جہاں تک روزوں کا تعلق ہے اسلامی کیلنڈر بہت مفید ہے کیونکہ اس کے باعث اس بات کا امکان پیدا ہو جاتا ہے کہ روزہ دار ہر موسم کی اشیائے خورد و نوش سے لطف اندوز ہو سکتا ہے (کیونکہ ماہِ رمضان المبارک کبھی ایک موسم میں آتا ہے تو کبھی دوسرے میں آتا ہے)۔ یوں نہ تو ہمیشہ پریشانی رہتی ہے اور نہ ہی ہمیشہ آسانی رہتی ہے۔

594 ﴿﴾ اسلام پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ مختلف علاقوں کی مختلف آب و ہوا اور موسموں کو بھی زیرِ غور لیا جانا چاہیے۔ اگر رمضان المبارک شمسی کیلنڈر کے مطابق کسی مستقل مہینہ یعنی ایک ہی موسم کے لئے مختص و متعین کر دیا جاتا تو یہ طبعی و قدرتی طور پر ناممکن ہو جاتا۔ درحقیقت شمالی نصف کرے (وہ علاقے جو خط استواء کے شمالی جانب واقع ہیں) کا موسم گرما مہینوں کی نصف کرے (وہ علاقے جو خط استواء کے جنوبی جانب واقع ہیں) کے موسم سرما کے ساتھ ساتھ آتا ہے۔ یوں ایک کرے کے لئے جو موسم خوشگوار ہوتا ہے وہ دوسرے کرے کے لئے ناخوشگوار ہوتا ہے۔ اگر قمری کیلنڈر اختیار کیا جائے تو مسلمان روزہ داروں کے لئے یہ امتیاز و تفریق ختم ہو جاتی ہے اور وہ باری باری ہر موسم کا مزہ چکھتے ہیں۔

595 ﴿﴾ اسلامی قمری کیلنڈر اختیار کرنے سے زکوٰۃ کی وصولی میں غیر محسوس انداز میں اضافہ ہو جاتا ہے کیونکہ 33 شمسی سال 34 قمری سالوں کے برابر ہوتے ہیں۔ یوں زکوٰۃ ادا کرنے والا ہر شخص 33 شمسی سالوں میں 34 بار سالانہ ٹیکس (زکوٰۃ) کی ادائیگی کرے گا۔ اس طرح حکومت و وقت کو قمری کیلنڈر کے مطابق ملازمین کو تنخواہیں ادا کرنے کے باوجود معقول بچت ہوگی جسے قومی تعمیر کے کاموں اور بالخصوص غرباء کی نلاح کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

## حرف آخر:

596 ﴿﴾ ہم دعا گو ہیں کہ ہماری یہ عاجزانہ کوشش داعیِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام و نظام کو روشن و منور کرنے کا مقصد پورا کرے گی۔ مزید تفصیلات کے لئے ضخیم اور مخصوص کتب، علماء و فضلاء اور اعلیٰ و ارفع تعلیمی اداروں [مثلاً الازھر (مصر)، زیتون (تونس)، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی (پاکستان) وغیرہ] سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

# Stockest Englend Azhar Enterprises

315, Dickenson Road  
Longsight, Manchester, M13 0NR  
Tell, 0044 (0) 161 224 6331